مقدمۃ المؤلف

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حق تعالیٰ خود نظام کا منتظم اور مدبر ہے "ویدبر الامر من السماء الی الارض" کے پیش نظر ملائک ہیں یا انبیاء علیہم السلام، خلفاء راشدین ہیں یا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین ہیں یا تبع تابعین، فقہاء کرام ہیں یا مجتہدین، محدثین ہیں یا مفسرین، مؤرخین ہیں یا محققین، مصنفین ہیں یا ناشرین وجامعین یہ صرف ذرائع اور وسائل خیر ہیں۔ حقیقت کارفرمائی چشمۂ فیضان الوہیت کی ہی ہے "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" (بنی اسرائیل آیت ۸۵) نبی آخر زمان رسول اکرم ﷺ کو جن و انس فرش تا عرش جمیع خلائق اور کائنات کے لئے رسول و نبی خاتم و مختتم بنایا ہے۔

حضرت اقدس امام العصر محدث کبیر فقیہ علی الاطلاق آیت من آیات اللہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے منظومہ میں فرماتے ہیں

یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا
تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظیری
ادراک بختم ست و کمال ست بخاتم
عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری

چنانچہ علوم نبوت کی جو تنفیذ چار دانگ عالم میں خلافت راشدہ سے ہوئی اور خود بنو امیہ اور بنو عباس کے صد قبائح اور بشریات، مصائب سمیت کائنات کے چپے چپے تک وحدت و فردت الٰہی کا پیغام اور نبی خاتم کی منور تعلیمات کا شہرہ جس ڈھیر ملے سے حجر و شجر و مدر تک پہنچا ہے وہ بھی آیت قرآنی "ورفعنا لک ذکرک" کا کرشمہ ہے۔

عرب آئمہ اپنی جگہ مگر اعاجم کے آئمہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تفقہ اور تبحر اجتہاد، ان کے لائق و فائق شاگردوں اور معتقدین کے ذریعے جس طرح "نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر" کی ایک مسلمہ داستان ہے جس کے شیرین و پرلذت زمزموں سے رہتی دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ احادیث کے میادین میں امام بخاری اور ان کی الجامع الصحیح کو دیکھ لیجیے جسے مصنف اور مصنف دونوں کے لئے معراج صدق و دیانت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا معجزہ مانا جاتا ہے۔ بہر حال

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم
چناں کہ حرف عصا گفت موسیٰ در طور

مولانا روم رحمہ اللہ شمس تبریز کے لئے ترجمان ٹھہرے اور کہنا پڑا کہ

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزے نہ شد

حق تعالیٰ نے مولانا روم رحمہ اللہ کی کتاب کو اپنی شیخ کی شرافت مقام اور بے باک ترجمانی کو یہاں تک پہنچایا کہ زبان پر یہ آیا

من چہ می گویم وصف آں عالی جناب

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

یہ وہی جذبات ہیں، اسی کتاب کی حق گوئی ہے جس کے راست بیان کے لئے مولانا رحمہ اللہ کو مدوجزر میں یہ احساس دلانا پڑا کہ

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی

دنیائے علم و تحقیق تسلیم کر چکی ہے کہ قرآن کریم کے اسرار سربستہ کے بہت سارے دریائے موجزن مولانا روم رحمہ اللہ کے شعری گلدستوں اور خمہائے لذت وشیریں زبانی سے بہ آسانی حل ہوجاتے ہیں۔ بحر العلوم نظیری کی شرح اور حاجی امداد اللہ کا مختصر دیوان اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کلید تو اس باب میں روح المعانی اور فتح الباری کا مقام رکھتی ہیں۔

ان فی ذالک لکفایتہ لمن کان لہ طلب صادق و علم راسخ و قدم ثابت

و اطلاع واسع و ذوق سلیم و طبع کریم

چنانچہ اس عاجز و درماندہ جس کا کائنات علم وعمل میں نہ کوئی مقام ہے اور نہ کوئی

ذکر ہے بلکہ صحیح معنی میں "لم یکن شیأمذکورا" کا مصداق ہے، حق تعالیٰ نے اپنے تکوینی کرشمہائے سر بد کو عزیزم ہمایوں مغل کی شکل میں ظہور پذیر فرمایا جو کبھی اس عاجز کے خرافات بمعنی ملفوظات اور کبھی اس کے گلے سڑے ادارئیے بشکل معارف ومحاسن اور کبھی جموں کے معذرت خواہانہ روئیے برنگ خطبات کے حسین وجمیل عنوانات کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور یہ کام جو کہ از حد دشوار ہے، ان کے لئے حد درجہ آسان اور "النّا لہ الحدید" کا مظہر اور شیریں قند مکرر کی طرح لذیذ وموزون بنایا ہے، خود اسی کا شعر ہے:

میں تو کچھ بھی نہیں ہوں تجھ کو بھلا لگتا ہوں

عاشقی میں اسی ادا کو عدل کہتے ہیں

یہ خطبات ہوں یا رسائل، احسن البرہان ہو یا معارف ومحاسن، اس کی کمزوری اور پر از اغلاط ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی نسبت اس نابکارہ اور شرمسار کی طرف ہے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے خوب کہا تھا کہ

کرم بیں لطف خداوندگار

گناہے بندہ کہ ہست او شرمسار

گو بشری قلم و دوران شباب سے عنفوان تعلیم و تدریس تک یہ عادت رہی تھی کہ تحریر ہو یا تقریر صحیح مسلک کی حمایت صحیح علم کی ترجمانی اور درست تحقیق کا آئینہ دار ہو مگر ایسا کب ہوا اور کب نصیب ہوا، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ایک شعر خوب ہے

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال

بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا

بعض عبارات بے موقع، بعض تحقیقات تدقیق سے تہی اماں یافتہ، بعض ردوقدح تجاوز عن الاعتدال کا خمیازہ اور اس قسم کی بہت ساری چیزیں جو صرف قابل اصلاح نہیں بلکہ واجب اصلاح ہیں، حضرات قارئین اور انصاف پسند ناظرین ہمیں ایسے موقع پر معاف فرمائیں کہ اللہ کریم ورؤف معافی کو پسند فرماتے ہیں "اللھم انک عفو و کریم تحب العفو فاعف عنا" حق بارگاہ ایزدی میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے دریائے لطف وکرم عفوواحسان کے عظیم صدقوں کے پیش نظر حق سے خالی فتویٰ یا دیانت سے عاری تحقیق یا جمہور کے منصور قول سے انحراف یا بغیر کسی وجہ کے کسی بھی اپنے اور پرائے کی دل آزاری سے بے زار اعتذار معافی کا خواستگار رہوں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستان کے آخر میں کیا خوب التجا اور مناجات ہے

لو ان لی یوم التلاق مکانة

عند الرؤف لقلت یا مولانا

انا المسی و انت مولی محسن

ھاقد اسأت و اطلب الاحسانا

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

عاجز وفقیر محمد زرولی خان
بوقت رو انگی عمرہ قبل از ظہر ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

تینتیسواں خطبہ

الحمد للّٰہ جل و علاء و صلی اللہ و سلم علی رسولہ المصطفیٰ و نبیہ المجتبیٰ و امینہ علی وحی السماء و علی آلہ النجباء و اصحابہ الاتقیاء افضل الخلائق بعد الانبیاء و من بھدیھم اقتدیٰ و بآثارھم اقتفیٰ من المفسرین و المحدثین و الفقہاء الی یوم الجزاء اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم　　　بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ فَمَنْ ۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲)

قال رسول اللہ ﷺ ماحق امرء مسلم لہ شئی یوصیٰ فیہ یبیت لیلتین

الا و وصیتہ مکتوبۃ عندہ (بخاری ج ۱ ص ۳۸۲)

قال رسول اللہ ﷺ لا وصیۃ لوارث

(بخاری ج ۱ ص ۳۸۳، ترمذی ج ۲ ص ۳۲، ابو داؤد ج ۲ ص ۴۰)

اللھم صل و سلم عبدک و رسولک و نبیک و نجیک محمد

احمد و علیٰ الہ و اصحابہ و بارک و صل و سلم علیہ

قابل قدر بزرگو اور محترم بھائیو عزیزو! بعض مسائل ایسے ہیں جو پیش آتے ہیں قرآن شریف میں سنت میں اور فقہ میں ان کی تفصیلات ہیں لیکن اکثر حضرات کو ان کی معلومات کم ہے، مناسب جانا گیا کہ ان میں سے بعض مسائل کی مجالس جمعہ میں تفصیل اور تشریح کی جائے۔

وصیت اور وراثت کا مسئلہ

ان میں اصل مسئلہ توریث کا ہے کہ مسلمان ورثاء کا خیال رکھیں اور ورثا کس تفصیل کے ساتھ وارث بنتے ہیں؟ لیکن اس سے پہلے ایک مسئلہ پیش آتا ہے اس کو وصیت کہتے ہیں میں نے ضروری سمجھا کہ آج کی نشست میں وصیت سے متعلق مسائل بیان کردوں۔ وصیت کئی انواع اور الوان پر مشتمل ہے اصولی طور پر کسی رشتہ دار کے حق میں وصیت کا وجود باقی نہیں رہا ہے۔

جن لوگوں کو مال میں حصے دینے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ یہ شخص اتنا لے گا مثلاً لڑکے کو باپ کی وراثت میں جب بہن ساتھ ہو دوہرا حصہ ملے گا اور لڑکی کو ماں باپ کی وراثت میں بھائی کے ہوتے ہوئے ایک حصہ ملے گا اور ماں باپ

فوت ہوئے اور صرف بیٹا ہے یا کئی بیٹے ہیں تو کل مال میں برابر کے وارث ہونگے اور اگر ماں باپ فوت ہوگئے صرف بیٹیاں ہیں ایک بیٹی ہو دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ دو تہائی میں وارث بنتی ہے ایک تہائی مرحوم کے بہن بھائی وغیرہ کو ملتا ہے، اگر کسی کے ماں باپ فوت ہوگئے اور اس کی اپنی اولاد نہیں ہے تو مرحوم کی ماں کو 1/3 اور باپ کو 2/3 ملے گا اور اگر اولاد ہے تو ماں باپ دونوں کو 1/6 ملے گا اگر بیوی مرگئی اور اولاد ہے تو خاوند 1/4 لے گا اگر اولاد نہیں ہے تو خاوند 1/2 لے گا اور اگر خاوند مرگیا ہے اور خاتون رہ گئی تو پھر دیکھنا ہے اگر اولاد ہے تو خاتون 1/8 لے گی اور اگر اولاد نہیں ہے تو 1/4 لے گی یہ وہ حصے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود سورۃ النساء میں ذکر فرمایا ہے جب وراثت کا بیان ہوگا تو پھر میں تفصیل سے عرض کروں گا۔

وراثت کا تعلق موت سے ہے

وراثت کا تعلق حقیقت میں موت سے ہے لوگ موت کے بعد وارث بنتے ہیں زندگی میں کوئی کسی کا وارث نہیں بنتا اس لئے اگر زندگی میں ماں باپ اولاد کو کچھ دینا چاہیں تو برابر دیں گے یہاں تک کہ لڑکے اور لڑکی کا فرق بھی نہیں کرسکتے جتنا بیٹوں کو دے گا اتنا ہی بیٹیوں کو دے گا کیونکہ مرنے سے پہلے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہدایا ہیں، عطایا ہیں، سوغات ہیں، گفٹ، تحفہ ہے۔ اس لئے جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے بخاری اور مسلم شریف میں ''اعدلوا بين اولادكم في العطية.... " (بخاری ج ۱ ص ۳۵۲، مسلم ج ۲ ص ۳۷) اولاد کو عطایا میں برابر رکھو۔ آگے فقہاء نے اس میں تفصیل فرمائی ہے کہ دین اور روایات کو دیکھ کر

آگے چلو۔ ایک بیٹا بد چلن ہے اور ایک بیٹا نیک چلن ہے دونوں ہدایا میں تو برابر نہیں ہوسکتے، ایک بیٹی فقیر کمزور اور غریب ہے اور دوسری بیٹی مالدار ہے اور باپ پیسے تقسیم کرتا ہے ظاہر بات ہے کہ فرق کیا جائے گا۔ ایک بیٹا ماں باپ کی خدمت میں کمربستہ ہو اور زندگی بھر مطیع اور فرمانبردار ہے اور ایک بیٹا ماں باپ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا پرلے درجے کا نافرمان اور سرکش ہے تو ماں باپ کو یہ اجازت مل سکتی ہے کہ وہ فرق کرلیں۔

البتہ پیغمبر علیہ السلام نے انکو نصیحت فرمائی ہے کہ آپ پھر بھی برابری کرلیں۔ اس لئے فقہاء احناف نے کہا ہے کہ یہ تحفہ دینا اور زندگی میں تقسیم کرنا یہ مستحبات میں سے ہیں، فرضیت اور قطعیت تو کسی کی وراثت ہوتی ہے اور وراثت کا تعلق تو موت سے ہے زندگی میں کوئی کسی کا وارث نہیں بن سکتا جب تک باپ زندہ ہے تو اولاد ماں باپ کی کسی بھی چیز کی وارث نہیں ہے۔

اولاد میں برابری، والدین کی ذمہ داری

جب تک ماں باپ زندہ ہیں اولاد کو اپنے حق کا مطالبہ کرنے کا حق بھی حاصل نہیں ہے نان، نفقہ روٹی کپڑا مکان وغیرہ جب تک وہ خود کمانے کے اہل نہ ہوں یہ ماں باپ کے اوپر فرض ہوگا۔ اکثر فقہاء لکھتے ہیں کہ قبل البلوغ فرض ہے اور جب بلوغ کو اولاد پہنچ جائے تو پھر فرض نہیں ہے بالغ ہونے کے بعد جائیں اپنے لئے کمائیں۔ لیکن اگر اولاد معذور ہے یا مفلوج ہے اور ان کا اپنے لئے کمانے کا کوئی نظام نہیں ہے تو پھر ماں باپ کے اوپر ان کا ضروری نفقہ لازم ہے۔ یہ مسائل بہت ضروری ہیں شریعت یہ کہتی ہے اگر زندگی

میں دینا چاہتے ہو تو برابر دیا جائے یعنی لڑکے اور لڑکی برابر ہوں گے۔

دنیا میں ایسے مسلمان بھی ہیں کہ ساری جائیداد بیٹوں کو دے دیتے ہیں اور بیٹیوں کو محروم کر دیتے ہیں اس طرح کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں بیٹی کو طریقے سے سمجھائیں کہ آپ کا حق تو برابر کا بنتا ہے یہ آپ کا بھائی ہے اور یہ بہت مسکنت اور غربت میں ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو زیادہ دینا چاہتا ہوں۔ اگر ورثاء اجازت دیں تو یہ اختیار بھی ہے کہ تمام مال ایک کو دے دیا جائے اجازت کے بعد تو آدمی اپنی پوری جائیداد بھی کسی کے حوالہ کر سکتا ہے لیکن محروم کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ" "مردوں کو حصہ ملے گا اس مال میں جو ماں باپ چھوڑ دیں یا رشتہ دار" "وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ" "اور اسی طرح لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ چھوڑ دیں یا رشتہ دار" "مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ" (سورۃ النساء آیت ۷) یہ مال کم ہو یا زیادہ، عجیب بات ہے کہ لڑکے کے لئے نہیں کہا اور لڑکی کے ساتھ کہا مال کم ہو یا زیادہ لڑکی اور لڑکا دونوں ماں باپ کے وارث ہیں آپ کے لئے کسی کو بھی وراثت سے محروم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

بخاری شریف اور صحیح مسلم اور دیگر معتبر کتب میں ہے ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا حضرت میں زندگی میں اپنے ایک بیٹے کو کچھ دینا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ آپ گواہ رہیں آپ ﷺ نے پوچھا کہ اور اولاد بھی ہے یا یہی ایک ہے اس نے کہا کہ اور بھی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "قال اعطیت سائر ولدک مثل هذا" اوروں کو بھی اتنا اتنا

دے دو اس نے کہا نہیں حضرت ان کو نہیں دینا ہے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ظلم اور گناہ کے کاموں میں گواہ نہ بناؤ تم ظالم اور گناہ گار ہو مجھے کیوں اپنے ساتھ شریک کرتے ہو اتنی سخت ناراضگی آپ ﷺ نے ظاہر فرمائی۔ (بخاری ج ا ص ۳۵۲، ۳۶۱، مسلم ج ۲ ص ۳۷)

ایک شخص رشتہ داروں سے بڑا ناراض تھا بعض رشتہ دار بھی سخت تنگ کرتے رہتے ہیں اور خاص کر مالدار آدمی کے رشتہ دار ہمیشہ منتظر رہتے ہیں کہ یہ ہمیں کچھ دے۔ اپنی ہمت تو ہوتی نہیں دوسروں سے طمع رکھتے ہیں تو اس شخص کو غصہ آ گیا اور اس نے چاہا کہ سارا مال اللہ کے نام پر خیرات کر دوں۔ حالانکہ اس کی اجازت ہے ایک آدمی ایسا کر سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو صرف 1/3 حصہ میں تصرف کر سکتا ہے۔ 2/3 حصہ محفوظ رکھیں اور آپ نے ان کو نصیحت کی کہ 1/3 حصہ بھی زیادہ ہے اسے بھی کم کر لو چونکہ وہ رشتہ داروں سے سخت ناراض تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مرنے کے بعد میرے مال کے یہ لوگ وارث اور مالک بن جائیں تو آپ نے ان کو اس طرح فرمایا

"ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة يتكففون الناس فی ایدیهم"

(بخاری ج ا ص ۳۸۳)

آپ ﷺ نے کیا غیرت کا ارشاد فرمایا، فرمایا کہ تم اس حال میں مر جاؤ کہ تیرے مال پر رشتہ دار آسودہ ہو جائیں یہ بہتر ہے کہ تیرے مرنے کے بعد وہ لوگوں سے مانگتے پھریں، ایک شخص کو اگرچہ زندگی میں پورے اپنے مال و متاع میں تصرف کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن شرعی آداب ہیں کہ اپنے لئے بھی ضرورت سے زیادہ آپ خرچ نہیں کر سکتے اپنی اولاد پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کریں گے۔ اعتدال ہمارے دین کا حصہ ہے،

"وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا" (سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳) اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی امت بنایا ہے اس کے ہر کام میں اعتدال ہے۔

باطل کام کی وصیت باطل ہے

تو جو شخص بھی دنیا سے جاتا ہے شریعت یہ کہتی ہے کہ اگر اس نے کچھ وصیت کی ہے اور کچھ کہا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ دیکھنا ہوگا وصیت جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور قاعدہ اسلام کا اس طرح ہے کہ "ان الوصیۃ بالباطل باطلۃ" (درمختار تنویر) ناجائز کام کے لئے وصیت ناجائز ہے گناہ ہے۔ نافذ ہی نہیں ہونا چاہئے مثلاً کسی نے کہا میرے مرنے کے بعد تمام مال ومتاع حاضر خانے میں دیا جائے مدرسوں اور مسجدوں میں دیا جائے جبکہ رشتہ دار موجود ہیں شریعت یہ کہتی ہے یہ وصیت باطل ہے، غلط اور گناہ کی وصیت ہے۔

وصیت 1/3 میں نافذ ہوجائیگی اور بقیہ کے لئے رشتہ داروں سے اجازت شرط ہے کہ اس شخص نے دنیا سے جانے سے پہلے اس طرح کہا ہے شرعاً اس کو ایسا کہنے کا کوئی حق نہیں تھا اگر آپ خوشی سے اجازت دیتے ہو تو تمھارا مال اس کی وصیت میں دے دیں اور اگر تم اجازت نہیں دیتے ہو تو 1/3 میں اس کا قول اور اس کی وصیت جاری ہوگی اور 2/3 تو رشتہ داروں کا ہو چکا ہے کسی کو کسی کے مال بانٹنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مرنے کے بعد جنازہ پڑھانے کی وصیت

اب چھوٹی سی مثال دیتا ہوں ایک شخص نے کہا میرے مرنے کے بعد میرے جنازے کی نماز فلاں جگہ سے پیر صاحب آئیگا قلندر بابا یا کسی اور مولوی سے اس کی عقیدت

ہے کہ وہ جنازہ پڑھائے گا۔ مرنے کے بعد اس کو اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو وصیتیں کر رہا ہے مرنے کے بعد جنازہ پڑھنے کا مسئلہ لکھا ہے۔ سب سے پہلے بادشاہ مسلمین ہو اور بادشاہ مسلمان ہو اور پڑھانے کے قابل ہو ورنہ ہمارے صدر صاحب سے کون پڑھوائے گا وہ تو جہاں کھڑا ہے وہاں سے بھی لوگ پناہ مانگتے ہیں تو مسلمانوں کا بادشاہ حقدار ہے۔ اگر وہ بھی نہیں تو اس کا قائم مقام، قاضی مفتی نائب سلطان وہ بھی نہیں موجود اور نہیں پہنچ سکتا اہل نہیں ہے تو امام الحیٔ محلے کا امام، محلے کی مسجد کا امام جس کی اقتداء میں مرحوم فرائض پڑھ چکا ہے، وہ حقدار ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۶۳)

بدعتی پیر کا جنازہ پڑھانا جائز نہیں

اب امام صاحب کو پتہ ہے کہ اس شخص نے دنیا سے جاتے وقت ایک اور بزرگ کے لئے کہا ہے اور وہ بزرگ بھی اتفاق سے اہل حق ہے۔ اہل رشد و خیر ہے بدعتی مشرک لعنتی نہیں ہے ورنہ اس کے لئے تو جنازے میں شرکت بھی جائز نہیں ہے یہ کہنا کہ جنازہ میں نمازی زیادہ ہوں نمازی زیادہ نہیں کرنے ہیں مومن زیادہ کرنے ہیں جب وہ بھی اہل حق ہے جس کے لئے مردہ نے کہا ہے مرنے سے پہلے تو امام صاحب سے ورثاء درخواست کر سکتے ہیں اگر امام صاحب اجازت دیں کہ یہ ہمارا مہمان ہے اور مردہ کی بھی خواہش تھی کہ اس سے جنازہ پڑھایا جائے تو بہتر کام ہو جائے گا اگر امام صاحب کو پسند نہ ہو اور وہ نہیں پڑھا سکتے تو شریعت اس کو اجازت دیتی ہے کیونکہ وہ وصیت جو اس نے مرنے سے پہلے کی تھی بے عمل اور بے اثر وصیت تھی اور یہ خود جنازہ پڑھانے کا حق دار ہے۔

در مختار میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مرنے سے پہلے کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے تین دن تک صبح وشام لنگر دے دیا جائے اور کھانے کھلائے جائیں خوب دیگیں چڑھائی جائیں، لکھا ہے یہ ناجائز وصیت ہے شریعت نے کہا ہے کہ مرنے کے بعد لوگ کھانا پکائیں اور مردے والے کو کھلائیں شریعت نے یہ نہیں کہا ہے کہ مردے والے غمگین لوگ لوگوں کو دعوت دیں اس کے باوجود اگر کوئی اپنے مردے کے ایصال ثواب کے لئے پہلی رات دوسری رات اور تیسری رات بغیر مبتدعانہ رسوم کے نفس خیرات صدقات فقراء اور مساکین کے لئے کردے تاکہ اس کا ثواب مردہ کو پہنچ جائے تو اس کی اجازت کی گنجائش ہے لیکن علماء نے اس شخص کی جرأت کو توڑ دیا جس نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد تین دن تک صبح وشام مرغ اور بریانی کھلائی جائیں۔ اس کو چاہئے کہ اپنی قبر کا حساب صحیح کرلے یہ تو زندگی کے مسائل ہیں اور وہ تو مال سے نکل گئے۔

مال کی نحوستیں

حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کا تعلق دنیا میں تین چیزوں سے ہے سب سے زیادہ مال سے اس مال نے بڑوں بڑوں کو ذلیل کردیا مال جب سامنے آتا ہے تب مسلمان ہونے کا پتہ لگتا ہے، ایسا دیوانہ ہوجاتا ہے بیٹا باپ کے گلے پر چھرا پھیرتا ہے اور باپ بیٹے کا نام نہیں لیتا اور شکل برداشت نہیں کرتا کیونکہ مجھے پیسہ نہیں دیتا کیا یہ بیٹا ہے نالائق بیکار اور نااہل ہے نماز ایک نہ پڑھے ساری زندگی داڑھی منڈاتا رہے تمام بدفعلیاں بداعمالیاں کرتا رہے بیٹا ہے لیکن پیسہ نہ دے تو پھر ماں باپ کو دیکھو ان کا ایمان معلوم ہوجائے گا۔

مال کے لئے یہ خود بھی سیاہ وسفید پردہ ہے کہاں سے آرہا ہے، کس طرح کمارہے ہیں، کتنے لوگ ہیں جو شریعت اور دارالافتاء سے پوچھتے ہیں کہ میرا یہ کاروبار اور میری یہ تجارت میرا یہ لین دین شریعت کی نظر میں کیسا ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا جب بغیر پوچھے آپ لگے ہوئے ہیں اور پیسے کم اور زیادہ کررہے ہیں اور لوگوں کو لوٹ رہے ہیں تو اس کا حساب دینا ہے یا نہیں۔ آپ میں اور اسٹیٹ بینک میں کیا فرق ہے اس میں بھی ہر طرف سے آرہے ہیں اور آپ بھی ہر طرف سے جمع کررہے ہیں۔

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مال کے لئے لوگ تو زیادہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور جس طرح بھی ہو اسے حاصل کرتے ہیں اس کے ساتھ انسان کا تعلق بہت زیادہ ہے دوسرا تعلق اہل واولاد سے ہے۔

تیسرا تعلق اعمال سے ہے نماز، تلاوت، روزہ، زکوۃ، حج، ذکر، تسبیح، درود، خیر اور خیرات یہ سارے نیک اعمال ہیں فرمایا کہ مال تو بستر پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ بیماری جس سے آدمی جانبر نہ ہوسکے اور اسی میں چلا جائے تو اس کو مرض الموت کہتے ہیں۔

مرض الموت میں جو اس نے مال میں تصرف کیا ہے وہ 1/3 میں نافذ ہوگا 2/3 رشتہ داروں کے لئے ہے اس میں اسے تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ بستر پر لیٹا ہوا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تمام خزانے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے لیکن اب بیماری سے اس کو سفر کرنا ہے اب شریعت نے اس کے دونوں ہاتھوں سے مہر نکال دیا ہے تھوڑا سا یعنی 1/3 حصہ یہ آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں مال نے تو اس کا ساتھ چھوڑ دیا

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا
موم سمجھا تھا تیرے دل کو سو پتھر نکلا

رشتہ دار، اولاد اعزہ اور اہل وعیال کے لئے آدمی دیوانہ وار دوڑتا ہے ۔آج سب یہی کہتے ہیں، میرا بیٹا، میر افلاں رشتہ دار، میرا عزیز وہ میرا کنبہ، میری برادری، میری قوم اور میرا قبیلہ ہے جو مجھے مال مہیا کرے ۔

اہل وعیال کی ذمہ داری

اہل وعیال وہ اتنا کر لیتے ہیں کہ مردہ کو لیکر قبرستان لے جاتے ہیں اور وہاں قبر میں رکھ دیتے ہیں تدفین ہو جاتی ہے اور عجیب شان ہے ان کو تسلی تب ہو گی کہ جتنا جلد ہو سکے کہ وہ یہاں سے روانہ ہوں اس لئے بعض صحابہ کرام نے وصیتیں کیں کہ جب میری نعش میری قبر میں رکھیں'' فشنوا علیّ التراب ''تو آہستہ آہستہ مٹی ڈالیں'' ثم اقیموا حول القبری ''میری قبر کے اردگرد کچھ دیر تک کھڑے رہو'' قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمھا '' جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے تیار ہو اور اس کا گوشت بانٹا جائے'' حتی استانس بکم ''تمہاری وجہ سے مجھے ڈھارس رہے گی '' واعلم ما ذا اراجع به رسل ربی '' یہاں تک کے سوال کرنے والے فرشتوں کو ثابت قدمی کے ساتھ واپس کرسکوں ۔(مشکوۃ ج اص ۱۴۹)

سب سے زیادہ تعلق مال سے تھا تو اس نے تو بستر پر ہی ساتھ چھوڑ دیا، پھر دوسرا تعلق اہل عیال کے ساتھ تھا تو وہ قبر تک آسکتے ہیں آگے کوئی کیا کرسکتا ہے (آج کل تو زیادہ

بہادر وہ ہے جو سب سے پہلے قبرستان سے بھاگے) اگر قبر پر کوئی جھونپڑی بھی ڈالیں ٹینٹ لگایا اور ائر کنڈیشنڈ لگایا وہاں بیٹھ جائے تو قبر کے حقوق اور آداب پورا کر سکے گا قبر کے پاس تو ہنسنا بھی گناہ کبیرہ ہے بعض علماء نے تو کفر کہا ہے ۔

قبر سے امید اور اس کا حال

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ جب انتقال کر گئے بخاری شریف کتاب الجنائز میں ہے ان کی بیوی نے ان کی محبت میں اور فراق میں ان کی قبر پر خیمہ لگایا اور اس میں بیٹھ کر تلاوت شروع کی اور ان کو یاد کرتی بہت لوگوں نے سمجھایا لیکن بعض عورتیں بھی عجیب ہوتی ہیں کسی کی سنتی نہیں ہیں ایک سال جب پورا ہو گیا تو سب خاندان کے لوگ تھک گئے خیمہ اکھاڑ کر روانہ ہو گئے بخاری شریف میں ہے کہ غیب سے آواز آئی ''الا ھل وجدوا ما فقدوا '' وہ جوان کا آدمی مر چکا تھا کیا وہ زندہ ہو گیا ساتھ لے جارہی ہے تو دوسری آواز آئی '' بل یئسوا فانقلبوا '' نہیں مایوس ہو کر خالی ہاتھ جارہی ہے ۔(بخاری ج اص ۱۷۷)

قبروں سے تو مایوسی ہو گئی قبروں سے زندوں کو کچھ نہیں ملے گا جو کچھ ملے گا وہ اللہ سے ملے گا اگر اس نے اپنا عقیدہ اور عمل درست کیا تو قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے ہم آج گرمی میں مشینی دور میں محسوس کرتے ہیں کہ عمارات میں ٹھنڈے پنکھے ہوں اور سکون دماغ اور دل کے لئے ائر کنڈیشنڈ ہوں، یہ آج اس صدی میں ایجاد ہوئے آپ غور کریں جناب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کی زبان وحی سے فرمایا کہ قبر میں کھڑکی کی طرح ایک روشندان ہو جائے گا اور وہاں سے جنت کی خوشبو اور ٹھنڈی ہوائیں جاری ہو جائیں گی

"... وافتحوا له باباً الی الجنة فیفسح قال فیاتیه من روحها و طیبها"

(مشکوٰۃ ج اص ۲۵)

اللھم صلی وسلم علی النبی الامی وعلیٰ اله واصحابه وبارک وسلم علیه

خوشی اور غمی میں مسائل دین کا اہتمام

مسائل پورے سنیں پھر جب موقع آئے تو مردمومن بن کر آئیں موقع تو آتا ہے جیسے کوئی آدمی دنیا میں آئے ویسے جانے والے بھی ہیں کوئی نئی بات نہیں ہے زندگی اور موت لازم ملزوم ہیں، سب سے زیادہ نقصان دین کو اس بات سے پہنچا کہ خوشیوں میں بھی ان لوگوں کو کچھ نہ کہیں مسائل بیان کر کے ان کی خوشیوں میں کیوں خلل ڈالتے ہو یہ لوگ دین کو خلل کہتے ہیں اور ان کے غم اور ماتم میں مسائل بیان کریں اگر آپ خلاف سنت کر رہے ہو اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پہلے سے غمزدہ تھے آپ نے اور غم زدہ کیا آدھا دین خوشیوں میں چھوڑ دیا اور آدھا دین غم میں چھوڑ دیا۔

حالانکہ سچا مسلمان اس کو کہتے ہیں کہ اس کی خوشی اور غمی دونوں شریعت کی پابند ہوتی ہیں غم کے موقع پر صبر پر اس لئے اجر دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شرعی حدود کی پابندی کرتا ہے اور خوشی اس لئے دیرپا ہوتی ہے اس پر بھی اجر وثواب ملتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سرحدوں سے باہر پاؤں نہ اٹھایا جائے۔

زندہ رہیں تو عافیت اور خیر سگالی کی دعائیں کریں اور مردوں کے لئے مغفرت اور ایصال ثواب کریں۔

حدود دین سے تجاوز نہ کریں ہر دونوں مواقع مومن کو بانگ دہل یہ مطالبہ کرنا

چاہیے کہ آپ دین پر قائم دائم رہیں نہ خوشی ہمیشہ رہے گی جہاں شادمانیاں اور خوشیاں دیکھی جاتی ہیں چند دن کے بعد وہاں جنازہ بھی نظر آتا ہے اور نہ غم دیرپا ہے جہاں اموات ہوتی ہیں وہاں پر پھر خوشی کی تقریبات منعقد نظر آتی ہیں رشتہ دار تو قبرستان تک گئے اور مردہ کو رکھ لیا اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دین سے تعلق دیا ہے تو سنت کے مطابق تدفین کر لی اب واپس جا رہے ہیں۔

اموات کے لئے دعائے مغفرت کا اہتمام کرنا چاہیے

میرے پاس ایک بزرگ کبھی کبھی آتے تھے تو گرمی ان کو بری طرح لگ رہی تھی ان کی چھلاک پلک بھی ایسی تھی تو ائر کنڈیشنڈ دیکھا مجھ سے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی نعمت بہت بڑی نعمت ہے میں نے کہا اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں کہنے لگے نہیں اور کوئی خاص نہیں ایمان کے بعد یہ بہت بڑی نعمت ہے خیر گپ شپ میں وہ بات ختم ہوگئی۔ ان کا انتقال ہوگیا مجھے بہت فکر تھی کیونکہ انکو گرمی بڑی لگتی تھی میں پریشان ہوا کہ قبر میں ان کا کیا حال ہوگا ان کے لئے دعا کا اہتمام کیا۔ ایک آدمی جس طرح اپنی عاقبت کے لئے دعائیں کرتا ہے اس کا فرض بنتا ہے کہ جس سے تعلق ہو جن کا ان سے تعلق ہو جن سے خیر پہنچی ہو جن کی وجہ سے شر رکا ہو جن کے ہم پر احسانات ہیں دین ومذہب پر احسانات ہیں علم پر احسانات ہیں اور مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوئے ان کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

دعا میں وسعت وجامعیت ہونا چاہئے

دعا جس قدر وسیع اور جامع ہوگی لوگوں کو شریک کرنے میں اس قدر دعا میں

قبولیت اور اجر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھتا جائے گا، ابوداود اور ترمذی شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگنے لگا "اللھم ارحمنی ومحمدا ولا ترحم معنا احدا" اے اللہ مجھ پر اور حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ فرما۔ حضرت محمد ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا "لقد تحجرت واسعا" (ابوداؤد ج ا ص ۱۲۸ میر محمد) بڑے برتن کو تنگ کردیا، ایسا کیوں کہتے ہو سارے عالم اور سارے جہان کے مسلمانوں کے لئے رحمتوں کی دعائیں مانگیں۔ اس شخص کا یہ خیال تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ سب کو رحمتیں دینے لگا تو ہماری کم ہو جائے گی۔

کاملین سے تعلق رکھنا ضروری ہے

ہمارے ہاں ایک شخص تھا اصلاً تو وہ فوج میں چھوٹے موٹے کام کرتا تھا پھر فوج سے ریٹائرڈ ہو گیا اور پھر ایک بڑے بزرگ سے بیعت ہوا وہ بزرگ واقعی اللہ والے تھے نیک خصلت اور خدا رسیدہ تھے کوئی شک نہیں کہ کاملین سے تعلق رکھنے سے دین ودنیا کا فائدہ ہوتا ہے وہ بزرگ انتقال کر گئے اس کے بعد وہ شخص کسی بدعتی سے بیعت ہوا اب عقل اتنی نہیں تھی۔ موحد بزرگ اور بدعتی بزرگ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ جیسے مسلم اور کافر میں، جیسے نبی اور ابوجہل میں لیکن بہر حال ان کو اعتماد تھا میں اس زمانے میں اپنے گاؤں میں اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ سے کتابیں پڑھتا تھا اسکی شکل وصورت بزرگوں کی تھی نیک آدمی تھے فوج چھوڑ کر آئے تھے لمبی داڑھی رکھی تو ایک دن میں نے اس سے پوچھا اور ان کا نام لیکر کہا کہ ذرا ب دین' استاذ آپ مسجد میں با جماعت نماز

نہیں پڑھتے تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ میں تو ساری رات جاگتا ہوں ذکر کرتا ہوں تلاوت کرتا ہوں درود شریف پڑھتا ہوں مراقبے کرتا ہوں میرے پاس ثواب کی کمی نہیں ہے جس غریب مسکین کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا ہے وہ مسجد میں نماز با جماعت پڑھتا ہے۔ میں حیران ہو گیا کہ یارب نماز با جماعت پڑھنے والا مجرم ہے یہ کونسا پیر ہے؟ جن سے یہ جمار بیعت ہوا ہے میں نے کہا کہ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے اور غیر شرعی ہے اور آپ کی گفتگو قطعا غیر عالمانہ اور غیر اسلامی ہے مسلمان عاقل مرد اور بالغ جب تک جماعت میں شرکت نہ کرے تو مجرم ہوگا "الا ان یکون لہ عذر" نماز با جماعت نہ پڑھنے کی معقول وجہ ہونی چاہئے بیمار ہے حادثہ پیش آیا کوئی وجہ ہونی چاہئے بغیر وجہ کے مومن با جماعت نماز ترک نہیں کرسکتا۔

"تارک الجماعت ملعون" اسطرح جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں پر آنحضرت ﷺ نے لعنت بھیجی، یہ تو بعض لوگوں کے خیالات بھی عجیب ہوتے ہیں۔

صالحین کے لئے دعاؤں کا اہتمام اور اس کے نتائج

خدا تعالیٰ کا فضل احسان اور مہربانیاں بہت زیادہ ہیں علماء لکھتے ہیں کہ دعا قبول کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ انبیاء کا ذکر کریں صحابہ کا نام لیں ان کے لئے دعا کریں بڑے کامل بزرگ جن سے آپ کی عقیدت ہے ان کا خیر اور فیض زیادہ پہنچا ہے ان کا ذکر کریں اور دعا کریں کہ اے اللہ امام ابو حنیفہ کے درجات بلند فرما انھوں نے فقہ تدوین کر کے ہمیں بڑی آسانیاں نصیب کیں۔ خدایا امام بخاری کے درجات بلند فرما انھوں نے پیغمبر ﷺ کی احادیث بڑی صحت اور ٹھوس طریقے سے جمع کر کے ہمارے لئے قرآن کے

بعد سب سے بڑی کتاب مہیا فرمائی۔ خدایا دارالعلوم دیوبند کے مشائخ اور اساتذہ کی قبور کو نور سے منور فرما دیں جنہوں نے ہم کو شرک اور بدعت سے چھڑایا ورنہ کسی مزار کی خدمت میں لگے رہتے اور مزار کی جھاڑو اپنے اوپر پھیرتے اور وہاں غلاف اور چادریں چڑھاتے یوں خاتمہ اور ایمان برباد کرتے۔ تو جن جن افراد سے آپ کو خیر پہنچی خواہ وہ دین کی ہو یا دنیا کی ہو ان کا حق ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میرے والد صاحب فوت ہو گئے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن کو وہ پسند کرتے تھے اور جن کے ان پر احسانات ہیں ان کے ساتھ اچھا برتاو کرو اس سے آپ کے والد کی روح خوش ہوگی کہ یہ ہمارے والد صاحب کے جاننے والے تھے والد اور اپنے بزرگ اور جان پہچان کے لوگ تھے ان بزرگوں کی وجہ سے ہم پر ان کا حق ہے ان کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہونگے ہمیں موقع ملے گا ان کی مجلس اور صحبت میں حاضری دینگے ہمارے بڑے اور بزرگوں نے یہاں سے بہت فیض پایا ہے۔

اور اگر وہ دنیا سے چلے گئے اور ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے بزرگوں کے جان پہچان والے ہیں تو ہم ان کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے رک جائیں گے اور قرآن کی کوئی سورت کوئی دعا کچھ نہیں سورہ فاتحہ اور سورۃ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ یہ ہمارے نیک بزرگ دنیا میں آئے اور انھوں نے نیک اعمال کئے اور یہ ہمارے بڑوں کے بھی قدر دان تھے یہ سورتیں میں نے ان کے ثواب کے لئے پڑھیں اس کے ثواب سے ان کی قبر کو منور اور معطر فرما۔ تاریخ بغداد میں ہے کہ بغداد کے

قبرستان میں ایک رات ہر مردے کی قبر اتنی بڑھائی اور پھیلائی گئی اور اس میں ایک مشعل کو روشن کیا گیا۔ اور ہر مردے کو دو اعلیٰ جنت کے جوڑے دیئے گئے اور پتہ نہیں کہ اور کتنی کتنی نعمتیں دی گئیں

ایک بزرگ کو مکاشفہ ہوا وہ ان مردوں سے پوچھتے ہیں کیا قیامت قائم ہوگئی؟ اور حساب و کتاب ہو گیا؟ اور آپ لوگوں کو جنت کی نعمتیں دی گئی؟ تو مردوں نے کہا کہ نہیں ابھی تو قیامت باقی ہے اس راستے سے امام احمد بن حنبل گزر رہے تھے اور انھوں نے رک کر سورۃ فاتحہ اور تین دفعہ سورۃ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر قبرستان والوں کو بخشا ہے یہ اس کا ثواب بانٹا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ کے برتن رحمتوں کے اپنی شان کے مطابق ''ان رحمتی وسعت غضبی'' (بخاری ج ٢ص ١١١٠، مسلم ج ٢ص ٣٥٦) اللہ کی رحمتیں غضب اور غصہ پر غالب ہیں تب جا کے مخلوق کے ساتھ فیضان اور مہربانیاں ہو رہی ہیں۔

ہر گھڑی اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعائیں مانگیں کہ اے اللہ تعالیٰ اپنی مہربانیاں اور احسانات نصیب فرما بزرگان دین کہتے ہیں کہ عدل بھی نہ مانگیں اس لئے کہ عدل سے ہم کہاں بچیں گے۔ فضل مانگیں احسان فرما اور خصوصی مہربانیاں ہم جیسے مجرم اور گناہگاروں کے ساتھ کرتے ہیں خدایا وہ نصیب فرما دیں قرآن مجید میں اس کی ایک جھلک ہے۔

سیئات حسنات سے تبدیل کر دی جائیں گی

کچھ لوگوں کے متعلق رب کریم فرماتے ہیں " فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنٰت '' ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا مثلاً ملائکہ نے کہا کہ اتنے رجسٹر

بھرے ہوئے ہیں گناہوں سے اتنے برے اعمال اور غلطیاں ہیں سو رجسٹر بھرے ہوئے ہیں حکم خدا کا ہوگا سو کے سو کو نیکیوں میں شامل کرو "لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ" (سورہ انبیاء آیت ۲۳) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بس اس اعلان سے دل کو سہارا ہے کہ کام بنے گا اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جتنے ان سے گناہ ہوتے تھے ان سے بڑھ کر ان کو نیکیوں کی توفیق دیں، "یبدل اللہ سیاتھم حسنٰت" اور

تیسرا یہ کے جتنے گناہ ان سے ہوئے ہیں وہ آگے چل کر نیکیوں کے سبب بن گئے زکوۃ تقسیم کر رہا تھا مستحقین کو لیکن ایک بخیل غنی کو غلطی سے دی گئی زکوۃ تو نہ ہوئی لیکن اس غنی بخیل کو شرم آئی اس نے کہا کہ دیکھو یہ عام آدمی ہے اتنی بڑی رقم زکوۃ میں دے رہا ہے میرے کروڑوں اربوں نکلتے ہیں آج کے بعد میں ایک پائی کی کمی نہیں کرونگا اس سے غلطی ہوئی تھی لیکن دوسرے کے لئے نیکی کا سبب بن گئی ہمیشہ کے لئے۔

ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ خیر خیرات اچھے لوگوں تک پہنچے لیکن ایک بدچلن عورت کو دے ڈالی اس کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہوں سے توبہ کی توفیق عطا فرمائی دنیا کے اندر رہتے ہوئے احتیاط فرض ہے۔

انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات کا بھی محاسبہ ہوگا

عقل، بلوغ اسلام اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا یہ کہ دیکھ کے قدم رکھ، کل کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا اور بڑی تنگ اور تاریک جگہ میں قید ہو جائے گا، گرفتار ہو جائے گا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جنات کے بارے میں فرماتے ہیں "وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّھُمْ

لَمُحْضَرُوْنَ" (سورہ الصّٰفّٰت آیت ۱۵۸) جنات کو بھی پتہ ہے کہ یہ گرفتار کر کے پیش کئے جائیں گے جنات بڑی تیز مخلوق ہیں ایسے باندھ لونگا کہ ہلنے نہیں دونگا "وَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ" جرائم پیشہ کو دیکھیں گے کہ وہ جکڑے ہوئے ہونگے زنجیروں میں " سَرَابِیْلُھُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ " ان کے کرتے گندھک کے ہونگے جسے ادنیٰ چمک ملے بھڑک اٹھیں "وَّتَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُ" (سورہ ابراھیم آیت ۴۹،۵۰) اور ان کے چہروں پر آگ لپٹا دی جائیگی (اعاذنا اللہ منہ) اس لئے دنیا میں زندگی احتیاط سے گزاری جائے دنیا میں جانے سے پہلے تمام جان و جسم اور جبڑے ختم کر دیئے جائیں، جو چیز جن کی ہے اس تک پہنچائی جائے علماء یہی فرماتے ہیں۔

قرض کی ادائیگی وصیت سے مقدم ہے

مال کی وصیت تو مستحب کے درجے میں ہے لیکن لوگوں کے قرضے اور حقوق جو آپ کے ذمے ہیں ان کے بارہ میں وصیت فرض کے درجے میں ہے " مِنْ م بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ " (سورۃ النساء آیت ۱۲) جناب رسول اللہ ﷺ جب جنازے پڑھنے آتے تو پوچھتے اس پر کوئی قرضہ تو نہیں ہے جب فرمایا جاتا حضرت قرض ہے تو فرماتے کہ "ھل لہ وفاء" ادائیگی کا کوئی سامان ہے اور جب کہا جاتا کہ نہیں آپ ﷺ پیچھے ہٹتے اور فرماتے "صلوا علیہ" تم پڑھاؤ میں نہیں پڑھاونگا مقروض کا جنازہ کیسے پڑھاؤں۔ لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں آخرت جاتے ہوئے بھی چوری کر کے بھاگتے ہیں، حساب صاف کرلو تاکہ رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے،

ہمارا حق محبت ہے آپ کے ذمے
غریب خانہ پر آکر حساب صاف کرلیں

دنیا کا نظام چند روزہ ہے خواب اور خیال ہے عصر کے بعد چلتی ہوئی اور اڑتی ہوئی گھڑی ہے اس سے کہیں دھوکہ نہ لگے۔

جہان اے برادر نماند بکس   دل اندر جہان آفرین بندو بس

یہ دنیا تو رہتی نہیں ہے یہ جارہی ہے

مکن تکیه برملك دنیا و پشت
كه بسيار كس چوں تو پرورد و كشت

دنیا اور دنیا کے سامان پر سہارا نہ کرنا جس نے بہت ساروں کو پالا جب خود چاہے یکدم گرایا

چو آہنگ رفتن كند جان پاك
چه برتخت مردن چه برروئے خاك

جب اس روح مبارک کو نکالنے کا وقت آئیگا یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ سلطان تخت پر مرا یا زمین پر مرا بلکہ یہ کہا جائیگا ایمان لایا ہے یا نہیں " فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۲) آخرت کا سکہ وہاں کی جائیداد اور سرمایہ ایمان اور نیک اعمال ہیں اس لئے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اس مال میں شریعت کے مطابق وصیت کرلے " كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ (بقرہ آیت ۱۸۰)

وصیت بدلنے والے کا حکم

اب ایک آدمی تو وصیت کر گیا لیکن جن لوگوں نے وصیت سن لی وہ اس پر عمل نہیں کر رہے حالانکہ وصیت شریعت کے عین مطابق ہے اس کا ذکر سن لو " فَمَنْ م بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ " جس نے وصیت بدل دی جبکہ وہ شریعت کے مطابق تھی سننے کے بعد " فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ " اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے ناحق وصیت بدل دی " اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اللہ تعالیٰ سب کچھ سن چکا ہے جانتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وصیت والے نے کچھ زیادتی کی طرفداری کی رشتہ داروں کا فرض ہے کہ اس کو شریعت کے مطابق کرلیں ، " فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا " جوڑ رہا تھا رشتہ دار مرنے والے سے کہ وہ زیادتی کرے گا یا گناہ کی وصیت " فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ " صلح کرلیا آپس میں " فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ " اسے کوئی گناہ نہیں " اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (بقرہ آیت ۱۸۱، ۱۸۲) اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے مہربان ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

چونتیسواں خطبہ

الحمد لله جل وعلاء وصلى الله وسلم على رسوله المصطفى ونبيه المجتبى وامينه على وحي السماء وعلى آله النجباء واصحابه الاتقياء افضل الخلائق بعد الانبياء ومن بهديهم اقتدىٰ وبآثارهم اقتفىٰ من المفسرين والمحدثين والفقهاء الى يوم الجزاء امابعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم　　　بسم الله الرحمن الرحيم

"وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ"

(سورۂ بقرۃ آیت ۴۳)

وقال الله تبارک و تعالیٰ "وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ لا فِى الْمَسٰجِدِ "

(سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۷)

اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما صليت علىٰ ابراهيم
وعلىٰ آل ابراهيم انک حميد مجيد

اللهم بارک علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما باركت على ابراهيم
وعلىٰ آل ابراهيم انک حميد مجيد

رمضان المبارک اور مسلمانوں کا طرزِ عمل

رمضان کا مہینہ خیر و برکت اور تقرب کا مہینہ ہے اور سال کے بارہ مہینوں میں ایک ممتاز مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راتوں اور دنوں میں خاص قسم کی نعمتیں اور برکتیں ڈالی ہیں اور مسلمانوں کی فطرت میں، دل کی گہرائی میں، خون کے ریشے اور سرشت اصلیہ میں رمضان شریف کی عظمت واحترام اور تقدس ڈالا ہے۔ اس لئے رمضان شریف میں مسلمان بدل جاتے ہیں اور دوری ختم کر کے قریب آجاتے ہیں اور غیریت ختم کر کے اپنائیت پر اتر آتے ہیں۔ ہر مسلمان میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان باندھ لیا جاتا ہے" اذا كان اول ليلة من شهر رمضان صفدت الشياطين "(ترمذی شریف ج ا ص ۱۴۷) اس قسم کے شیطان جو معاشرے میں نقصان کا باعث بنتے ہیں وہ اس مہینہ کی برکت سے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ جیسے ہی رمضان کا چاند نظر آتا ہے نمازی مسجد کی جانب دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ وہ رکاوٹ جو شیطان کی طرف سے ہوتی ہے وہ ہٹا دی جاتی ہے۔ تھوڑے بہت چھوٹے موٹے شیاطین تو رہتے ہیں جو لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن ان کے چوہدری، بڑے، نواب اور سرغنوں کو ہٹا دیا جاتا ہے اور قید کر دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے مذہبی طور پر مذہب کا سہارا بڑھا دیا جاتا ہے۔

مذہب کا سہارا تین طرح ہے

مذہب کا سہارا تین چیزیں ہیں۔ ایک تقویٰ اور پرہیزگاری، دوسری چیز انفاق

اور تیسری شب بیداری ہے۔ مذہب جب کسی میں دین پیدا کرتا ہے تو ان چیزوں کو سب سے پہلے اس شخص میں پیدا کرتا ہے کہ لوگ پرہیز گار بنیں، ناجائز کاموں سے بچیں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے مال خرچ کریں، انفاق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور خواب غفلت میں نہ رہیں اور اپنی عبادات کو وقت کے ساتھ ساتھ قیمتی بنائیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عبادت گزاروں کی صفت بیان کی ہے ''کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ o'' راتوں کو تھوڑا سوتے ہیں ''وَبِالْاَسْحَارِھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ'' (سورۃ ذاریات آیت ۱۷، ۱۸) اور سحری کے وقت میں اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتے ہیں اور اپنے اللہ کو راضی کرتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں اور اس کی شہنشاہیت کے سامنے اپنی عاجزی، بندگی اور اپنی نیازمندی پیش کرتے ہیں۔

رمضان المبارک میں ان تینوں باتوں کا بڑا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ دیر تک تراویح کی جماعت ہوتی ہے۔ آٹھ رکعت قیام اللیل اور بارہ رکعات تہجد کو ملا کر بیس رکعات تراویح بنا دی گئی، تا کہ ہر شخص کو رمضان المبارک میں شب بیداری نصیب ہو جائے اور اس کے بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھا کر اس پر کیل ٹھوک دیتے ہیں کہ رات سر بمہر ہو گئی، کہ اب آپ رات کی اہم عبادات سے فارغ ہو گئے۔ اب جب کروٹ لے اور جب بیدار ہو جب تک اللہ اللہ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں۔

وقتِ سحر وقت مناجات ہے   خیز دراں وقت کہ برکات ہے

تقویٰ پیدا کرنے کیلئے کھانے پر پابندی لگائی گئی ہے، پینے پر پابندی لگائی، جائز شہوات پر پابندی لگائی۔ بیوی سے ملنا تو جائز ہے لیکن روزہ کی حالت میں اس سے منع کیا

گیا ہے اور ان تینوں باتوں میں جب کمی ہو جاتی ہے تو آدمی آخرت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس میں خود بخود تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا ہو جاتی ہے۔

تقویٰ اسلامی تعلیمات کا اہم رکن ہے

تقویٰ اصل میں پرہیز کو کہتے ہیں۔ جیسے بیمار کو طبیب کہتا ہے کہ ٹھنڈا پانی نہ پئیں، چکنائی اور بادی چیزیں نہ کھائیں کیونکہ اس کو پتہ ہے کہ اس سے موجودہ مرض میں شدت پیدا ہو جائے گی اور مریض کی صحت خطرے میں پڑ جائے گی۔ تو جس طرح صحت کی فکر حکیم اور طبیب یا ڈاکٹر کرتے ہیں اسی طرح ایمان اور اعمال کی فکر انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کو جو اہم تعلیمات دی ہیں ان میں ایک بڑی تعلیم تقویٰ کی ہے، پرہیز گاری کی ہے۔ سب کام کرنے کے نہیں ہیں، سب باتیں کہنے کی نہیں ہیں، دین میں سب لوگوں کی مرضی نہیں چلتی، جو کام شریعت کی طرف سے جائز ہیں وہ کرنے ہیں، جو باتیں شریعت کے مطابق ہیں وہ کہنی ہیں اور جن لوگوں سے میل ملاپ میں دنیا و آخرت کا کوئی فیض ہے ان سے میل ملاپ رکھنا ہے۔ حدودِ شرع کی حفاظت کے ساتھ دنیا میں زندگی گزارنا ہی تقویٰ کا اعلیٰ معیار ہے۔ سب کھائیں، سب پئیں، سب سے ملیں اور آئیں، جائیں یہ تو دیوانگی کی سی کیفیت ہو جائے گی، دیوانے کے اقوال اور افعال میں توازن نہیں ہوتا، اس سے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ رمضان المبارک میں دن بھر روزہ رکھا جاتا ہے اور اس کو مسلمانوں پر فرض فرمایا ہے، حق تعالیٰ کے اس احسان کا شکر یہ ہے کہ روزہ کی حفاظت کی جائے اور اس مہینے کی عظمت اور

بزرگی برقرار رکھی جائے اور اس کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اس اہتمام سے تقویٰ کی بھی آبیاری ہوتی ہے۔ جیسے آپ پودا لگاتے ہیں تو اسے پانی دیتے ہیں، مٹی سخت ہوتی ہے تو اسے نرم کرتے ہیں، بیماری کا خطرہ ہو تو ایگریکلچر والوں سے دوائی لا کر چھڑکتے ہیں، کوئی کانٹا نکلتا ہے تو اسے فوراً ہٹاتے ہیں تاکہ پودے کو نقصان نہ ہو، تب جا کے وہ سرسبز و شاداب پھل، پھول دینے والا درخت بنتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری کے لئے بھی اسی طرح شریعت نے احکامات نافذ کئے ہیں کہ حالت صوم میں غیبت نہ کی جائے، گناہوں سے بچیں، لڑنے جھگڑنے سے بچیں کیونکہ اس سے روزے کو نقصان پہنچتا ہے۔ اسی طرح بسیار گوئی سے بچیں کیونکہ بہت زیادہ بولنا بھی صحیح نہیں ہے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے " اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً " کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زیادہ بولنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور شریعت کی نصیحتیں اثر نہیں کرتیں۔

دل کا سخت ہونا تباہی کی دلیل ہے

کفار جو ایسے سخت تھے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے کامل و اکمل پیغمبر آئے، قرآن مجید نازل ہوا، مکہ اور مدینہ کے پہاڑ گلیاں اور زمین جبرائیل و ملائک کی آمد و رفت سے خوش رنگ ہیں، فضا میں ہوا کا اثر کم اور وحی کا زیادہ تھا، لیکن وہ ایسے بدنصیب تھے کہ ان تمام برکات اور فیوضات سے محروم ہو گئے کیونکہ ان کے دل بہت زیادہ سخت تھے۔ "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ" (سورۂ بقرہ آیت ۷۴) ان کی ایسی سنگین کیفیت تھی کہ وہ اثر ہی قبول نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا

کہ جب ہم ان سے ناراض ہوئے تو ہم نے ان کے دل سخت کر دیئے اور جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر فرمایا تو فرماتے ہیں "وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ" (سورۂ انفال آیت ۲) ان کے دل بہہ پڑتے تھے "ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ" (سورۂ زمر آیت ۲۳ کا حصہ) ان کی کھال اور چمڑے لرزتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کفار کے مقابلے میں فولاد سے زیادہ مضبوط رہتے ہیں۔ "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" (سورۂ فتح آخری آیت) اور آپس میں شیر و شکر رہتے ہیں۔ اسلام تو محامد کا نام ہے، اسلام سے تو انسان میں خوبیاں آتی ہیں، کمالات آتے ہیں، پستی، ذلت، نامرادی اور مایوسی نہیں آتی، یہ تو کفر کے شعون اور آثار ہیں۔ ایک آدمی کا تعلق جب کسی ملک کے بادشاہ سے ہو تو وہ اس ملک کے بہت سارے خطرات سے بچا رہتا ہے کہ ایک بہت بڑا ہاتھ اس کے سر پر ہے۔

اللہ رب العزت سے تعلق بقا اور کامیابی کی دلیل ہے

تو جس شخص کا تعلق اور محبت سچے شہنشاہ مطلق اللہ رب العالمین سے ہو وہ کس سے ڈرے گا، اسے کسی طرح مایوسی نہیں ہوگی۔ "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (سورۂ یونس آیت ۶۲) اچھی طرح یاد رکھو کہ یہ اللہ کے دوست کسی سے نہ ڈرتے ہیں اور نہ خوفزدہ اور غمگین ہوتے ہیں۔ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ" (سورہ یونس آیت ۶۳) پھر خیال تھا کہ ہم کیا ولی بنیں۔ ولی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے، ولی تو شیخ عبد القادر جیلانی تھے، معین الدین چشتی تھے، فرید گنج شکر تھے، سید علی ہجویری تھے، ولی تو انور شاہ اور حسین احمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تھے فرمایا نہیں "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ" کہ

جو بھی ایمان والے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں وہ اللہ کے دوست ہیں۔ دوستی کے بڑے درجات ہیں، ایک مسجد میں آنے والے نمازیوں میں ہزاروں درجات ہوتے ہیں۔ سب مسلمان اللہ کے دوست ہیں ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ '' (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۷ کا حصہ) اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کا دوست ہے اور دوست پھر دوست کا کام کرتا ہے، دوست کی مشکلات حل کرتا ہے تو فرمایا ''يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ '' اندھیروں اور ظلمتوں سے اسلام کی روشنی کی طرف اللہ نکولاتا ہے۔ اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ہمیں اسلام کی توفیق دی۔ نسباً حسباً جداً ابا عن جد ہمیں ایمان نصیب فرمایا ہے، ایمانیات جیسا ماحول نصیب فرمایا ہے، اہل ایمان سے رابطہ میں رکھا ہے، اہل ایمان کو ہماری محبت عطا فرمائی ہے اور اہل ایمان کی دینی خدمت کی ذمہ داری ہمیں سونپی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے ایک ہے۔

امامت اور خطابت اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک ہے

امامت وخطابت یہ پیغمبروں کے کام تھے، ہر دور اور زمانے کے پیغمبر قوم کے امام وخطیب ہوتے تھے۔ بعد کے دور میں علماء دین کو اللہ تعالیٰ نے یہ بزرگی عطا فرمائی ہے۔ علماء اور خطباء کو چاہئے کہ وہ ہر دم اور ہر گھڑی اللہ کے اس احسان اور نعمت کا شکر کریں۔ پھر ان کی نسلیں چلتی ہیں، ان کے شاگردوں کے سلسلے چلتے ہیں، ان کی نگرانی میں ادارے اور مسجدیں آباد ہوتی ہیں، لوگ جھولیاں بھر بھر کے اپنی محبت اور عقیدت اور نیازمندی ان کی خدمت میں لاتے ہیں۔ ان پر دینی بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں کہ یہ ہمارے مذہب کے

بڑے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، اس محسن اور منعم حقیقی کا بہت بڑا انعام ہے جس نے دین اسلام جیسا سچا مذہب ہمیں نصیب فرمایا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے عظیم مقتدر مجتہد کے ساتھ فقہی وابستگی نصیب فرمائی، کل ائمہ حدیث، مفسرین اور فقہاء کے ساتھ ہمیں محبت نصیب فرمائی ہے، جمیع انبیاء اور مرسلین کے ساتھ حسن اعتقاد نصیب فرمایا ہے، دین کی تمام ضروریات پر اجمالاً، تفصیلاً ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے، اپنے مبشرات اور نذر پر جنت اور جہنم اور دنیا اور آخرت کے احکام اور اخبار پر ہمیں دلی تصدیق نصیب فرمائی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک حکایت

حضرت یوسف علیہ السلام چالیس سال پریشان رہے۔ کافروں کے ہاں فروخت ہوئے مصر کے بازار میں غلام جانے گئے، عزیز مصر کے گھر میں تہمتیں لگیں، ناحق جیل جانا پڑا، جیل میں بھی کچھ وقت گذرا تقریباً اٹھائیس سال کا عرصہ تو یہ گزرا ہے اور بارہ سال مزید حضرت نے سلطنت کی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر چالیس سال ہوئی تو دنیا میں ان کی سلطنت اور بادشاہت کے ڈنکے بج رہے تھے لیکن ان کے والد یعقوب علیہ السلام جو کہ ملک شام کے پیغمبر تھے لیکن دونوں کو ایک دوسرے کی اطلاع کی اجازت نہیں تھی کیونکہ ان کا امتحان بہت سخت تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن تاج سر سے اتار کر رکھا، شاہی عبا اتار کر رکھا، شاہی قلمدان ایک طرف کیا اور کوری زمین پر کپڑا بچھایا اور اس پر سجدے کرنے لگے اور سجدے کے دوران

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ شاید والد اور بھائیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔حضرت کو یہ حق بھی نہیں تھا کہ کہہ دیتے کہ یہ تو میں پہلے دن سے چاہتا ہوں، انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حکم کے ایسے پابند ہوتے ہیں۔ جتنا مقام شدید ہوتا ہے اور ذمہ داری شدید ہوتی ہے اسی قدر امتحان بھی سخت اور طویل ہوتا ہے۔بہر حال شام سے یعقوب علیہ السلام اور پورا خاندان حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کے لئے مصر آیا اور ملاقات ہوئی یہ ان کے لئے بہت خوشی کا دن تھا۔اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دعا فرمائی ۔اے آسمان اور زمین کو پہلی بار بنانے والے۔''رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ'' آپ نے مجھے بادشاہت دی ہے،''وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ''نبوت کی نعمتیں عطا فرمائیں'' فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ''آپ ہی میرے کارساز ہیں دنیا اور آخرت میں''تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا ''موت بھی اسلامی حالت میں آئے''وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ''(سورۂ یوسف آیت ۱۰۱) نیک لوگوں کے ساتھ میں رہوں، ان ہی کے ساتھ میرا حشر ہو۔

یہ جو مسلمانوں کے قبرستان اکٹھے ہیں، یہ بھی نعمت ہے۔ایسا دور بھی گزرا ہے کہ مسلمان اور کافر مل جل کے دفن ہوتے تھے اور کسی کا بھی پتہ نہیں چلتا تھا، اس کی بھی ایک تاریخ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک حکایت

حضرت سلیمان علیہ السلام تخت شاہی پر روانہ ہو رہے تھے اور چھ لاکھ کا عملہ

حضرت کے ساتھ ہوتا تھا۔حضرت والا کا تخت اتنا بڑا تھا کہ ایک پورا شہر اس پر ان کے ساتھ ہوتا تھا۔جن وانس اور تمام افواج اور ان کے سربراہ سب ساتھ ہوتے تھے۔ایک بار پرواز کے دوران نیچے ایک چھوٹی مخلوق چیونٹی نے حضرت کی یہ شان وشوکت دیکھی تو اعلان کیا کہ ''يٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ''اے چیونٹیو سب اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر شان وشوکت سے آرہے ہیں۔حضرت کا تخت کچھ دیر تک زمین پر جنات لے کر دوڑتے تھے اس کے بعد ہوائی جہاز کی طرح اڑتا تھا چیونٹی نے کہا'' لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ''حضرت کے پیروں میں اور حضرت کے لشکر کے پیروں میں کہیں روندھی نہ جاؤ''وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ'' حضرت کو پتا بھی نہیں چلے گا۔یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام بہت خوش ہوئے''فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ''بجائے ہنسنے کے حضرت مسکرانے لگے، کیونکہ پیغمبر مسکراتے ہیں اور یہ دعا فرمائی''وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ''(سورۂ نمل آیت ۱۸،۱۹)خدایا مجھے اتنی توفیق دے کہ میں شکر کروں اس احسان کا جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور مجھے توفیق دے کہ میں ایسے اعمال کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں، پسندیدہ عمل کا ہونا اللہ کی بڑی توفیق ہے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمائیں۔

چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ حضرت جی یہ کمال نہیں ہے کہ آپ ہماری زبان سمجھتے ہیں، آپ تو خدا کے پیغمبر ہیں بہت کچھ سمجھتے ہیں، کمال یہ ہے کہ ہم

آپ کی زبان سمجھتے ہیں، اس پر شکر ادا کریں، کیونکہ آپ تو زمین و آسمان کے علوم رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن اور انس اور تمام مخلوقات کے لئے آپ کو اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ آپ تو بہت کچھ جانتے ہیں، ایک ہم جیسی بیکار چیز کی بات جاننا کونسی بڑی بات ہے۔ کمال یہ ہے کہ ہم آپ کی باتیں سمجھ رہے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے اوپر امام مقرر کیا ہے آپ جس بولی اور زبان میں کہیں وہ مخلوق کھڑی ہو جاتی ہے اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالاتی ہے۔ حضرت نے دعا فرمائی کہ یا اللہ مجھے شکر اور آپ کے احسانات کی نیازمندی بجالانے کی توفیق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں جن کی کوئی حد اور تعداد نہیں ہے "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ" (سورۂ ابراہیم آیت ۳۴ کا حصہ) یہ رمضان کا مہینہ، اس کی شان و شوکت، عبادات کا ہجوم، قرآن کریم کا دور دورہ، دن میں فرض روزہ اور رات میں بیس رکعات تراویح سب کے سب اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں جو کہ ہمیں یہ گھڑیاں میسر آئی ہیں۔

بیس رکعات تراویح دین اسلام کے شعائر میں سے ہے

جب سے اسلام میں تراویح شروع ہوئی ہیں اس وقت سے اور آج تک بیس رکعات تراویح کا ہی رواج رہا ہے۔ حرمین میں بیس رکعات تراویح ہیں، صحابہ کرام نے بھی بیس پڑھی ہیں۔ جب سے اسلام آیا ہے کسی مسجد میں آٹھ رکعت کی جماعت کبھی نہیں ہوئی ہے، تراویح کی جماعت بیس رکعات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان شریف میں

مومن کا رزق بھی بڑھتا ہے اور اس کی عبادت بھی بڑھتی ہے۔ اپنے آپ کو اہل حدیث کہنے والے ذرا اس روایت کے آئینہ میں خود کو دیکھ لیں کہ جو یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کے جاننے والے ہیں۔ حدیث پر عمل کرنے والی پہلی جماعت صحابہ کرام کی ہے انہوں نے بھی بیس رکعات پڑھی ہیں، چاروں آئمہ مجتہدین نے بھی بیس پڑھی ہیں، تمام محدثین بھی بیس کے قائل ہیں۔ چودہ سو سال سے علماء اور اولیاء نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں۔ معذور نے بیٹھ کر تو پڑھی ہے لیکن آٹھ نہیں پڑھی ہیں، بیمار اور بوڑھی عورت نے بیٹھ کر تراویح کی نماز پڑھی ہے لیکن یہ خبر نہیں ملی کہ بارہ اور آٹھ رکعات پڑھی ہیں۔ شیطان کا پروپیگنڈہ اور خناس کی شرارت چل رہی ہے کیونکہ یہ شیطانی جماعت ہے اور اس کا کام شیطان کو خوش کرنا ہے رمضان میں لوگوں کی عبادت بڑھ جاتی ہے لیکن اس جماعت کی عبادت شیطان کو خوش کرنے کے لئے کم ہو جاتی ہے۔ حرمین شریفین، دونوں جگہ الحمد للہ باقاعدگی کے ساتھ بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر کی جماعت ہوتی ہے۔ اہل حق کے حق ہونے کی یہ بھی نشانی ہے کہ کعبہ شریف ان کے پاس ہے اور کعبہ میں ان کے اعمال جاری و ساری ہیں۔ داؤدی بوہرے بھی حج اور عمرے پر آتے ہیں، آغا خانی بھی پہنچتے ہیں، مرزائی پر تو پابندی لگ گئی ہے چوری چھپ کے جاتے ہوں گے تو جاتے ہوں گے، عراق اور ایران کے روافض بھی آتے ہیں لیکن کعبہ کا مصلیٰ محراب اور منبر اہل سنت کے پاس ہے۔ یہ ان کے اہل حق ہونے کے بہت بڑی دلیل اور شان ہے۔ خطبۂ جمعہ میں امام کعبہ اور امام مدینہ جب یہ الفاظ پڑھتے ہیں کہ "وعن آئمة الاسلام ابی بکر و عمر و عثمان و علی" چاردانگ عالم گونج جاتا ہے۔ حق

جماعت ہونے کی یہ نشانی ہے کہ وہ حق سے پیراستہ جماعت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھتے ہیں۔ اہل سنت تمام صحابہ سے محبت رکھتے ہیں، چاروں ائمہ کو حق جانتے ہیں، کل عالم کے محدثین کو محسن مانتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے احسان فرمایا ہے کہ ہمیں کامل و اکمل دین اسلام نصیب فرمایا ہے۔

دورۂ تفسیر پر حضرت الشیخ کا اللہ تعالیٰ کے حضور شکر و سپاس

اللہ تعالیٰ نے مختصر اور فانی زندگی میں رمضان المبارک جیسا مہینہ ہمیں نصیب فرمایا ہے۔ ہمارا چھوٹا سا ادارہ ہے اور اس میں تقریباً دوسو مقامات پر رمضان شریف میں تراویح کے ختمات ہو رہے ہیں۔ اس بات پر ذرا غور فرمایئے کہ اس مبارک مہینہ میں قرآن کریم کا کتنا زور و شور ہوتا ہے۔ ہمارے اس درس تفسیر میں دو ہزار کے قریب طلبہ اور مہمان تشریف فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ یہ پاکستان کا ایک مثالی درس بن گیا ہے جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں ہے۔ یہ دس منٹ اور گھنٹہ اور ہفتہ وار نہیں بلکہ روزانہ پانچ گھنٹے اور ساڑھے پانچ گھنٹے کا درس ہے۔ اللہ کے احسانات اور شکر میں سے ہے کہ بیس سال سے قرآن کریم کا یہ دورۂ تفسیر جاری و ساری ہے۔ ایک دن کا ناغہ بھی اللہ رب العزت نے آج تک نہیں کرایا

"یا رب لک الشکر ولک الحمد علی نعمائک والائک"

تفاسیر کے دور میں قرآن کی روشنی میں کل امت کی راہنمائی اور علوم اور قرآن کی خدمت سراہی جاتی ہے اور جن کے ذریعے آج تک دین پہنچا ہے، قرآن پہنچا ہے، سنت

پہنچی ہے اور فقہ مدون ہوئی ہے خیر اور ہدایت ہم تک پہنچی ہے ان سب کا والہانہ تعارف ہوتا ہے۔ ان کے جلیل القدر احسانات سے حاضرین اور سامعین کو آراستہ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ان بزرگ ہستیوں کے ذکر سے بھی کہ جنہوں نے یہ دین ہم تک تمام آداب کے ساتھ پہنچایا ہے، مجلس کو منور و معطر کیا جاتا ہے۔

چودہ سو سالہ تاریخ میں جنہوں نے سر مو انحراف کیا ہے ان اہل باطل کی نشاندہی کی جاتی ہے اور ان کے زیغ و ضلال اور خطروں سے مسلمانوں کے اعمال و عقائد و عاقبت بچانے کی تدبیر بتائی جاتی ہے۔

قرآن حق کتاب ہے، سنت اس کی برحق تشریح ہے، فقہ دونوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ چاروں آئمہ مجتہدین دین کے مقتدا اور پیشوایان ہیں۔ آئمہ حدیث ہمارے سروں کے تاج ہیں جنہوں نے احادیث اور روایات سے دواوین بھرے ہیں۔ کل عالم کے پارسایان، نیکان، صالحین، بزرگان دین وہ سب ہمارے محسن ہیں۔ طبقہ بہ طبقہ انہوں نے اس عظیم دین کی خدمت کی ہے اور انکی یہ جلیل القدر خدمات اور مقبول اعمال اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائے ہیں جس کے نتیجے میں پندرھویں صدی میں روشن اسلام موجود ہے اور پوری تابانیت اور وقار کے ساتھ اسلام ہر جگہ جگمگا رہا ہے۔

شکر کے فوری تین فوائد

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں اور احسانات کا شکر کرنا چاہئے۔ شکر کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ اور کاموں کی بھی توفیق دے گا۔ کام تین ہیں،

پہلا کام ہے ہر قسم کے گناہ سے توبہ اور فی الفور اسے چھوڑنے کا عزم کرنا۔

دوسرا کام ہے فرط عبادت، عبادت میں لگن دکھانا، محنت دکھانا اور ایسی محبت سے عبادت کرنا کہ بغیر کسی روک ٹوک کے وہ قبولیت کے درجات پا لے۔

تیسرا کام ہے باقیات، اولاد اور نسل میں خیر کو جاری رکھنے کی فکر کرنا کہ خدایا میرے مرنے کے بعد میرے اہل خانہ، میری اولاد، نسل نسب سب اس دینی امانت کو کس طرح رکھیں گے۔ جیسے جیسے حالات بگڑتے جائیں، آپ کی فکر اور سوچ میں بھی انقلاب آنا چاہئے اور یہ شکر سے ہوگا۔ وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو، اطاعت میں خوش رہتا ہو اور اس کو معاصی اور گناہوں سے نہایت تکلیف پہنچتی ہو، جس عبادت سے وہ خوشی محسوس کرتا ہو، جس معصیت سے وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اس عبادت کے نفاذ اور اس معصیت کے راستے روکنے کا انتظام کرنا اس مومن کے ایمان کا تقاضا ہے اور فرض ہے۔

ہمارے بعد ہماری نسل و اولاد بڑے افسر نہ بنیں، پیسوں کی مشینیں نہ بنیں، بڑے لینڈ لارڈ اور کارخانے دار نہ بنیں، ایسے لوگوں سے تو دنیا بھری پڑی ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ وہ ایماندار بنیں، اللہ کو وحدہ لاشریک مانیں، جناب نبی کریم ﷺ کو آخری پیغمبر تسلیم کرلیں اور دین اسلام جس شان اور عظمت سے ہمیں پہنچا ہے اس شان اور عظمت کے ایک خادم اور ایک لائق وفادار داعی بن کے رہیں۔ یہ ہر مؤمن مسلمان کا فریضہ ہے۔ ایک پیغمبر اللہ رب العزت سے بیٹا مانگ رہے ہیں "یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا" (سورۂ مریم آیت ۶) خدایا مجھے خطرہ ہے کہ میرے بعد کوئی بھی نہیں ہے کام کون کرے گا۔ اس سے پہلے فرمایا کہ "وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ" رشتہ داروں پر کوئی اعتماد نہیں

ہے۔ خدایا ایک لائق بیٹا دے جو میرے علم نبوت کا وارث بنے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا وارث بنے جو بہت بڑے بڑے پیغمبر تھے، سب کے بڑے تھے اور فرمایا "وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا" میرے بیٹے کو نبی بنا۔

خدایا ہماری آل اولاد کو اپنے یہاں پسندیدگی نصیب فرما اور رب العزت ان کو عقیدے کی پختگی نصیب فرما اور ان کو ہر شر فساد اور فتنے سے حفاظت نصیب فرما۔

رمضان المبارک میں احتیاط اور اس کے ثمرات

رمضان المبارک عجیب قسم کی صفات کا حامل مہینہ ہے، اس کے دن ترک طعام، ترک شراب، ترک جماع اور ترک معاصی کے حامل دن ہیں۔ روزہ تو اسی کو کہتے ہیں کہ روزے میں نہ کھایا جائے، نہ پیا جائے، نہ اپنی بیوی سے ملا جائے اور نہ ہی کوئی گناہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اگر ایک آدمی نہ کھائے اور نہ پئے لیکن گناہ کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے نہ کھانے اور نہ پینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس مقصد کیلئے روزہ رکھوایا تھا، گناہ نہ کرنا، اس سے تو یہ باز نہیں آیا اس لئے اس کے اس روزے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر روزہ کی حالت میں تم سے کوئی لڑے یا بدتمیزی کرے تو آپ اسے جواب دیں کہ "انی امرؤ صائم" (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۵، مسلم ج ۱ ص ۳۶۳) میرا تو روزہ ہے میں کیسے جواب دے سکتا ہوں۔

رمضان شریف کا مہینہ بڑے فیوضات اور برکات کا مہینہ ہے۔ اس کی راتوں کی بھی عجیب شان ہے۔ جب راتوں کو اٹھو تو دعاؤں میں لگ جاؤ اور اپنے رب کو راضی کرنے

کی کوشش کرو جو تسبیحات بتائی گئی ہیں ان کا ورد رکھو، اپنے اوقات گناہوں اور معاصی سے توبہ کرنے میں صرف کرو، قرآن کریم کی خوب تلاوت کرو، ذکر کرو، درود شریف کا ورد کرو، یاسین شریف پڑھو، یہ رمضان میں کرنے کے اعمال ہیں۔

زکوٰۃ کی ادائیگی اور اس میں احتیاط

جن کے ذمہ زکوٰۃ باقی ہے وہ پورے حساب کتاب کے ساتھ اس کی ادائیگی کی کوششیں کریں۔ جنہیں خدا نے توفیق دی ہے وہ رمضان المبارک میں نفقات کرتے ہیں۔ جن کی زکوٰۃ باقی ہے وہ بھرپور زکوٰۃ نکالیں جو زکوٰۃ نکال چکے ہیں اور پھر بھی ضرورت نظر آرہی ہے تو اپنے مال میں سے ایک مزید حصہ غریب اور فقراء کے لئے الگ کریں۔ فرض زکوٰۃ تو ڈھائی فیصد ہے لیکن اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے خوب توفیق دی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ڈھائی فیصد کی بجائے دس فیصد اللہ کی راہ میں ادا کرے۔ اللہ اس کے بدلے میں اگلے سالوں میں آپ کا مال خوب بڑھادے گا، دشمن سے بچائے گا، غیب سے آپ کے مال و دولت اور کاروبار میں اضافہ کرے گا اور پرآشوب احوال کا دفاع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمتوں سے مالا مال کردے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اپنا مال ایسا خرچ کرو کہ ایک ہاتھ سے خرچ کرو تو دوسرے ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔ مال ایسا خرچ کرنا چاہئے کہ خود آپ کی بھی تسلی ہو جائے کہ واقعی مال ہو تو ایسا خرچ ہو، یہ نہیں کہ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے، آدھی زکوٰۃ دے دی اور آدھی پھر دیکھا جائے گا۔ یہ آپ کوئی اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کررہے ہیں اللہ تعالیٰ کو آپ

کے مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے خود آپ کو ضرورت ہے "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ" "اگر تم کوئی اچھائی کرتے ہو تو وہ خود تمہارے لئے ہی مفید ہوگی" "وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا" (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷) اور اگر کوئی گڑبڑ کروگے تو اس کا نقصان بھی تمہیں ہی ہوگا۔ فقہاء کرام نے اس لئے لکھا ہے کہ زکوٰۃ پورے حساب سے ادا کرنا ضروری ہے یہ نہیں کہ آپ ایسے ہی اندازے سے کچھ رقم الگ کردیں۔ زکوٰۃ پائی پائی کا حساب کر کے ادا کرنا ضروری ہے۔ فقہاء کا مقصد اس سے یہ ہے کہ زکوٰۃ بہت بڑی ذمہ داری ہے زیادہ ادا ہو جائے یہ اچھا ہے بجائے اس کے کہ کم ادا ہو کیونکہ اگر زیادہ ادا ہوگئی تو مکمل زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اگر کم ادا کی گئی تو پوری زکوٰۃ میں خرابی پیدا ہو جائے گی اور آپ کا جرم برقرار رہے گا۔

میں نے کتابوں میں دیکھا ہے اور روایات بھی نظر سے گزری ہیں کہ مال وغیرہ میں خرابی اور نقصان اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ انسان زکوٰۃ کی ادائیگی میں بد احتیاطی نہیں کرتا، جہاں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمزوری آئے گی وہیں مال اور دیگر چیزوں میں آفات آئیں گی۔

فطرہ کی ادائیگی کی تفصیل

اسی طرح فطرہ اولاد اور جو آپ کے ماتحت ہیں ان کی طرف سے بھی واجب ہے۔ اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے گھر کا بڑا خود دے، اگر بیوی کا اپنا سرمایہ ہو تو وہ دے یا اگر اس کی طرف سے بھی گھر کا بڑا دینا چاہے تو وہ بھی دے سکتا ہے۔

پیغمبر نے فرمایا ہے کہ ''صاعا من تمر'' ساڑھے تین کلو کھجوریں خرید کے دے دو''او صاعا من شعیر'' جو دے دو''او صاعا من زبیب'' ساڑھے تین کلو کشمش دے دو ایک فطرانے میں۔ پیغمبر کے زمانے میں یہی چیزیں دلوائی گئی ہیں،''او صاعا من اقط'' (بخاری شریف ج ا ص ۲۰۴، مسلم ج ا ص ۳۱۸) یا ساڑھے تین کلو پنیر دی جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا اور اہل مدینہ تڑپ رہے تھے اناج کیلئے اور اناج کی بہت قلت تھی اور بہت تکلیف تھی، روٹی کی تنگی ہوگئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ روم سے ڈبل ریٹ پر گندم خرید کر مدینے میں جمع کرو مدینہ منورہ کے انبار خانے بھر دو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ میں یہ بات بالکل نہ سنوں کہ ہمارے ملک کے کسی باشندے کو راشن نہیں ملا ہے یا راشن کی تنگی ہے۔ (بخاری شریف ج ا ص ۲۰۴، مسلم ج ا ص ۳۱۸، ترمذی ج ا ص ۱۴۶) اناج کو سب کے لئے عام کرو اور تمام شہروں میں گندم پھیلاؤ، اس میں قیمت کچھ زیادہ خرچ ہوگئی کیونکہ بھاری رقم خرچ کر کے سب کچھ غیر ملک سے منگوایا گیا تھا۔ حساب لگایا گیا تو ساڑھے تین کلو کشمش، ساڑھے تین کلو کھجور مساوی آیا دو کلو گندم کے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو صحابہ نے کہا یہ جو مہنگا والا ہے یہی دینا ہے، ان کو تو خرچ کرنے کی مشق رسول اللہ ﷺ نے کرائی تھی۔ لیکن بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کر کے پونے دو کلو کے برابر مقرر کروایا اور سب صحابہ نے اس پر اتفاق کیا اس طرح یہ پونے دو کلو کا آٹا اور پونے دو کلو گندم وغیرہ کے برابر فطرہ مقرر ہوا۔ اصل جو پیغمبر ﷺ کے زمانے میں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں، حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں، حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت میں اور حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی چھ مہینے کی خلافت میں اور اس سے پہلے دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو فطرہ دیا گیا ہے وہ کشمش، کھجور کا اعتبار کر کے دیا گیا، گندم کے اعتبار سے نہیں دیا گیا۔ بعد میں مجبوری اور عذر کی وجہ سے اسے مقرر کیا گیا۔

یہ اس لئے عرض کرتا ہوں کے آپ حضرات بھی اپنا ہاتھ چلائیں، جو باذوق لوگ ہیں، بادشاہی مزاج کے اور وہ خرچ کرنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی جانتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہی اصل طریقہ پر ادا کریں (یعنی کشمش یا کھجور)۔ تاکہ وہ اس سنت کو زندہ کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جائیں۔

مسائل اعتکاف کی وضاحت

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں بزرگ حضرات ہمارے مخلص بھائی، دوست، نوجوان اور گھروں میں ہماری بہنیں، مائیں، بیٹیاں اعتکاف کرتی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ رمضان میں عبادات میں مشغول رہے اور کچھ تھک گئے تو وہ آکر اب تھوڑا آرام کرلیں، یہ اعتکاف دنیا کے جھمیلے سے ایک طرف ہو کر یکسو ہونا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت تھک گئے تھے کیونکہ ان کی قوم بنی اسرائیل بہت نافرمان تھی اور اس کے ساتھ حضرت بہت پریشان ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑو اور کچھ دن کے لئے کوہ طور آجاؤ، ایک مہینے کے لئے۔ لیکن جب اس مدت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھکاوٹ دور نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ دس دن اور ٹھہر

جائیں، کل ملا کر چالیس دن ہو گئے۔

جناب نبی کریم ﷺ پر بھی جب وحی کا آغاز نہیں ہوا تھا تو آپ ﷺ غار حرا میں عبادت فرمایا کرتے تھے، بالکل تنہائی میں دنیا کی رونق کو چھوڑ کر، لیکن جب آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر آپ ﷺ نے غار حرا جانا چھوڑ دیا۔ اس لئے اعتکاف شریعت نے مقرر کیا کہ آدمی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز بجالائے، آدمی جب علیحدہ ہو کے بیٹھتا ہے، ذرا تسلی سے، زیادہ دیر کیلئے تو اس کا دل و دماغ فارغ ہو جاتا ہے تو وہ اچھی باتیں سوچ لیتا ہے اور وہ اپنے بارے میں عمدہ طریقے اختیار کرتا ہے۔ زیادہ سوچ انسان کی اپنے بارے میں ہونی چاہئے کہ میں کس طرح صحیح ہو جاؤں اور کس طرح میرے سارے اعمال شریعت کے مطابق ہو جائیں۔ دنیا کے اندر رہ کر گم نہیں ہونا ہے اور دنیا کا ہو کر نہیں رہنا ہے، بلکہ اپنے بارے میں بھی سوچنا ہے "وان لنفسک واھلک علیک حق" (بخاری شریف ج ا ص ۲۶۵) حدیث میں ہے کہ اپنا خیال رکھا کرو۔

بہترین جگہ دنیا کے اندر مسجد ہے ہمارے لئے تو نہ کوہ طور رہا ہے اور نہ ہی غار حرا جانا آسان رہا۔ جب وحی آنے لگی تو پھر آپ ﷺ غار حرا تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ بہترین جگہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر مسجد ہے ہر مسلمان پر مسجد کا احترام اور ادب فرض ہے۔ "خیر البقاع مساجد اللہ"۔ ہر مسلمان پر خاص کر نمازی اور معتکفین حضرات پر، طالب علم اور موذن پر، امام اور خادم پر مسجد کا ادب فرض ہے۔ مسجد کا احترام اور ان کے ادب سے برکات نصیب ہوں گی، دعائیں قبول ہوں گی، مشکلات حل ہوں گی اور اللہ رب العالمین دونوں جہانوں کی سرخروئی نصیب فرمائے گا۔

شریعت کے بہترین اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔ اعتکاف دراصل روح کی مشق ہے اور یہ صفت صفا ہے اور تمام نیک اور احسن اعمال کا نچوڑ ہے۔ اعتکاف کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی علاقہ میں سے اگر کوئی ایک آدمی بھی مسجد میں دس روز کے لئے اعتکاف کرنے کے لئے بیٹھ گیا تو پورے علاقہ کی طرف سے کافی ہے لیکن اگر پورے علاقہ میں سے کوئی بھی نہ بیٹھا تو پورا علاقہ گنہگار ہوگا۔ اعتکاف کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے لوگوں نے سمجھ لیا ہے، یہ تمام عبادات کا جامع ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے تینوں عشروں میں اعتکاف فرمایا ہے۔ اعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ تین انعامات عطا کرتے ہیں۔ ایک اس کی دعائیں قبول فرماتے ہیں اور ایسے نقد انعامات عطا فرماتے ہیں کہ جس کا بیان مشکل ہے۔ دعا کا بھی طریقہ سمجھنا چاہئے، دعا انسان کو ایسی کرنی چاہئے جو عرش کے دروازوں کو ہلا دے۔ لوگ آکر مجھ سے کہتے ہیں کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی تو میں کہتا ہوں کہ پہلے اپنے گریبان میں جھانکیں اور اپنی شکل آئینے میں دیکھیں کہ آپ کو دعا کے آداب بھی معلوم ہیں کہ آپ کیا مانگ رہے ہیں اور آپ کو مانگنے کا سلیقہ بھی ہے یا نہیں؟ جو مانگا ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی عطا کرتے ہیں اور جو نہیں مانگا وہ بھی اللہ رب العزت اپنے مقررہ وقت پر پورا فرماتے ہیں اور بہت ساروں کو تو بن مانگے ہی اللہ رب العالمین عطا کرتے ہیں۔ وہ ایسا بادشاہ و شہنشاہ مطلق ہے کہ کسی کو بھی نامراد نہیں کرتا۔

دوسرا انعام یہ ہے کہ اس کو ہر حال میں شب قدر ملتی ہے۔ جو شخص مسجد میں اعتکاف سنت کے مطابق کرے، بے ادبی اور بے احترامی سے بچے، اپنا سارا وقت عبادات میں صرف کرے اور اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے تو اس کو اللہ

تعالیٰ لیلۃ القدر ضرور نصیب فرماتے ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ میں کوئی رات شب قدر کی ہوتی ہے ۔ لیکن مؤمن مسلمان جو کہ عبادات میں اپنے اوقات گزارے اور اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر میں لگا رہے اس کے لئے تو ہر رات شب قدر ہے

ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

لوگوں میں اگر قدر اور احترام ہو تو ان کے لئے ہر رات شب قدر کے برابر ہوتی ہے۔ ایسے متقی اور پارسا بھی امت محمدیہ میں گزرے ہیں کہ پوری پوری رات قرآن کریم کی تلاوت میں گزارا کرتے تھے۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کتابوں میں ہے کہ آپ ایک رکعت میں مکمل قرآن کریم ختم فرمایا کرتے تھے، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ رمضان میں ۶۵ قرآن کریم ختم فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار افراد ایسے رہے ہیں جن کا قرآن کریم سے تعلق بے مثال تھا۔ معتکف کے لئے اسی وجہ سے شب قدر کو لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ ہر وقت اللہ کے گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔

تیسرا انعام معتکف کو یہ ملتا ہے کہ اس کی زندگی اور عمر میں اللہ تعالیٰ نعمتوں اور بیش بہا برکتوں کا معاملہ فرماتے ہیں اور ہر وقت اس پر اپنے احسانات کی بارش فرماتے ہیں۔

اللہ جل جلالہ کل عالم کے مسلمانوں کے روزے، تراویح، تلاوت، انفاق، اعتکاف اور دیگر عبادات اپنی خاص رحمت سے قبول و منظور فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پینتیسواں خطبہ

الحمد للہ جل وعلاء وصلی اللہ وسلم علی رسولہ المصطفیٰ ونبیہ المجتبیٰ وامینہ علی وحی السماء وعلی آلہ النجباء واصحابہ الاتقیاء افضل الخلائق بعد الانبیاء ومن بھدیھم اقتدیٰ وبآثارھم اقتفی من المفسرین والمحدثین والفقہاء الی یوم الجزاء امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ص وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ٥ (سورۂ بقرہ آیت ۲۰۸)

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک آزاد ملک کا مل جانا بھی ہے۔ بڑی

قربانیوں، بڑی محنتوں اور جہد مسلسل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آزادی وطن کی یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔

حصول آزادی کے سلسلے کے دو پروگرام

اس سلسلے میں دو طرح کی سوچ کارفرما تھی۔ ایک سوچ یہ تھی کہ ہندوستان اصلاً مسلمانوں کا ہے اور اس پر ہمیشہ بڑی حکومتیں مسلمانوں کی رہی ہیں۔ خواہ محمود غزنوی کی ہو، شہاب الدین غوری کی ہو، ناصر الدین بلبن کی ہو، فیروز تغلق کی ہو یا آخری دور میں مغلیہ کی ہو۔ ہر دور اور ہر زمانے میں ہندوستان پر مسلمانوں کے احسانات رہے ہیں اور قوم مسلم نے ہندوستان کو عزت اور وجاہت بخشی ہے۔ لہٰذا انگریز ہٹ جائے اور مسلمانوں کی سلطنت بحال ہو جائے اور مسلمانوں میں یہ ہمت ہے، یہ استقلال ہے کہ وہ بڑی سے بڑی قوم کو اپنے زیر سایہ رکھ سکتے ہیں۔ ہندو اور سکھ اور دیگر اقوام ان ادوار میں امن کے ساتھ رہی ہیں۔ ایسی صورت میں مزید کسی ملک بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان حضرات کا یہ بھی خیال تھا کہ علیحدہ ملک بنانے سے شاید مسلمانوں کا نقصان ہو جائے کیونکہ وہاں کی بہت ساری مساجد اور مدارس اور وہاں کے رہنے سہنے والے مسلمان سب ہندوانہ تصرف میں آجائیں گے اور انہیں دیکھا نہیں جائے گا اور نہ انہیں چھڑایا جا سکے گا، چنانچہ بعد میں وہی ہوا۔

دوسری سوچ یہ تھی اور یہ ایک فکر تھی کہ مسلمان عقائد میں نظریات میں، اعمال میں مستقل ہیں لہٰذا اپنی مذہبی روایات کے احیاء اور اپنے دین پر عمل کرنے کیلئے ان کو علیحدہ وطن یا علیحدہ ملک دیا جائے۔ یہ سوچ اور فکر اس وقت کم سمجھی جاتی تھی کیونکہ اس سے ہوس

ملک معلوم ہو رہی تھی، زمینوں کی اور جگہوں کی حرص اور خوف پیدا ہو رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے مسلمان علیحدہ وطن میں رہنے کے بجائے باہم دست وگریبان ہو جائیں۔

ایک مثال

باپ جب مر جاتا ہے تو بیٹوں میں اختلاف اور نوعیت کا ہو جاتا ہے۔ ایک ایک چیز کا حساب ہوتا ہے۔ جب باپ زندہ ہوتا ہے تو بیٹے اپنی جگہ، بیٹی اپنی جگہ اور بیوی اپنی جگہ ہوتی ہے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی بھی وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی حق دار ہوتا ہے۔ اس طرح دو حالتیں ہوگئیں ایک زندگی کی اور دوسری انسان کے مرنے کے بعد کی۔ اس کی زندگی میں اسکے مال اور دولت کا اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ بیٹا چاہے کوئی بھی ہو، زمانہ کا غوث اور قطب ہو لیکن باپ کی کسی بھی چیز میں حق دار نہیں ہے جب تک کہ باپ زندہ ہے۔ شریعت مقدسہ زندہ آدمی کا کسی کو وارث نہیں بناتی ہے، ناکارہ لوگ اور بدچلن لوگ جائیداد اور دولت کے لئے پھر ماں باپ کو بھی بیچ سے ہٹاتے ہیں۔ ماں باپ کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ زندگی میں جائیداد تقسیم کرلیں، لیکن انہیں بھی شریعت نے اس بات کا پابند کیا ہے کہ کچھ کو دیں اور کچھ کو نہ دیں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جب آپ اپنی زندگی میں اپنی جائداد تقسیم کریں گے تو آپ پر لازم ہے کہ بیٹا اور بیٹی دونوں کو برابر حصہ دیا جائے گا اگر بیٹے کو زیادہ دیا اور بیٹی کو محروم رکھا تو آپ شریعت کی نظر میں مجرم سمجھے جائیں گے، وہ آپ کے مرنے کے بعد کا قانون ہے کہ بیٹے کے دو حصے اور بیٹی کا ایک حصہ، زندگی میں سب برابر ہیں، ایک حکم میں ہیں۔

ایک باپ بیٹے کا جھگڑا میرے سامنے لایا گیا تو مجھے فیصلے کے لئے جانا پڑا۔ اس کے بیٹے نے مجھ سے کہا کہ جو میرا حصہ بنتا ہے وہ مجھے دے دیا جائے۔ تو میں نے کہا کہ آپ کا کچھ بھی نہیں بنتا، ایک ٹکہ اور ایک آنے کے بھی آپ حقدار نہیں ہیں۔ وہ مجھ سے یہ سن کر حیران ہو گیا تو میں نے کہا کہ شرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہر عالم کا یہی جواب ہوگا، دوسرا نہیں۔ تو بیٹے نے مجھ سے کہا کہ پھر کیا صورت ہوگی۔ تو میں نے کہا کہ آپ خود اپنے والد صاحب کو راضی کر لیں کہ وہ گفٹ کے طور پر، ہدیہ، سوغات کے طور پر آپ کو کچھ دے دیں تو اس کی اجازت ہے، وہ مالک ہے کسی کو بھی دے سکتا ہے ورنہ آپ کا حق صرف اور صرف اپنے والد کے فوت ہونے کے بعد ہی آپ کو ملے گا۔ جواب میں لڑکے نے کہا کہ بس پانچ، چھ دن میں ہی میں اس کا کام کر دوں گا۔ میں نے جواب میں کہا کہ اس طرح کہنا بھی گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں اس کو قتل کرنا چاہتا ہوں تو قیامت کے دن وہ اس کا قاتل اٹھے گا اور یہ حیران ہوگا کہ میں نے تو کسی کا خون نہیں کیا تو کہا جائے گا کہ آپ نے ارادہ کیا ہے۔ یہ تو تمام انسانوں کے لئے ہے اور پھر ماں باپ جو قبلہ اور کعبہ ہیں دنیا کے اندر ان کا احترام تو فرائض کے درجہ میں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے کہا ہے کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہیں تو آپ ان کے کفر اور شرک والی باتیں نہ مانیں لیکن "وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" (سورۃ لقمان آیت ۱۵) دنیا کے نظام میں ان کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔

کافر ماں باپ ہیں کھانا دینا ہوگا، گھر رہنے کے لئے دینا ہوگا، کپڑا ہر موسم کے مطابق دینا ہوگا، علاج معالجہ، ان کی راحت اور خوشی کا سامان مہیا کرنا ہوگا یہ سب اولاد کے

فرائض ہیں۔

شریعت کے خلاف والدین کی بات ماننا بھی گناہ ہے

ماں باپ کا مکمل احترام اپنی جگہ لیکن شریعت نے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ جب یہی ماں باپ تمہیں دین کے خلاف ابھارنے کی کوشش کریں تو ان کی ایک بات بھی نہیں ماننی ہے جب وہ تمہیں شرک یا اور کسی بے دینی پر آمادہ کریں تو ان کی نہ سنو "وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا" (سورۃ عنکبوت آیت ۸)۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب ایمان لے آئے تو ان کی والدہ نے کہا کہ جب تک تو محمد کے خلاف نہ ہو جائے اس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور نہ ہی چھاؤں میں بیٹھوں گی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت ﷺ کے سامنے رکھا حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ بہت مشکل معاملہ ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائیں گے، چنانچہ آیات نازل ہو گئیں "وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا" (سورۃ عنکبوت آیت ۸) اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ اگر آپ کی ۱۰۰ جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تب بھی میں حضرت کو نہیں چھوڑوں گا، میرے رب نے میری تسلی کروادی ہے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۶)

آج یہ تعلیمات ہم میں نہیں ہیں تو ہم اور آپ اس کے نتائج دیکھ رہے ہیں۔ ماں کے کہنے پر داڑھی منڈوا دی جاتی ہے، قمیص شلوار پہننے کو عیب سمجھا جاتا ہے۔ ان ماں باپ

کے بارے میں شریعت کا حکم ہے کہ ان کی بالکل بھی نہ مانی جائے ۔لیکن دوسری طرف
شریعت کا فیصلہ ہے کہ ماں باپ کا نافرمان عذاب کا مستحق ہوگا۔ باپ تو باپ ہے اسلام میں
تو چچا کا بھی بہت بڑا مقام ہے۔

چچا بھی باپ کے حکم میں ہے، ایک مثال

جناب نبی کریم ﷺ کے چچا تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آپ ان کا بڑا احترام
کرتے تھے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ''وان عم الرجل صنو ابیہ'' (ترمذی ج ۲ ص
۲۱۷) چچا تو باپ کا نمونہ ہوتا ہے۔ باپ نہ ہو تو باپ کی کمی چچا کے ہونے سے پوری ہو جاتی
ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم ﷺ سے شکایت کی کہ لوگ ہم سے صحیح
طرح نہیں ملتے، آپ ﷺ غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ نبی کے رشتہ داروں سے کوئی ایسی باتیں کر
سکتا ہے، پھر فرمایا کہ جس نے میرے چچا کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ آپ اتنے
شدید ناراض ہوئے ''من اذی عمی فقد اذانی'' (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۷) جب حضرت
عباس رضی اللہ عنہ آتے جاتے تھے تو حضرت ﷺ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔
دونوں کی عمر میں بہت تھوڑا فرق تھا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی حضرت ﷺ کا
ایسے ہی احترام کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عمر میں
آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بڑے وہی
ہیں عمر میری زیادہ ہے۔ ''وھو اکبر وانا اسن'' (بحوالہ بینات اشاعت خاص ۱۹۷۸ء
ص ۷۷، مضمون حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ) وہ بڑے ہیں عمر میری زیادہ ہے۔

دوسروں کے غلط کام میں گواہ بننا

مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا، مدینہ منورہ غنائم سے بھرا ہوا تھا، سونے اور چاندی کے
ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا کہ مجھے بہت زیادہ
غنیمت چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا آپ چاہتے ہیں اس میں سے لے لیں، حضرت
عباس رضی اللہ عنہ نے چادر بچھائی اور اس کو بھرنا شروع کیا، پھر جب اٹھانے لگے تو وہ اتنی بھر
گئی تھی کہ اٹھا نہ سکے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ
میری مدد کریں تو ''قال فارفعه انت علی'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں لوگوں
کا دنیا کے معاملات کا آلہ کار نہیں ہوں۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی اور سے
کہہ دیں ''فقال یا رسول اللہ مر بعضھم یرفعه الی'' حضرت ﷺ نے جواب دیا کہ
یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ جناب نبی کریم ﷺ کا اعلیٰ ظرف ہے کہ جب شریعت کا مسئلہ آ گیا تو
وہی چچا جن کو آپ باپ کی جگہ سمجھتے تھے، غلطی پر تھے تو ساتھ نہیں دیا۔ ہمارے یہاں اب
اعتدال نہیں رہا ہے، یا تو پورے کسی کے دشمن ہو جائیں گے یا پھر کسی ایک کے بن
جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی اطاعت دیکھیں، فرمانبرداری دیکھیں، حسن محبت دیکھیں لیکن
جہاں دنیا کا مسئلہ آیا تو نہ خود اٹھ کر مدد کر رہے ہیں اور نہ ہی کسی صحابی کو اجازت دے رہے
ہیں۔ پیغمبر اس لئے نہیں آئے کہ مال لپیٹ کے گھر لے جائیں یا لوگ مال لے جائیں تو نبی
بھی ساتھ ساتھ دوڑیں۔ اس لئے نبی کی تمثیل پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عباس رضی
اللہ عنہ نے اس میں سے کم کیا جب نہ اٹھا سکے تو اور کم کیا ''فنثر منه'' پھر اور کم کیا اور اٹھانے

کے قابل ہوگیا تو اٹھا کر روانہ ہو گئے ۔ بخاری شریف میں اس طرح آتا ہے کہ جب وہ جا رہے تھے تو آنحضرت ﷺ ان کو کافی دیر تک دیکھتے رہے "یتبعہ بصرہ" آپ حیران رہ گئے "عجبا من حرصہ" اف میرا اچھا ہو کر چیزوں کا اتنا شوقین ۔ بہت حیرانگی سے آپ ﷺ دیکھتے رہے ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۶۰)

ایک بار حضرت ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے جائداد کی تقسیم کر دی ہے اور آپ کو اس پر گواہ بناتا ہوں ، حضرت ﷺ نے پوچھا کہ بیٹیوں کو بھی برابر کا حصہ دیا ہے تو اس نے کہا کہ نہیں ، تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر آپ اپنے اس جرم اور گناہ میں مجھے کیوں شریک اور گواہ بناتے ہیں ۔ آپ ﷺ سے زیادہ دینی معاملات میں غیرت کرنے والا زمین اور آسمان نے نہیں دیکھا اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام اس کے پیکر ثابت ہوئے ۔ نبی کی طرح کوئی نہیں ہوتا ۔

نبی لوگوں کا تعلق دنیا سے توڑ کر اللہ سے جوڑتے ہیں

نبی معصوم ہوتے ہیں ، فرش سے عرش تک پورے حجابات ان کے سامنے مرتفع ہو جاتے ہیں ۔ وہ صاحب وحی ہوتے ہیں اور کل کائنات کے لئے اللہ انہیں نمونہ بناتے ہیں ۔ نبی دنیا کے امور میں لوگوں کا ساتھ نہیں دیتے بلکہ لوگوں کے دلوں میں دنیا کی نفرت بٹھاتے ہیں ۔

مہاجرین جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مشرکین سے تنگ آکر مدینہ منورہ ہجرت کی تھی ۔ مدینہ منورہ کے لوگوں نے ان کو گھر دیئے ، اپنے باغات دیئے ، کھجوریں دیں ۔ پھر

جب فتوحات ہوتی تھیں اور غنائم آتے تھے تو آپ ﷺ مہاجروں کو زیادہ حصہ دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اب انصار کی زمینیں ، باغات اور ان کی جائیدادیں چھوڑو اور ان کے گھروں سے نکل جاؤ ۔ آپ ﷺ کی اتنی زبردست پالیسی تھی ، جب کچھ نہیں تھا تو کہا کہ سب کچھ دے دو اور اب جب مال اور دولت آنے لگی تو آپ مہاجرین کو دینے لگے اور مہاجرین کو ساتھ ساتھ کہا کہ اب انصار کے باغات چھوڑو اور ان کی کھجوریں واپس کر دو ۔ مدینہ کے انصار منتیں کرتے تھے کہ حضرت ہمیں کچھ بھی واپس نہیں چاہئے تو آپ ﷺ نے کہا کہ یہ میرا فیصلہ ہے ۔ میں ان کو دنیا کا حریص نہیں بننے دوں گا کہ یہ بھی رکھیں اور وہ بھی رکھیں ۔

آپ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں ام ایمن رضی اللہ عنہا ، آپ ﷺ نے ان کو بھی کسی کے کھجور کے درخت دیئے تھے اور اس کا حاصل ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ہوتا تھا ۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے باغات چھڑوا کر اصل انصاری کو دے دیئے ۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا بڑی زور آور تھیں ، نبی کی ماں تھیں ، روحانی اور رضاعی ۔ جن عورتوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا ان میں ایک ام ایمن بھی تھیں ۔ وہ گئیں اور جس انصاری نے باغ واپس لیا تھا اس کے گلے میں دوپٹہ ڈالا اور گھسیٹا اور اس سے کہا کہ سیدھا ہوتا ہے یا نہیں ، اس نے کہا میرا کوئی قصور نہیں ہے یہ نبی کریم ﷺ کا فیصلہ ہے ۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۱) جب ام ایمن رضی اللہ عنہا کو اس بات کا پتہ چلا تو فوراً واپس ہو گئیں اس وقت تک انہیں معلوم نہیں تھا ۔ انہوں نے حضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شک نہیں کہ آپ میری ماں ہیں اور میں نے آپ کا دودھ پیا ہے لیکن حکم الٰہی یہ ہے کہ اب تم لوگوں کو غنائم دیئے جا رہے ہیں اس لئے انصار کے کھجور کے درخت اور باغات

واپس کردو۔کیا شان ہے آپ ﷺ کی، مال کا حساب کیسا صاف ستھرا رکھا ہے۔

آزادی قابل جشن نہیں قابل ماتم ہے

تو ایک سوچ یہ تھی کہ ہندوستان رہے اور آزادی حاصل ہو، تا کہ انگریز چلا جائے چونکہ وہ غاصب تھا اور دور سے آیا تھا اور یہاں کا ملک تنگ وتاریک کر رہا تھا اور یہاں کے لوگوں کو مشکلات پیش آرہی تھیں۔ جولوگ آزاد وطن کے حامی نہیں تھے وہ اصل میں آزادی کے مخالف نہیں تھے بلکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کے فائدے اور مصلحت کے لئے اس میں خطرہ محسوس کرتے تھے کہ ملک علیحدہ ہو جائے گا تو بہت سارے مسلمان جو کہ ہندوستان میں ہونگے وہ ہندوؤں کے درمیان پھنس جائیں گے اور پھر وہ انہی کے رحم وکرم پر ہوں گے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔

اس کی بہت دردبھری داستان ہے، آپ کو کیا پتہ کہ کیا ہوا ہے، وہ سانحہ گزرا ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بیان کرنے کیلئے بھی بہت بڑی ہمت چاہئے۔صرف ایک واقعہ جو کلیم عاجز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے وہ ہندوستان کا بہت بڑا شاعر وادیب ہے اور بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ اس نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ آس پاس کے گاؤں میں پاکستان آزاد ہونے کے بعد جتنے تھوڑے مسلمان تھے ان کو ہندوؤں نے جلا دیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ جس شہر میں، میں رہتا تھا وہاں چھوٹی چھوٹی بچیاں مدرسہ میں پڑھتی تھیں۔تو ہندوؤں نے کہلوایا کہ آپ لوگ بھی تیار ہو جائیں، ہم آرہے ہیں۔ اس وقت ان کے پاس کوئی بچنے کا راستہ نہیں تھا۔تو ان کی استانیوں اور والدین نے انہیں وضو کرایا، قرآن

شریف ان کے ہاتھوں میں دیا اور ان کو تپائیوں پر بٹھایا۔تو ان چھوٹی چھوٹی بچیوں نے پوچھا کہ کیا اس طرح ہم بچ جائیں گے اور ہندو ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، ہم زندہ رہ لیں گے۔تو استانیوں اور ان کی ماؤں نے ان کو جواب دیا کہ نہیں اس طرح روح نکلنے میں آسانی ہوگی۔ یہ واقعہ کلیم عاجز کی چھپی ہوئی کتاب میں موجود ہے وہیں سے میں نے پڑھا ہے اور آپ کو سنا رہا ہوں۔ جشن منانے والو! وہ خون، وہ معصوم بچیوں کی آوازیں اب بھی فضا میں محفوظ ہیں۔ جشن منانا بہت آسان ہے، لیکن جشن جاننا بہت مشکل کام ہے۔

وہ پاکستان جو مغربی اور مشرقی پر مشتمل تھا، اب صرف مغربی ہے اور وہ بھی ٹمٹما رہا ہے۔ ایک صوبہ میں باقاعدہ علیحدہ ترانہ، علیحدہ آواز، علیحدہ نعرے لگنے شروع ہو گئے ہیں اور ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ ایسے حالات میں جب کہ مشرقی پاکستان نقش سے مٹ چکا ہے اور اس کی جگہ بنگلہ دیش بن چکا ہے اور مغربی پاکستان جو چھوٹا سا ملک ہے، چار صوبوں پر مشتمل ہے، اس کے بعض صوبوں میں پاکستان کے خلاف نعرہ لگ رہا ہے، یہ لگ نہیں رہا ہے بلکہ لگوایا جا رہا ہے۔

ایسی صورت میں جشن آزادی منانا اور اس پر بغلیں بجانا ذلت اور رسوائی کا سبب ہے اور کچھ نہیں۔ ایسی صورت میں جشن آزادی منانا ایسا ہے کہ کسی کے ماں اور باپ دونوں کی لاشیں گھر کے کمرے میں پڑی ہوئی ہوں اور اس پر بیٹا ڈانس کر رہا ہو کہ میری شادی ہو رہی ہے۔ جیسے اس بیٹے کو کوئی بھی وفادار نہیں کہے گا اسی طرح آج آزادی منانے والوں کو بھی کوئی پاکستان کا وفادار نہیں کہہ سکتا۔

ہماری آزادی اور ہندوستان کے مسلمان

سابقہ حکمرانوں نے جو کچھ کیا، کیا یہ موجودہ حکومت اس سے کم کر رہی ہے؟ کیا یہ حکومت کھلم کھلا ان کی پالیسیوں کو آگے بڑھانے والی اور ان کے مظالم کے خلاف ان کا دفاع کرنے والی نظر نہیں آرہی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکی نعمت، آزادی اور وطن کی خوشی اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو مبارک کرے۔ لیکن وہ بے گناہوں کی لاشیں اور وہ بے گناہ جو بغیر کسی جرم کے موت کی نیند سلائے گئے اور وہ جو پاکستان کا جسد آدھا کاٹ کر پھینک دیا گیا اور آدھے پر فخر کیا جا رہا ہے، اس کے ایصال ثواب اور اس کے صدمے کا کوئی نام لیوا موجود نہیں ہے۔ یہ صرف جشن آزادی منا کر اور اپنی خوشیوں میں ناچ گانا کر کے ان تمام تکالیف اور درد و غم کو پیچھے کر دیتے ہیں۔ حکمرانوں کے دل اتنے سخت ہو گئے، سیاستدان اتنے بے شعور ہو گئے، ملک کے مکین اور باسی اپنے غم زدہ لوگوں اور اپنے دردناک واقعات سے اتنے غافل ہو گئے کہ جشن مناتے ہوئے ذرا گریبان میں بھی جھانکیے، کس چیز کا جشن منا رہے ہیں، کس چیز کے مل جانے کی خوشی آپ منا رہے ہیں، آج تک تریسٹھ سال ہو گئے، اب بھی ہندوستان کے بیشتر علاقے، احمد آباد اور گجرات میں نہتے مسلمانوں کی لاشیں دفنانے کیلئے کوئی قریب نہیں آرہا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ پاکستان اور یہاں کے مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار، خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں، جبکہ ہمارے یہاں کے غیرتی مسلمان اور حکمران ان کی خوشیوں اور ان کی آرزوؤں کا سودہ کر چکے ہیں۔

وہاں کے ایک وزیر کا یہ بیان آن ریکارڈ موجود ہے کہ ہندوستان کے مسلمان

باغی ہیں، یہ یہاں بیٹھ کر پاکستان کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ان مسلمانوں میں ایک جذبہ ہے ان کے دل میں محبت ہے پاکستان کی، ان مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ یہ (پاکستان) ایک خالص اسلامی اسٹیٹ ہے اور اس میں ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ ان غریبوں کو کیا پتہ ہے کہ یہ اتنے غیرت مند ہیں کہ انکا نام تک نہیں لیتے اور کتنی بڑی بے غیرتی ہے کہ یہ بیان دیتے ہیں کہ ہم کسی کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ اگر ان معاملات میں آپ نے دخل دیا ہوتا تو آج اجمل قصاب کے قصے میں پاکستان کو پوری دنیا میں رسوائی نہ اٹھانی پڑتی۔ یہ کہنا اقوام عالم کے ایجنڈے میں موجود ہے کہ ہمارے کلمہ گو مسلمان آپ کے ملک میں رہ رہے ہیں، آپ کے ملک میں رہنے کے حق دار ہیں اور انہیں وہاں رہنے کے لئے آپ کے ملک کا آئین اس بات کا حق دیتا ہے کہ وہ بھی آزادی کے ساتھ رہ سکیں، لہٰذا انکے ساتھ ظلم نہ کریں۔ مگر چونکہ ہمارے حکمرانوں میں سے دینی غیرت، احساس، شرم اور انسانیت نکل چکی ہے اس لئے انہوں نے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہا اور خاموش رہ کر تماشہ دیکھتے رہے۔

پردہ نشین عورت کی بے حرمتی پورے اسلام کی بے حرمتی ہے

اسی طرح جرمنی میں ایک مسلمان خاتون کو پردے کے جرم میں سرعام بھری عدالت کے اندر چھلنی کر دیا گیا اور جب اس کو بچانے کے لئے اس کا خاوند آگے بڑھا تو وہاں کی فورسز نے اس کو بھی مار ڈالا۔ اس پر انسانی حقوق کی وہ نام نہاد جماعت بھی خاموش تماشائی بنی رہی۔ اس واقعہ پر پوری دنیا نے ناراضگی ظاہر کی، لیکن ہمارے غیرتی ملک اور

اس کے غیرتی حکمرانوں نے اس پر ایک جملہ تک نہیں کہا۔ اُن دہشت گرد طالبان، ان انتہا پسندوں نے اور ان کی آنکھوں کے کانوں نے یہ بیان دیا کہ ہم ان کے بدلے میں اتنے ہزار، اتنے لاکھ آدمی ان کے ماریں گے کیونکہ وہ ایک پردہ نشین مسلم عورت اور اس کا مسلمان خاوند تھا یہ براہِ راست اسلام پر حملہ ہے، ان کی لاشیں کتنی دیر تک عدالت کے دروازے پر پڑی رہیں۔ بلادعرب کے بادشاہ اور ان کے عملہ کی غیرت پر بھی افسوس ہے۔ انہوں نے تو چلو پھر بھی اپنے سفیر کے ذریعے بیان دلوایا کہ مسئلہ تو قرآن کا ہے۔ یہ صرف خاتون قتل نہیں ہوئی ہے، قرآن پر حملہ ہوا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

''یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ
عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ط'' (سورۂ احزاب آیت ۵۹)

اے پیغمبر آپ اپنی بیویوں کو، اپنی بیٹیوں کو اور تمام مسلمان عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنے اوپر بڑی بڑی چادریں اور برقعے ڈالیں۔

دینی ماحول کا دفاع حکمرانوں کا اولین فریضہ ہے

ہمارے حکمرانوں میں یہ غیرت نہیں ہے کہ یہ بیان دے دیں کہ ہمیں ہمارے دین کے بارے میں مغرب کسی قسم کا کوئی املانہ کرائے اور کوئی احکامات نہ دے۔ ہم اپنے دین پر آزادی سے عمل کرینگے۔ یہ ان کے ایسے بغل بچے بنے ہیں کہ ان سے کہتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں، ہم بہت زیادہ آپ کے پیارے ہیں، ہم آپ کے وفادار ہیں اور ہم آپ کے سائے میں پل رہے ہیں، بس آپ ہمیں ڈالر دیں اور ہم سے جو چاہیں وہ

کروائیں۔ جب لالچ اور حرص اتنی سوار ہو کہ نہ عزت کا خیال ہو، نہ ملک کی حفاظت کا خیال ہو، نہ ملک کے مکینوں کی عزت وآبرو کا خیال ہو، نہ عالم اسلام کے وقار اور تقدس کا خیال باقی رہے، تو ایسے حکمرانوں سے تو حکمران کا نہ ہونا بہتر ہے۔ ملک کے لوگ، ملک کے مکین آگ میں کھڑے ہیں، مہنگائی اور ہنگامہ آرائی نے ان کی کمریں توڑ دی ہیں، لیکن ان کا کوئی بھی پرسان حال نہیں ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

جشن آزادی مبارک ہو اس خون کے ساتھ جو مسلمانوں کا پوری دنیا میں بہایا جا رہا ہے، جشن آزادی مبارک ہو ان لاشوں کے ساتھ جن کا کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، جشن آزادی مبارک ہو حکمرانوں کے بے انتہا ظلم اور بربریت کے ساتھ جس کا کوئی مداوا نظر نہیں آرہا، جشن آزادی مبارک ہو ان مظلوموں کی سسکیوں اور آہوں کے ساتھ جن کا کوئی بھی پرسان حال نہیں ہے، آپ جشن منائیں کیونکہ آپ نے اپنی غیرت اور عزت کا سودا کیا ہوا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ یہ ہمارے حکمران کبھی کبھی بیان دیتے ہیں کہ ملک کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہے، حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ سب سے بڑا خطرہ تو خود یہ حکمران ہی ہیں ان کے ہوتے ہوئے اور کسی کی کیا ضرورت ہے، سارا خطرہ تو یہ خود ہی پیدا کرتے ہیں، دوسروں کو حملے کی دعوت دیتے ہیں، دوسروں کو ملک میں گھسنے کی اجازت دیتے ہیں، اپنی من مانی کرنے کی اجازت دیتے ہیں، ملک کو خطرہ جتنا تم

سے ہے اور کسی دشمن سے بھی نہیں ہے۔

مشرقی پاکستان نقشے سے مٹ گیا، آج اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پاکستان کے چھوٹے چھوٹے صوبے ہیں ان میں بھی کشمکش شروع ہے کہیں دنگے فساد ہو رہے ہیں، کہیں قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے، کہیں دھماکوں پر دھماکے ہو رہے ہیں۔ ہمارے شہر کراچی ہی میں دیکھ لیں کوئی دن ایسا نہیں جب یہاں لاشیں نہ گرتی ہوں اور ہم اور آپ اخبار میں دیکھتے رہتے ہیں۔ حکمران موجود، حکومت موجود، عدلیہ موجود، قانون موجود، قانون نافذ کرنے والے ادارے موجود پھر یہ سب کچھ کون کروا رہا ہے؟ اگر حکومت یہ کہے کہ ہمارا نام غلط لیا جاتا ہے ہم اس میں شریک نہیں ہیں تو پھر ان سب باتوں کا نوٹس کیوں نہیں لیا جاتا۔ اگر کسی روڈ پر ناحق بکری بھی ماری جائے، کسی کی گائے کسی کے ٹرک کے نیچے آجائے، کسی کا چھوٹا سا بچہ کسی گاڑی کے ساتھ زخمی ہو جائے تو کتنا افسوس کیا جاتا تھا، کتنے لوگ جمع ہو جاتے تھے اور آنسو بہائے جاتے تھے۔ لیکن آج سب سے آسان کام انسانوں کی جان لینا ہو گیا ہے، اتنی سستی تو مارکیٹ میں سبزی اور پھل نہیں ہیں جتنی سستی آج انسانی زندگی ہو گئی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

صحیح مسلم میں جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ

''والذی نفسی بیدہ لیاتین علی الناس زمان لا یدری القاتل فی ای شیٔ قَتل و لا یدری المقتول علی ای شیٔ قُتل''(مسلم ج ۲ ص ۳۹۴)

قاتل کو اس بات کا پتہ نہیں ہوگا کہ میں کیوں قتل کر رہا ہوں اور نہ ہی مقتول کو یہ معلوم ہوگا کہ مجھے کیوں مارا جا رہا ہے۔

جب واقعات ہو جاتے ہیں، حادثات ہو جاتے ہیں اور بے شمار لوگ مارے جاتے ہیں، ہزاروں افراد بے گھر ہو جاتے ہیں، تو ایک سرکاری ذمہ دار اور سرکاری افسر کا بیان آجاتا ہے کہ ہم ابھی واقعہ کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ وہ تحقیق ایسی ہوتی ہے کہ شروع ہو کر ختم بھی ہو جاتی ہے اور کسی کا کوئی پتہ نہیں چلتا، آخر آپ تحقیق کس بات کی کرتے ہیں۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

بیانات دینا بہت آسان ہوتا ہے اصل کام ملک کا نظام چلانا ہے اور ایسا چلانا ہے کہ اس کے مکین وہاں امن محسوس کریں اور چین کی زندگی گزاریں۔ یہ بے وقت کے فیصلے، بے محل باتیں، الٹے سیدھے بیانات صرف دھوکہ دہی ہے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور ہمارے اس بچے کچے ملک کی حفاظت فرمائے اول اس کو حکمرانوں سے، پھر بد ضمیر سیاستدانوں سے، پھر قتل اور غارت گری کے ایجنٹوں سے، امن کو تخت و تاراج کرنے والے عناصر سے اور لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلنے والے ناکارہ ظالموں کے شر اور مفاسد سے رب العزت موجودہ پاکستان کو محفوظ فرمائے۔

مسلمان ہمیشہ اپنے ملک کا خیر خواہ ہوتا ہے

ہم اور آپ کبھی بھی ملک کے بدخواہ نہیں ہو سکتے۔ ہمارا قرآن پر ایمان ہے اور قرآن میں ہے کہ کافر اپنے ملک کا دشمن ہوتا ہے۔ ''یخربون بیوتھم بایدیھم''

وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو تباہ کرتے ہیں۔ تو مومن، مسلم اور علماء اور انکے قدر دان، صحبت نشین وہ ہر گھڑی، ہر دم اپنے ملک کے خیر خواہ، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کی سرحدات اور عزت وتوانائی کی حفاظت ونصرت کے لئے ہر وقت دعاؤں میں رہتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو نہ قرآن سے واسطہ ہے، نہ ایمان سے واسطہ ہے، نہ دینی تعلیم کو وہ ضروری سمجھتے ہیں وہ ملک سے کیا وفاداری کریں گے اور کیا اس کی حفاظت کے لئے کوششیں کریں گے۔

ہمارے فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ ایک شہر میں جتنے بھی لوگ رہ رہے ہیں، وہ شہری حفاظت میں ایک جیسے ہیں، ایک ملک میں جتنے لوگ رہ رہے ہیں، وہ رہنے سہنے کے حقوق میں برابر ہیں۔ کوئی کسی کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ یہاں نہ رہیں فلاں شہر میں چلے جائیں۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ یہ جگہ چھوڑ کر وہاں چلے جائیں۔ یہ اور لوگوں کی تعلیم ہے، ان کا پروپیگنڈا ہے۔ اور اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ اگر کراچی کے باہر کوئی سیلاب آنے لگے یا ایک ایسی آگ لگ گئی کہ اگر وہ چوبیس گھنٹے میں نہ بجھائی گئی تو پورا کراچی اس آگ میں جھلس جائے گا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر آپ یہ اعلان کریں کہ ”صرف مسلمان آجائیں اور دوسروں کی ضرورت نہیں ہے“۔ اس اعلان پر لعنت ہو، یہ کوئی عقل کی بات ہے۔ آپ کہیں گے کہ تمام مکین، شہر کے باسی، یہاں کے رہنے والے، چاہے رات کو کوئی فقیر رات گزارنے آیا، وہ بھی آئے ہمارا ہاتھ بٹائے، تاکہ ہم آگ بجھانے میں اور شہر کو نقصان پہنچانے والے سیلاب روکنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اسلام میں کافر کے بھی امن کا خیال کیا جاتا ہے

جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ کے زمانہ مبارک میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مشرکین مسلمان ہوئے یا وہاں سے چلے گئے اور یہود ونصاریٰ نے آپ کے ساتھ عہد کیا کہ ہم اگر ایمان نہیں لائے تو اپنے کفر کا جرمانہ دیں گے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں عربی میں۔ قرآن کریم میں ہے۔ ”حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ“ (سورۂ توبہ آیت ۲۹)

ان کو خود جزیہ بھرنا ہوگا، جیسے ہم بل وغیرہ بھرتے ہیں، ٹیکس بھرتے ہیں۔ اس کے بعد جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو ایک تقریر کی ہے، حیران کن تقریر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ لوگ یہاں رہنے کے قابل ہیں، یہاں رہنے کے اہل ہیں اور ان کو یہاں رہنے کا حق ہے۔ ان کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور ان کو تنگ بھی نہیں کیا جائے گا، جو آرام وراحت ہمارا حق ہے وہ ان کا بھی حق ہے، جو تکلیفیں اور پریشانیاں ہم کو گزارنی ہیں یہ ان میں ہمارے شریک ہوں گے۔ اس دوران اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے ان غیر مسلموں کا کوئی فرد قتل ہو گیا تو فقہ میں واحد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں جو فرماتے ہیں کہ ان کو امن دینے کے بعد اگر ایسا ہوا تو اس کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے غلط کام کیا ہے اسلامی نظام اور امن کے دستاویز پر حملہ کیا ہے، اسلامی ابدی صداقتوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے ملک میں رہنے والے شہری حیثیت میں سب برابر ہوں گے۔

اسلام تو کافر کو بھی بھرپور امن فراہم کرتا ہے لیکن ہمارا ملک ایسا بد قسمت ملک ہے

کہ اس میں خود مسلمان ہی امن کا متلاشی ہے اور سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں ہی کو پہنچایا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ پاک اور نیک طبقہ جو کہ علماءِ کرام کا ہے ان کو آئے دن پریشانیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے، دین اسلام کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو طرح طرح سے رکاوٹیں ڈال کر علم سے روکا جا رہا ہے، یہ اس ملک کا حال ہے جو کہ اسلام کے نام پر آزاد کرایا گیا تھا۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس آزادی پر جشن نہیں ماتم کرنا چاہئے کہ پچاس سال گزرنے کے بعد بھی حالات پہلے سے بہتر نہیں ہوئے بلکہ بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ رب العزت پاکستان کی حفاظت فرمائے اور حکمرانوں کو غیرت اور ہوش عطا فرمائے اور وہ اپنے اصل دینی سرمائے کو پہچانیں اور اس کو نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہو جائیں۔

وبھذا القدر نکتفی الیوم فللّٰه الحمد اولا و اٰخراً

چھتیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیّدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلّم علیہ امّابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ○ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ○

(سورۂ کوثر)

قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی قال سنت ابیکم ابراھیم قالوا وما لنا فیھا یا رسول اللہ قال بکل شعرۃ حسنۃ او کما قال النبی صل اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ ص ۲۲۶)

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم

وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم

وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

حج اسلامی عبادات کی تکمیل کا مہینہ

یہ ایام اور یہ مہینے حج کے ہیں اور حج اسلام کا آخری اور پانچواں رکن ہے۔ جس پر اسلامی ارکان اور فرائض مکمل ہو جاتے ہیں۔ حج چونکہ گھر اور وطن سے دور ایک مخصوص حصہ دنیا میں جسے انبیاء علیہم السلام کی میمونت اور مامونیت حاصل ہے اور اس کیلئے بڑے کٹھن قسم کے راستے اور سفر کی دشواریاں سہنی پڑتی ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ عمر میں فرض فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے جب حج کی فرضیت بیان کی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا "العامنا ھذاام للابد" یہ ہر سال ہوگا یا عمر بھر کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا "قال بل للابد" (ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۵) عمر بھر کے لئے ایک ہی حج کافی ہوگا۔

چو کعبہ قبلۂ حاجات شد از دیار بعید

روند خلق بدیدارش از بسے فرسنگ

چونکہ بہت دور کا علاقہ ہے۔ گو ہوائی جہاز نے اور جدید ذرائع نے سہولتیں پیدا کی ہیں لیکن سفر کی بنیاد دقت اور دشواری پر ہے۔ اللہ علام الغیوب اور اسرار رموز کی دانا ذات نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے اس کی فرضیت یکساں فرمائی ہے۔

حج کس چیز کا نام ہے اور حج کو حج کیوں کہتے ہیں یہ ایک طویل بحث ہے۔ لغت کے اندر حج کے معنی ہیں زیارت المعظم، کسی محترم اور مکرم کی زیارت کو جانا اس کو حج

کہتے ہیں۔

اصطلاح دین میں کعبہ شریف جسے اللہ کے خانہ ہونے کا شرف حاصل ہے، خاص تاریخوں میں، خاص مہینوں میں، حج کے احرام کے ساتھ، عاقل، بالغ، مسلمان کے وہاں حاضر ہونے کو حج کہتے ہیں۔ حج عقیدہ کی صفائی ہے اور روح کی غذا بھی ہے۔ تمام عبادات جو کہ شریعت کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں، سب کا ظاہری مقصد ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی مقاصد بھی ہوتے ہیں۔

جیسے وضو ہے تو اس سے نظافت الاعضاء مراد ہے۔ وضو اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ اعضاء صاف ستھرے دھل جائیں اور پاکی حاصل ہو جائے۔

نماز سے طہارت الاجساد ہو جاتی ہے۔ جسم کی ایک خاص قسم کی صفائی اور نیرنگی نماز کے اہتمام سے حاصل ہوتی ہے۔

زکوٰۃ سے طہارت الاموال مراد ہے فقہاء کہتے ہیں اس سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ اگر تم زکوٰۃ نہیں دو گے تو تمہارا سارا مال پلید ہو جائے گا۔ جیسے جانور جب ذبح نہیں ہوتا اس کی رگوں کا خون نہیں نکالا جاتا تو سارا جانور مردار ہو جاتا ہے۔ گائے بھینس، بکری، مرغی کے گلے پر چھرا پھیر کر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے سے اس کی رگوں کا خون نکل جاتا ہے اور سارا جانور پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہی خون رہ گیا تو سارا جانور مردار ہو جائے گا۔ اسی طرح زکوٰۃ جب نہ دی جائے تو پورا کا پورا مال پلید ہو جائے گا، ناکارہ ہو جائے گا، منحوس اور نامراد ہو جائے گا اور مال والے کیلئے دنیا ہی میں عذاب بن جائے گا کیونکہ اس کو پاک نہیں کیا گیا۔

اسی طرح حج سے انسان کے عقائد صاف ہو جاتے ہیں، اس کو شرک سے چھٹکارا مل جاتا ہے، بدعات سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور اعمال کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ واقعی حاجی ہو اور حج کے لئے گیا ہو، آج کل حاجی کم ہوتے ہیں اور مزاجی زیادہ ہوتے ہیں۔

حاجی اور مزاجی

آج کل حجاج حج کے لئے روانہ ہو رہے ہیں حج پر جانے والوں میں ایک حاجی ہوتا ہے دوسرا مزاجی ہوتا ہے حاجی اس کو کہتے ہیں جب وہ حج کی نیت کر لے تو اللہ کے یہاں وہ حاجی لکھا جاتا ہے اور اس کی عبادت، دعا، طاعات سب حج کے ارادے سے قبول کئے جاتے ہیں یہ حاجی ہے اور ایک مزاجی ہے وہ لندن بھی دیکھ چکا ہے پیرس بھی دیکھ چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے شہروں میں رہا ہوتا ہے تو پھر اسی طرح مکہ اور مدینہ بھی دیکھ آتے ہیں

مکہ گئے مدینہ گئے قدس بھی گئے
جیسے گئے تھے گھوم پھر کے ویسے آ گئے

حج پر جانے سے پہلے بعض جگہ تربیت ہوتی ہے وہ تربیت کیا ہوتی ہے، سامان کا خیال رکھنا، تھیلے کا خیال رکھنا، پاسپورٹ کا خیال رکھنا، یہ آپ ان کی تربیت کر رہے ہیں یا کوئی کھیل تماشے کے لئے ان کو بھیج رہے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ بیبیوں کا پردہ کراؤ، ناجائز ملازمت سے پیچھے ہٹو، سود اور حرام کاری سے توبہ کرلو اگر کسی کا مال دبایا ہے تو اسے واپس

کرو، اگر کسی کا دل دکھایا ہے یا کسی کی حق تلفی کی ہے تو اس کو راضی کر لو اس کے بعد پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہو جاؤ، لیکن یہ ان سے اس قسم کی باتیں کیسے کہیں گے کیونکہ یہ تو ان کے پروگرام میں شامل نہیں ہیں، "یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ" "اے ایمان والو صاف ستھری چیزیں کھاؤ حلال چیزیں کھاؤ، "وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ" (سورہ بقرہ آیت ۱۷۲) جب تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرنے جا رہے ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان دیا، مسلمان بنایا اور آپ کو حلال سرمائے سے اپنے گھر کو دیکھنے کی توفیق دی۔

تلبیہ کی کثرت حج کی قبولیت کی نشانی

حج بہترین عبادت ہے، حج کا احرام ہو یا عمرے کا جب آدمی احرام باندھے تو تلبیہ پڑھے اور تلبیہ کثرت سے پڑھنا قبولیت کی نشانی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرب قیامت، لوگ حج اور عمرے کریں گے لیکن تلبیہ نہیں پڑھیں گے اس کے کچھ آثار ہوائی جہازوں میں اور ایئر پورٹوں میں نظر آ رہے ہیں چند لوگ تو تلبیہ پڑھتے ہیں لیکن اکثر کو تلبیہ پڑھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔

ایک حاجی وہ بھی ہے کہ جب وہ تلبیہ پڑھتا ہے "لبیک اللھم لبیک" تو فرشتہ جواب دیتا ہے "لا لبیک ولا سعدیک و حجک مردود علیک" (الدرر المنثرہ للسیوطی ص ۳۴) یہ لبیک لبیک کہتا ہے۔ یا اللہ میں تیرے گھر پہنچ گیا اور میں خوش قسمتی مانگ رہا ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا نہ تو آیا ہے نہ خوش قسمتی تیرا مقدر

ہے، تیرا حج بھی تیری وجہ سے تیرا جیسا مردود ہو گیا، اس پھٹکار سے بچنا ہر مومن کا فرض ہے
اس لئے آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی ''اللھم اغفر للحاج ولمن استغفر له
الحاج ''خدایا حاجی کی بخشش فرما، پیغمبر جب کسی کے لئے دعا فرمائیں کہ اے خدایا اس کی
بخشش فرما تو غالب امکان یہی ہے کہ اس کو گناہ سے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

اس کے حق میں تو نبی کی دعا قبول ہوگئی لیکن نہ ہی اس نے داڑھی رکھی، نہ ہی اس
نے حرام نوکری چھوڑنے کا کوئی انتظام کیا، نہ ہی اس نے اور بدکاریوں سے توبہ کرنے کو
ضروری جانا ہے اور نہ ہی اس نے اپنے اہل خانہ کا پردہ کروایا ہے، اس نے اپنے گھر میں
پورا بازار اور سرکس لگائے رکھنے کا عہد کیا ہوا ہے اور یہ حج پر جا رہا ہے تو اس جانے والے کو
حاجی نہیں کہا جا سکتا یہ حاجی نہیں ہے یہ مزاجی ہے۔

حرمین شریفین حاضری پورے آداب کے ساتھ ضروری ہے

آخر آپ جب کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے ہیں ملاقات کے لئے تو صاف
کپڑے پہنتے ہیں، وضو بھی کر لیتے ہیں کہ ایک پاک آدمی سے مجھے ملنا ہے تو اس کا بھی
احترام ضروری ہے، تو سارے جہاں کے پاکان جمع ہو جائیں آسمان و زمین کی ساری
خلقتیں جمع ہو جائیں محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تو آپ خود اندازہ
کریں کہ وہاں کے احترام کا کیا عالم ہونا چاہئے۔

اسی طرح عام مسجدوں میں آنے کے آداب ہیں ''یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ
عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ'' (سورۂ اعراف آیت ۳۱) اس آیت سے مفسرین نے یہ مسئلہ نکالا کہ

مسجد آتے وقت آداب واحترام، تقدس، صفائی ستھرائی بہت ضروری ہے اور کعبۃ اللہ جو کہ
اصل بیت اللہ ہے، عرش سے ہر لحہ، ہر آنکھ جھپکنے کے ساتھ چوبیں ہزار جلوے وہاں نازل
ہوتے ہیں اور پھر وہاں سے وہ برکتیں، انوار وہ جلوے اور تجلیات پورے عالم میں، عالم
کے علماء، مشائخ، بزرگان دین، مساجد، مدارس خیر اور رشد کے جو مقامات ہیں وہاں تقسیم
ہوتے ہیں، اس لئے وہاں جانے کے لئے بھی یقیناً اچھی نیت، بہترین تیاری اور دل و جان
سے توبہ ضروری ہے۔

مولانا روم اس لئے فرماتے ہیں

کعبہ را ہر دم تجلی بر فزود
ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

کعبے میں جو ہر وقت جلوے آرہے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اخلاص ہے
جس کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخشی ہے۔

لیکن ہمارے لوگ اس میں بد احتیاطی کرتے ہیں اور اس کے بعد شکوہ اللہ تعالیٰ
سے کرتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ آپ پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر
دیکھیں کہ آپ کی دعا اس قابل بھی ہے کہ اس کو قبول کیا جائے، آپ کے اعمال اس قابل
ہیں کہ ان کے ذریعہ آپ کی دعا عرش تک پہنچ جائے، آپ میں اپنے دین کا اتنا احساس بھی
ہے کہ آپ کی دعا کو رد نہ کیا جائے۔ اپنی دعا کو خود اپنے لئے عذاب بنا لیتے ہیں اور شکوہ اللہ
تعالیٰ سے کرتے ہیں۔

اعمال میں بد احتیاطی کے بعد توبہ بہترین عمل ہے

عذاب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک عذاب کا احساس ہو جاتا ہے، وہ پھر استغفار اور توبہ سے معاف ہو جاتا ہے لیکن ایک عذاب ایسا ہوتا ہے کہ اس کا احساس بھی نہیں ہوتا اور جب احساس نہیں ہوتا تو وہ طویل مدت تک رہتا ہے "حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۸) مفسرین نے حبطت اعمالہم کے نیچے لکھا ہے کہ انکو ایسا عذاب ہوگا کہ یہ اٹھے گا نہیں، انہیں احساس تک نہیں ہوگا کہ ہم زیر عذاب ہیں۔ اگر ایک مسلمان کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ مجھے تکلیف اس لئے ہوئی ہے کہ میں نے بے احتیاطی کی، میں نے عبادات میں کمی کی، کسی امانت میں خیانت کی تو وہ اسے پورا کر سکتا ہے۔ اللہ کی عادت ہے کہ بندہ رجوع کر کے معافی مانگتا ہے تو اللہ خوش ہو جاتا ہے "لله افرح بتوبة العبد" (بخاری ج ۲ ص ۹۳۳) بخاری میں ہے کہ اللہ بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حدیث میں اس کی ایک مثال دی ہے کہ دیکھو ایک شخص جنگل اور دشت میں اپنا سارا زادِ سفر، اپنی سواری پر باندھا ہوا ہے اور بڑی تکلیف دہ راستوں سے گزر رہا ہے۔ اچانک دیکھا کہ اس کی وہ سواری غائب ہو گئی، اس نے صبح سے شام تک تلاش کی لیکن وہ نہیں ملی۔ تھک تھکا کے بھوکا پیاسا وہ ایک جگہ جا کر بیٹھ جاتا ہے اب اس کے جسم کے اندر سانس بھی آخری چمک رہی ہے اور یہ مرنے کے ارادے سے درخت کے نیچے گر گیا کہ زادِ سفر سارا چلا گیا۔ آس پاس کوئی ہے نہیں اور نہ ہی ایک بوند پانی کی کہیں ہے، ایک نوالہ کھانے کا نہیں ہے، اس بے بسی اور غم کے عالم میں اس کی آنکھ

لگ جاتی ہے اور وہ سو جاتا ہے۔ جب کچھ دیر بعد اس کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ وہی سواری تمام زادِ سفر سے لدی ہوئی اس کے سرہانے کھڑی ہے (بخاری ج ۲ ص ۹۳۳، مسلم ج ۲ ص ۳۴۵) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص کتنا خوش ہوگا اور یہ کن الفاظ سے اپنے رب کا شکر کرے گا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں جب بندہ گناہوں سے واپس ہوتا ہے اور وہ توبہ کرتا ہے۔

"فان العبد اذا اعترف بذنبه ثم تاب الى الله تاب الله عليه" (بخاری ج ۲ ص ۶۹۸)

بندے سے جب گناہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ گناہ چھوڑ کر دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

بندوں کی دو اقسام

بندے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ ہے جو نبوت کے ساتھ متصف ہے، انبیاء اور مرسلین، ان سے گناہ صادر نہیں ہوتا وہ بغیر گناہ اور بغیر معاصی کے کامل و اکمل ہوتے ہیں وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو مقتضی انسانیت بنایا ہے۔ انبیاء کی سرشت اور فطرت ایسی کی گئی کہ ان سے کسی قسم کے معاصی اور ذنوب کا صدور نہیں ہوتا اور وہ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ صدور تو دور کی بات ہے ان کے دل و دماغ میں گناہ کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا پاک اور محفوظ بنایا ہے جس کی مثال زمین اور آسمان میں ڈھونڈنا مشکل ہوتی ہے۔

دوسرے قسم کے انسان وہ ہیں جنہیں اولیاء کہتے ہیں، بزرگانِ دین، ان کے

اور مختلف قسم کے احوال آتے ہیں جن میں ایک وقت ان پر ایسا بھی آجاتا ہے کہ وہ گناہ کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسے بہت سارے صحابہ ہیں جن پر ایک دور کفر کا گزرا ہے، ایسے بہت سارے لوگ ہیں جنہوں نے کفر کا دور بھی دیکھا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نصیب فرمایا ہے۔

ایک واقعہ

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں مسلمانوں کی صفیں درست کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ جنگی ٹوپی سر پر سجی ہوئی تھی، تلوار ہاتھ میں تھی اور تیروں کا ترکش بھی موجود تھا۔ پورا جیسے ایک جنگجو، جنگ کے سامان سے مسلح ہوتا ہے، اسی حالت میں آپ ﷺ آگے نکلے اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو صف آرائی سمجھائی اور ہدایات دے دیں۔ آپ ﷺ کا جمال، جمال آراء اور روشن چہرہ دیکھ کر دشمن کی صفوں سے ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے کفار کی طرف سے لڑنے کے بجائے مسلمانوں کی جانب سے لڑنا شروع کیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ لاشیں جب اٹھائی گئیں تو اس کی بھی اٹھائی گئی، وہ شہید ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ کچھ بندے ایسے ہیں انہوں نے کوئی نماز نہیں پڑھی ہے "فدخل الجنۃ ما صلی للہ صلوٰۃ" لیکن وہ صرف مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے جنت جائیں گے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۳۴۴، فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۵)

آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ یہ شخص بھی ان لوگوں میں سے ہے۔ عمر بھر کفر کے اندر شرک کے اندر مبتلا رہا، لیکن آخر وقت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی سچائی نصیب فرمائی

کیونکہ اصل نجات کا سرمایہ ایمان ہے۔

ایمان کی حفاظت اعمال کے ذریعہ سے ہوتی ہے

اعمال تو ایمان کی بقا کے لئے ہوتے ہیں۔ جیسے ایک پودے کو باقی رکھنے کیلئے آپ کبھی پانی دیتے ہیں، کبھی اس میں کھاد ڈالتے ہیں، کبھی اس کی مٹی بدلتے ہیں، کبھی خس و خاشاک اس سے ہٹاتے ہیں تاکہ یہ پودہ نشونما پا سکے اور مرجھا نہ جائے۔ اسی طرح ایمان کی ترقی اور اس کی قوت کو باہم بڑھانے کیلئے حکم یہ ہے کہ اعمال کرو "اعملوا صالحاً" بہترین اعمال اختیار کرو۔ تمہارے اعمال سے تمہارے ایمان میں قوت آتی ہے اور اس میں نشونما پیدا ہوتی ہے۔ انسان جب ایمان والا ہو اور اس کے اعمال نہ ہوں، جیسے بہترین بیج لگا ہوا ہو لیکن اس کی خدمت نہ ہو۔ کچھ مدت بعد اس بیج کا پودا غائب ہو جائے گا اور اس کی جگہ کیکر کا کانٹا اُگ جائے گا، مختلف جھاڑیاں اور دیگر کانٹے دار چیزیں پیدا ہوں گی۔ اس لئے جن کی تربیت نہیں ہوتی اور جو اسلام کی تعلیمات کو ناکافی سمجھتے ہیں وہ پھر مرزائی، منکر حدیث، بدعتی، صحابہ کے دشمن، قبر پرست، غیر اللہ کی پوجا کرنے والے عناصر خبیثہ بن جاتے ہیں اور اپنے اصل مقصود سے ہٹ جاتے ہیں۔ دنیا کے اندر جتنے باطیل، جتنے اکاذیب آپ دیکھتے ہیں اور جتنے فرقے اور فتنے دیکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو ایمان اور ایمان کی محنت نہ پہنچ سکی۔

مختلف باطل فرقوں کا تذکرہ

سکھوں کا بڑا گرو نانک، یہ بھی مسلمانوں سے ٹوٹا ہے۔ ۶۱۲ ھ کے اندر، بابا فرید

گنج شکر رحمہ اللہ اور یہ ایک استاذ کے شاگرد رہے ہیں اور پورا تفصیلی علم پڑھ چکا ہے، مکمل قرآن وسنت، فقہ پڑھی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو تو آپ جانتے ہیں، ابھی ۱۴۰، ۱۳۰ سال کے اندر اسلام سے ٹوٹا ہے اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے مردار ہوا ہے۔

غلام احمد پرویز منکر حدیث، ڈاکٹر فضل الرحمن، نیاز فتح پوری، سرسید نیچری، اسلم جراج پوری، عبد اللہ بہائی یہ سب کے سب وہ زنادق اور ملاحدہ ہیں جنہوں نے احادیث کی صحت کا انکار کیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے انکار کیا ہے کہ بس ایک قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا مقصد اصل میں قرآن کو ختم کرنا تھا کیونکہ قرآن کی جان نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کا انکار کیا جائے پھر نہ نماز رہے گی نہ روزہ اور نہ حج، ایک رکن بھی نہیں رہے گا۔ کیونکہ قرآن کریم کے اندر ایک نماز مکمل نہیں ہے، نہ وقت پورا ہے، نہ رکعات پوری ہیں، نہ نماز کے شروع کرنے کا طریقہ ہے اور نہ اختتام ہے، نہ صحت ہے، نہ فساد ہے۔ یہ تمام کام اللہ تعالیٰ نے رسول عربی ﷺ کے ذریعہ سے کروائے ہیں۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کو کہا گیا ہے کہ "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" (سورۃ نحل آیت ۴۴) آپ ﷺ کو مبعوث اس لئے کیا کہ لوگوں کے یہاں جو کتاب آچکی ہے اس کو آپ بیان کریں، تو اس تفصیل پر قرآن موقوف ہے اور اسے حدیث کہتے ہیں اور یہ ظالم حدیث کو نہیں مانتے تو گویا قرآن کی روح کا منکر ہو گیا۔ منکر حدیث نے جو کہا ہے کہ قرآن کافی ہے وہ اس لئے نہیں کہ قرآن پر ایمان رکھتا ہے بلکہ یہ قرآن کریم سے مسلمانوں کو ہٹانے کا کامیاب طریقہ ہے اور پھر لوگوں کو کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں تو بہت بعد میں جمع ہوئی ہیں، پتہ

نہیں کون کہاں سے آیا ہے اور کس سے حدیث سنی ہے، اس میں تو بہت فرق آیا ہوگا۔ تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ جیسے حدیث بعد میں جمع ہوئی ہے تو قرآن بھی تو بعد میں جمع ہوا ہے پھر اس پر اعتماد کیسے رہا۔ قرآن کریم بھی تو وہ نہیں جو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہو یا اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے لکھوایا ہو یا خود لکھ کر بھیجا ہو کہ پکڑو، قرآن کریم میں ہے کہ "وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ" نبی کو لکھنے والا بنایا ہی نہیں ہے، نبی کے لئے لکھنا ممنوع ہے، ان کی شان صداقت کے خلاف جانا گیا ہے۔ "اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ" (سورۃ عنکبوت آیت ۴۸) اگر آپ ﷺ بہترین لکھنے والے ہوتے تو شک کرنے والوں اور اہل باطل کو اور موقع مل جاتا شک کرنے کا، آپ ﷺ نے لکھنا ہی نہیں ہے، لوگ لکھیں گے، آپ کے کہنے سے لکھیں گے، آپ ﷺ کے اعتماد سے لکھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمع قرآن میں احتیاط

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قرآن کریم جمع کرنے لگے تو کتنی احتیاط کی گئی تھی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ویسے تو تمام صحابہ کو قرآن ایک جیسا یاد تھا۔ خاص کر جو قرآن کمیٹی تھی وہ سب کے سب قریش تھے۔ جب قرآن کریم جمع کرنا شروع کیا تو اس بات کا اہتمام اس طرح کیا گیا کہ کاتبوں اور جمع کرنے والوں کو بٹھایا گیا اور قرآن کریم کی تلاش شروع ہوگئی۔ پرچیاں منگوائی گئیں، اگر کسی کو یاد ہے یا بعد میں لکھا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ جو بھی جناب نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لکھا گیا تھا اس کو ڈھونڈنے کا اہتمام کیا گیا۔ بعض بعض سورتوں کے سلسلے میں تو ایک ایک آیت کے لئے کئی کئی دن تک بیٹھے رہے

اور انتظار کرتے رہے، اس کے بعد وہ ٹکڑا کہیں مل جاتا تو اس کو قرآن کریم میں درج کر لیتے ۔ اللہ تعالیٰ دین کے اور اپنی کتاب کے خود محافظ ہیں ۔

پہلی صدی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر قرآن کریم کو جمع کیا گیا جن کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے بھی احسان کیا ہے دنیا میں ہم نے اس کا بدلہ دیا لیکن ابوبکر کی نیکیوں اور احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ خود دے گا۔

گناہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ ہے

دنیا کے اندر بہت ساری چیزیں ہیں جن سے ایک انسان کو نیکیوں کی طرف توجہات حاصل ہوتی ہیں لیکن سب سے بڑا مقام جو رب العزت کے ہاں ملتا ہے وہ تو یہ سے ملتا ہے، گناہ چھوڑنے سے ملتا ہے کیونکہ گناہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور اس کی نیکیوں اور اس کے اعمال کو آسمان تک جانے سے روک لیتا ہے ۔ جیسے ایک آدمی آپ کے گھر آتا جاتا ہے اور آپ کا بہت محبوب ہے لیکن اچانک کوئی غلطی کرتا ہے تو آپ اسے کہتے ہیں کہ آج کے بعد آنے کی ضرورت نہیں ۔ یہ وہی شخص تھا جس کا آپ انتظار کرتے تھے، اس کے لئے مجلس سجاتے تھے، بڑے خوش ہوتے تھے، گھڑیوں انتظار ہوتا تھا لیکن اس نے ایک ایسی غلطی کی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اسی طرح معاملہ گناہ کا بھی ہے، گناہ کرنے سے انسان کے مقامات گھٹ جاتے ہیں اور وہ گناہ دنیا ہی میں اس کے لئے شرم اور رسوائی کا باعث بنتا ہے ۔ آدمی کو اس کا اندازہ دنیا

میں نہیں ہوتا لیکن ملائک کے محامد میں اور صفوف بالا کے اندر اس کا مقام مجروح ہو جاتا ہے ۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے دو قسم کی تعلیمات دی ہیں ۔ پہلی تو یہ کہ لوگ گناہ نہ کریں، ایک اللہ کو مانیں، شرک و کفر چھوڑیں، نبی کی تصدیق کرلیں اور دوسری یہ کہ لوگوں کا تعلق دنیا کی ہر چیز سے ٹوٹ کر اللہ سے جڑ جائے، نبی کی تمام تر کوشش اور محنت عباد پر اس سلسلے میں ہوتی ہے کہ لوگ ایک اللہ کو پہچان لیں اور اس کے بھیجے گئے احکامات کی پیروی کرلیں ۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام خصالِ حمیدہ کے پیکر ہوتے ہیں

اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام تعلیمات صدق پر مبنی ہوتی ہیں کیونکہ نبی سچوں کا سردار ہوتا ہے، اس کی ہر کروٹ، ہر پہلو اور ادا، خواب و نیند، آمد و رفت، ہنسی و مذاق، کھانا پینا، حیات و ممات، صداقت کا نمونہ ہوتا ہے ۔ نبی کبھی بھی غلط بات نہیں کرتے اور نہ ہی غلط کام کرتے ہیں ۔ انبیاء کرام سے ہمیشہ خیر و عافیت کی ادائیں صادر ہوتی ہیں جن پر انسانیت کو ناز ہوتا ہے ۔ نبی سے کبھی بھی کوئی چھوٹے پن کا یا گھٹیا کام صادر نہیں ہوتا، اس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا ہے مثلاً الٹے ہاتھ سے کھانا، الٹے ہاتھ سے پینا، بغیر اللہ کا نام لئے کوئی کام شروع کرنا یا آنکھوں سے اشارہ کرنا اور آنکھوں سے باتیں کرنا "انہ لا ینبغی لنبی ان یکون لہ خائنۃ الاعین" (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹۹ میر محمد کتب خانہ) ابوداؤد میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ پیغمبر لوگ آنکھوں سے اشارے نہیں کرتے، یہ پیغمبروں کی شان کے خلاف ہے، یہ تو بدمعاشوں کا طریقہ ہے، ننگے سر پھرنا اور رہنا، ننگے جسم کے

ساتھ رہنا، یہ سارے کام نبی کی شان وعظمت کے منافی ہیں، آداب اور حیا کے خلاف ہیں۔ کمال کے جتنے اخلاق ہیں اور انسانیت کی جو معراج ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے لئے خاص ہوتی ہے، اسلئے نبی کو مقتدا بنایا گیا ہے، نبی جب گفتگو کرتے تھے تو قرآن اس کا نقشہ پیش کرتا ہے ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' (سورۂ نجم آیت ۳،۴) نبی کی ہر بات وحی ہوتی ہے وہ عام انسانوں کی طرح فضول کلام نہیں کرتے۔ اسی طرح انبیاء کی عبادت کی شان بھی اور طرح کی ہوتی ہے۔ عبادات نبی کی روح میں شامل ہوتی تھی ان جیسی عبادت اور کوئی نہیں کرسکتا تھا، ان کی یہ شان ملائک سے بھی بلند ہوتی تھی ملائک بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ملائک تو پہلے ہی دن عاجز آ چکے تھے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے۔

پیغمبر جب نماز پڑھتے تھے تو ساری ساری رات نماز میں گزار دیتے تھے۔ نبی کی عبادات کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ آپ خود سوچیں، آپ بھی صفِ اول کے نمازی ہیں، داڑھیاں ہیں، اچھے کپڑے پہنتے ہیں، پہلی صفوں میں آنے کے لیے زور لگاتے ہیں، سارے کام چھوڑ کر جمعہ پڑھنے کے لئے شان وشوکت سے آتے ہیں، جہاں تک ہو سکے حرام سے بچتے ہیں، اللہ کی رضا کے کام انجام دیتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کوئی ایسا مسلمان ہے جو رات کو اٹھ کر کے بیس رکعات نفل پڑھے، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، ایک رات کو تو ہم شوق سے پڑھ لیں گے لیکن پھر اس کا اہتمام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ ہمارے زمانے کے لوگ تو سبحان اللہ ایسے ہیں کہ خوب زور وشور سے جاگنے والی راتوں میں عبادات کے لئے آجاتے ہیں اور پھر فجر کی فرض نماز میں گھر میں سوتے رہتے ہیں۔ شیخ احمد

سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو لوگ رات کو عبادت کریں اور ان کی فجر ڈھیلی ہو میں ان کا جنازہ نہیں پڑھوں گا وہ زندیق ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء رات کو نفل پڑھتے تھے تا کہ فجر میں چست رہیں، فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے کہ رات کو جاگنے کی وجہ سے جن لوگوں کی فجر متاثر ہوتی ہے ان کے لئے رات کو جاگنا مکروہ ہے کیونکہ رات کو جاگنا مقصود نہیں وہ اضافی ہے۔ اضافات سے مقاصد کو مجروح کرنا یہ کم عقلوں کا کام ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام سب سے زیادہ محتاط ہوتے ہیں

انبیاء کرام نے ایسی عبادات اس لئے کر کے دکھائیں تا کہ لوگ ان عبادات کا اہتمام کریں اور محتاط رہیں، کیونکہ نبی کے منصب میں اس بات کو بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ محتاط ہوتے ہیں، چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات نبی سے زیادہ کوئی انسان بھی زمین وآسمان کے درمیان محتاط نہیں ہوتا، اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ جب بھی جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے کوئی جنازہ لایا جاتا تھا تو آپ ﷺ پہلے دریافت فرماتے تھے کہ اس شخص پر کسی کا قرضہ ہے اگر کہا جاتا کہ ہاں میرا قرضہ ہے تو آپ ﷺ جنازے سے پیچھے ہٹ جاتے تھے اور فرماتے کہ'' اتی برجل لیصلی علیه فقال النبی صلی الله علیه وسلم صلوا علیٰ صاحبکم فان علیه دینا '' (ترمذی ج ۱ ۲۰۵) میں مقروض کا جنازہ نہیں پڑھاتا۔ آپ نے اس پر ناراضگی ظاہر فرمائی کہ اس نے کیوں قرض کی ادائیگی کا انتظام نہیں کیا۔ صحابہ میں سے پھر کوئی کہہ دیتا کہ حضرت اس کا قرضہ میں ادا کردوں گا آپ جنازہ پڑھالیں، آپ ﷺ کے ارشاد عالی اور ناراضگی کا مقصد یہ تھا کہ اوروں کو تنبیہ ہو جائے

اور اس کی جان چھوٹ جائے۔ ایک مسلمان آگے بڑھا اور کہا کہ حضرت اس کا تمام قرضہ میں ادا کروں گا۔ آج لوگ بڑے شوق سے قرضے لے رہے ہیں۔ مجھے ٹیلیفون کرتے ہیں کہ بینک سے قرضہ لے سکتے ہیں؟ اسلامی بینک قرضے دے رہے ہیں سود سے پاک ہے کیا ہم لے سکتے ہیں؟ ہاں لے سکتے ہیں، کیونکہ اس کے لینے کے بعد آپ نبی کریم ﷺ کی امت میں نہیں رہیں گے کیونکہ وہ دنیا میں کون سا بینک ہے جو سود سے خالی ہے دھوکہ بازوں نے اسلام کے نام پر بینک بنا لئے ہیں اور لوگوں کو سود میں مبتلا کر رہے ہیں۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

بینک بھی کبھی اسلامی ہو سکتا ہے؟ بینک اسلامی کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نافذ ہوگیا۔ بے شک ہر چیز صحیح ہوگی لیکن جب تک بینک اسٹیٹ بینک کے نیچے ہیں اور اسٹیٹ بینک تمام جواریوں اور حرام کاموں کا مجموعہ ہے، کیسے کوئی بینک سود سے پاک ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مندر کے اندر جا کر کہے کہ یہ بہت پاک اور صاف جگہ ہے اور دو رکعات پڑھ کر بہت مزا آتا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ مندر کے اندر لگے ہوئے پتھر بھی جہنم میں جلنے والے ہیں۔ یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ انبیاء کی تعلیمات سے دوری بڑھتی جا رہی ہے اور کاموں میں احتیاط نام کی کوئی چیز نہیں رہی ہے۔

خواجہ فرید گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت

خواجہ خواجگان الشیخ الکبیر فرید الدین گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن کھانا

کھانے کے لئے بیٹھنے لگے اور اچانک نوالہ لیا اور لیتے ہی واپس رکھ دیا اور فرمایا کہ نوالہ نہیں اٹھایا جا رہا، پہاڑ کے برابر بھاری ہوگیا ہے، کیا بلا اس میں ڈالی ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ جنگل سے سبزی جمال الدین ہانسوی لائے ہیں، لکڑیاں بدر الدین اسحاق لے کر آئے ہیں، پانی مولانا حسام الدین نے ڈالا ہے اور جوش میں نے دیا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت صاحب کو کس چیز کی وجہ سے کھانے میں بھاری پن محسوس ہو رہا ہے۔ خواجہ صاحب نے پوچھا کہ نمک کہاں سے آیا ہے تو انہیں بتایا گیا کہ نمک ختم ہوگیا تھا بنئے سے قرض لائے ہیں۔ خواجہ صاحب نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ ''درویشان اگر بفاقہ بمیرند برائے لذت نفس قرض نہ گیرند'' فقیر بھوکا رہنا تو پسند کر لے گا لیکن اپنے نفس کے لئے قرض کبھی نہ کھائے گا اور کہا کہ یہ کھانا اٹھا کر باہر لے جاؤ کیونکہ یہ کھانے کے قابل نہیں ہے۔ (راحت القلوب)

نہ ہی روزانہ دنیا کے اندر فرید گنج شکر پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی روز نظام الدین اولیاء اور بدر الدین اسحاق پیدا ہوتے ہیں۔ آپ احتیاط دیکھیں یہ وہ لوگ تھے جن کو اپنے نبی اور اپنے دین کی جامعیت سے کمال احتیاط نصیب ہوئی ہے۔ ایسے ہی دنیا ان کو اولیاء اللہ نہیں کہتی ہے ان کا کردار، ان کا اخلاق، ان کا طرز عمل، ان کی تعلیمات جامع اور مکمل تھیں اس لئے ان کو دین کی روشنی نصیب ہوئی۔ آج لوگ مجھے کہتے ہیں کہ ''آپ اولیاء کو مانتے نہیں ہیں'' تو میں ان سے کہتا ہوں کہ ''آپ لوگ اولیاء کو جانتے نہیں ہیں'' وہ آج کل کے پیروں کی طرح نہیں تھے جن کا سارا کام ڈھکوسلوں سے چلتا ہے وہ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو فرش سے لیکر عرش تک فضاء ایک ہی ہو جاتی تھی۔

جناب نبی کریم ﷺ بھی بہت محتاط تھے

کسی بھی معاملہ پر جب آپ غور وفکر کریں گے تو آپ کو حد درجہ احتیاط معلوم ہوگی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک بار اپنے قرابت داروں سے فرمایا کہ مجھ سے جو کچھ بھی آپ لوگوں کو چاہیے وہ یہیں لے لیں بروزِ قیامت میں کسی کا بھی ذمہ دار نہیں بنوں گا۔

''سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئا''

(بخاری شریف ج۲ص۷۰۲)

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا اور اس کی گردن پر گائے ہوگی، ایک آدمی آئے گا اس کی گردن پر اونٹ ہوگا، ایک آدمی آئے گا اس کی گردن پر بکری ہوگی، ایک آدمی آئے گا اس کی گردن پر زمین ہوگی، ساتویں زمین تک اور وہ کہے گا 'یا رسول اللہ اغثنی ''حضرت مجھے بچائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کو جواب دوں گا کہ'' لا املک لک شیئا قد ابلغتک ''(بخاری شریف ج۱ص ۴۳۲، مسلم شریف ج۲ص۱۲۳) میں نے دین پورا پہنچایا تھا آج کچھ نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم میں ہے کہ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ '' (سورہ ال عمران آیت ۱۶۱ کا حصہ) جس نے جو چیز بھی چوری کی وہ اسی چوری سمیت قیامت کے دن لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم عدالت میں دنیا کے ذرے ذرے کے ساتھ مجرمین پیش ہوں گے اور ان کی نا کردنیوں کا حساب کیا جائے گا، وہ دن برحق ہے اس میں شک نہ کرنا ''اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ '' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ دن آکر رہے گا'' لَا رَیْبَ فِیْهَا '' اس میں کوئی شک

نہیں ہے۔ (سورہ مؤمن آیت ۵۹)

سنت کا چور سب سے بڑا چور ہے

قیامت کا دن برحق ہے اور وہاں نجات انبیاء کرام کی اتباع سے ہی حاصل ہوگی، سنت کو لائحہ عمل بنانے سے ہوگی، عقیدے میں ایمان وتوحید کی حفاظت سے ہوگی، عمل میں سنت کی اتباع اور بدعات کے پرہیز سے ہوگی۔ اگر عقیدے یا ایمان میں فرق ہوا یا اعمال میں کوئی چوری چکوری نکلی تو سزا متعین ہوجائے گی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہر چیز کی چوری پر دنیا میں سزا ہے اور پکڑ ہورہی ہے۔ لیکن جو لوگ نبی کی سنت چوری کر رہے ہیں ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ میں ایک مسجد میں گیا وہاں لکھا ہوا تھا ''جوتا چوری کرنا بہت بڑا اجرم ہے'' میں نے چاک لے کر لکھا کہ'' سنت چوری کرنا اس سے بڑا اجرم ہے''۔ میں نماز پڑھ کے ایک جگہ بیٹھ گیا مجھ سے وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ سنت کون چوری کرتے ہیں؟ میں نے کہا بدعتی نبی کی تمام سنتوں کے چور ہیں۔ آپ کی مسجد میں لکھا ہے گیارہویں شریف کا بیان، عرس شریف کا بیان، کتنا آسان کام ہے کہ جو بھی بدکاری کرنی ہو اس کے ساتھ شریف لگاؤ۔ اللہ نے شریفوں کو بھی دکھا دیا کہ ان سے زیادہ بدچلن کوئی نہیں ہے، عقیدہ کے چور، عمل کے چور۔ مومن کا عقیدہ خدا تعالیٰ کے بارے میں ہوتا ہے کہ وہی نفع اور ضرر کا مالک ہے اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ قبر والے بھی جانتے ہیں اور وہ بھی لوگوں کو اوپر نیچے کرسکتے ہیں، ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ہماری مشکلات کو حل کرسکتے ہیں، ان کو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے شرم کرنا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ سے پہلے لوگ کیسے گندے خیالات رکھتے تھے، حضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو انہیں سیدھا کیا، وہ زندہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو حاجت روا سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نہ ہی حاجت روا ہیں اور نہ ہی مشکل کشا۔ وہ عزیر پیغمبر کو مشکل کشا اور حاجت روا مانتے تھے آپ ﷺ نے ان کے عقائد بھی درست فرمائے۔ یہ اسی نبی کا امتی ہے لیکن سارا ایمان قبروں اور مردوں پر رکھا ہوا ہے۔ یہ تمام عقائد اور احکامات اس لئے نازل ہوئے تاکہ امت کا عقیدۂ توحید مستحکم ہو جائے اور وہ ایک اللہ کی بڑائی اور عظمت دل سے مان لیں لیکن ان بے ایمانوں نے تو ہر درگاہ پر جھنڈا لگایا ہے اور ہر قبر کو اور ہر قبرستان کو حاجت روا اور مشکل کشا بنایا ہوا ہے نام نبی کا لے رہے ہیں اور کام اپنا نکال رہے ہیں۔

مسلمانوں کے پاس جو سرمایہ ہے وہ ایمان کا ہے اور مسلمانوں کی جو عزت کا قیام ہے وہ اعمال کے ذریعے ہے اور اعمال میں جعل سازی نہیں چلتی کہ آپ نے اپنی طرف سے مردے کی پہلی رات بنائی ہے، آپ کو اس کی دلیل لانی پڑے گی، آج تیسری رات ہے، آج چالیسواں ہے، آج برسی ہے، یہ سب کے سب خلافِ شرع کام ہیں، جناب نبی کریم ﷺ نے ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کبھی بھی کسی کا کوئی دن نہیں منایا، کیا آپ ﷺ کے زمانے میں لوگ نہیں مرتے تھے؟ آپ ﷺ کے کتنے جان نثار صحابہ شہید ہوئے خود آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ احد کے میدان میں شہید ہوئے، کس نے ان کی راتیں منائیں، ان کا تیجہ اور چہلم اور برسیاں منائیں۔ خود پیغمبر کی برسی اور ولادت کا دن صحابہ نے کبھی بھی نہیں منایا ہے، مجتہدین اور مفسرین نے ۱۴۰۰ سال تک یہ اعمال نہیں کیے ہیں "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (بقرہ آیت ۱۱۱) لاؤ

دلیل اگر تم اپنے ان دعوؤں میں سچے ہو۔ لیکن دلیل کہاں ہے کیونکہ جو کام بھی شریعت کے خلاف کیا جائے اس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کل عالم کے مسلمانوں کے عقائد درست فرمائے اور انہیں توحید اور سنت کا پابند بنائے۔ اللہ رب العزت کل عالم کے حجاج کو صحیح نیت اور اچھے اعمال اور کامل توبہ کے ساتھ سفر حج اور عبادت حج بمعہ تکمیل عبادات کے نصیب فرمائے اور ہمارے ملک کے حالات بھی سازگار فرمائے، آئین شرعی کے نفاذ کے لئے اللہ تعالیٰ ماحول سازگار فرمائے۔

آمین

واخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین

سینتیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعما لنا من یہدہ اللہ فلامضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہدان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشہد ان سیّدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلّم علیہ اَمّابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ○ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ○ اِنَّ هٰذَا

لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰہُ ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ م بِالْمُفْسِدِیْنَ (سورۂ ال عمران آیت ۵۸ تا ۶۳)

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ان کذبا علیّ لیس ککذب علی احد فمن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (مسلم شریف ج ا ص ۷)

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم
وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید
اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم
وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور عاشورہ محرم قدیم زمانے سے انبیاء اور دینی تذکار کی وجہ سے محترم دن رہا ہے۔ قدیم تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو اس دن فرعونیوں سے نجات ملی تھی اور فرعونی سارے کے سارے اس دن غرق ہوئے تھے۔ عاشورہ محرم حقیقت میں فراعنہ اور اہلیان حق کے درمیان ایک میزان کا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جو انبیاء کے متبعین اور صادقین ہیں نظر رحمت سے دیکھتے ہیں اور سرکش اور باغی لوگ جو کہ انبیاء کے طریق رشد و ہدایت سے منحرف ہوتے ہیں ان پر قہر اور غضب برساتے ہیں، جیسے کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ماثبت بالسنۃ" میں لکھا ہے اور دیگر حضرات نے بھی مختلف کتب میں درج فرمایا ہے۔

مخلوقات میں افضل مخلوق انبیاء کرام علیہم السلام ہیں

ہمیشہ ایک دینی ہستی کو، اس کے تقدس اور اس کے مقام کو احترام اور اکرام کی نظر

سے دیکھا جاتا ہے۔خواہ وہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاءِ کرام ہوں یا اور کوئی دینی راہنما ہو۔ان میں انبیاء کرام علیہم السلام صف اول کے لوگ ہیں وہ ایمان وعمل کے اصل مقتداء اور میزان بنائے گئے ہیں مخلوقات میں انبیاء سے بڑھ کر کوئی مخلوق نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے طور طریقوں کو انسانوں کیلئے لائحہ عمل نہیں بنایا ہے بلکہ انبیاء کرام کی حیات اور ان کی زندگی کو انسانوں کے لئے معیار کے طور پر پیش کیا ہے اور جن اور انس کو حکم دیا ہے کہ اپنی زندگی ان جیسی بنائیں کیونکہ یہ میری پسندیدہ ہے۔ اس لئے اہل سنت والجماعت کا مصمم عقیدہ ہے کہ انبیاء قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ گناہوں سے معصوم ،مغفور اور محفوظ ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کی تمام تر کارپردازی، نشونما، تعلیم وتربیت، حرکات وسکنات، حیات و ممات اور ان کی زندگی کا ہر شعبہ رب العزت کی وحی اور اس کی رضامندی کے مطابق ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مطلقاً قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" (سورۂ نساء آیت ۶۴)

کوئی بھی رسول اور نبی جو ہم نے بھیجا ہے ، انکی اطاعت فرض فرمائی گئی ہے۔رسول اور نبی کے علاوہ دنیا کے اندر ان کے متبعین، صادقین، ان کے فرمانبردار قدردان اور ان کی صداقت اور دیانت پر یقین رکھنے والے اعلیٰ درجے کے مخلص مومن، ان کا ایمان اور عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے لیکن وہ نبی کے بعد ہیں۔جیسے دنیا کے اندر قیمتی چیز سونا ہے اس کے بعد چاندی ہے لیکن چاندی اور سونے میں بہت بڑی تفاوت ہے اور اس کے بعد بھی مختلف چیزیں دنیا میں بکتی ہیں اور خریدی جاتی ہیں مگر سونا اور چاندی ان کا معیار ہے وہ اصلین اور نقدین کہلاتے ہیں۔زر اور دولت کی جو اصل پونجی ہے اس

کے ماں باپ سونا چاندی ہیں، ان جیسی کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی مقام اور مرتبت بلکہ اس سے بڑھ کر ہزاروں لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں بڑھا کر شان ، عظمت، تقدس اور احترام ، انسانیت کا عمدہ اور بلند معیار انبیاء علیہم السلام کو دیا ہے۔اللہ تعالیٰ جب انبیاء کرام کا تعارف فرماتے ہیں کہ آدم پیغمبر تھے، نوح پیغمبر تھے، ابراہیم تھے، ان سے پہلے حضرت ہود اور حضرت صالح اور پھر ان کے بیٹے حضرت اسماعیل ،حضرت اسحاق اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب، ان کے بیٹے حضرت یوسف، ان کے داماد حضرت ایوب اور اسی طرح حضرت یونس علیہم السلام ان سب کا ذکر کر کے پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہر دور اور ہر زمانے میں کامل ایمان والے تھے اور ان کو تیقن اور ہدایت بدرجۂ اتم عطا کی گئی تھی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (سورۂ انعام آیت ۹۰)

اے لوگو ان کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا۔ یہ اسلامی عقیدہ ہے اور اسلام اس کی تشریح کرتا ہے تو پیغمبروں کی نماز، ان کی قربانیاں، ان کا ذکر، ان کی دینی محنت، راہ خداوندی میں ان کی جہد مسلسل ان سب باتوں کو اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی زندگی معیار ہے۔

انبیاءِ کرام کے بعد افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے

اس جماعت کے بعد اگر کوئی دنیا میں طبقہ ہے جن کے ایمان اور عمل کو معیار کہا گیا ہے تو وہ ایک جماعت ہے اور اس جماعت کا نام ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب" والذین معہ "قرآن پاک ان کا ذکر معیت کے ساتھ کرتا ہے۔حضرت ﷺ کے ساتھ رہنے

والے ۔معیت کا مطلب یہ ہے کہ جو مقامات بطور نبوت کے اور معجزہ کے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دیئے ہیں وہ درجات بطور کرامت، ولایت اور صداقت کے صحابہ کرام کو نصیب فرمائے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تین مقامات قرآن کریم سے صراحتًا قطعیت اور یقینیت کے ساتھ ثابت ہیں۔ ایک انکا مومن ہونا دوسرا ان کا باعمل ہونا اور تیسرا ان کا جنتی ہونا۔ ان کے بعد قیامت تک جتنے لوگ ہیں ان کے ایمان عمل اور جنتی ہونے کے بارے میں ہم حسن ظن رکھتے ہیں، ہم بہترین امید رکھتے ہیں لیکن ہم قطعیت اور یقینیت کے ساتھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ فیصلہ کرنے کا حق صاحب وحی کو ہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دی جاتی تھی۔

صحابہ کرام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا"

یہ بالکل پکے مومن ہیں، پکا مومن وہ ہوتا ہے جن کا عمل ایمان کے مطابق ہو۔

''لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ''

انکی مغفرت ہوگئی ہے۔ ابھی زندہ تھے مرے نہیں تھے کہ آیات نازل ہوئیں کہ بخشے گئے۔

''وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ'' (سورہ انفال آیت ۷۴)

اور ان کے لئے بہت عزت کا ساز و سامان ہوگا۔

تین مقامات صحابہ کرام کے معلوم ہوگئے۔ ایک ایمان کا دوسرا عمل کا اور تیسرا

انجام کا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں امت کو ہدایات دیں کہ۔

''اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' (سورہ بقرہ آیت ۱۳)

ایمان ایسا ہونا چاہئے جیسے یہ صحابہ لائے ہیں۔

صحابہ کرام کا ایمان عند اللہ، عند الرسول، عند القرآن، عند الوحی اور عند السماوات مسلمہ ہے، معیاری ایمان ہے۔ ایک نادان اور غافل نے اپنی جماعت کے منشور میں لکھا تھا کہ صحابہ معیار حق نہیں ہیں، یہ روافض کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا کہ وہ ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ''خلافت و ملوکیت'' اور ''احیائے تجدید دین'' جیسی بدنام زمانہ کتابیں بھی لکھیں اور تمام کتابوں میں ان کا پورا پورا لحاظ کیا گیا اور ناحق قرآن کریم کو ایک طرف کر کے جھوٹی اور غلط تاریخ کا سہارا لے کر پیغمبر کی مقدس جماعت صحابہ کرام کو داغدار کیا گیا ہے۔ جیسا اس نے کیا تھا ایسا ہی اس کا انجام ہوا۔ جس ایجنسی کو خوش کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا تھا اسی ایجنسی کے وہاں مرا اور پانچ دن بعد جنازہ ہوا ہے اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ جنازہ تین دن کے بعد ہوتا ہی نہیں ہے۔ چونکہ ساری زندگی صحابہ کرام کی مخالفت کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنازہ بھی نصیب نہیں ہونے دیا۔

فضائل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک شخص مرگیا اور اس کے جنازے کے لئے جناب نبی کریم ﷺ تیاری کر رہے تھے کہ اس دوران آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ''کان یبغض عثمان'' ''یہ عثمان کو پسند نہیں کرتا تھا'' فلم یصل

علیہ ''(ترمذی ج ۲ ص ۲۱۲) حضرت ﷺ پیچھے ہٹے اور فرمایا جو عثمان سے بغض رکھتا ہو اس کا جنازہ میں نہیں پڑھاؤں گا اور اس کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ تو جن لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقربا کو مناصب تقسیم کئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم اور کمزور پالیسیوں کی وجہ سے اسلامی حکومت کو نقصان پہنچا اور یہاں تک کہ ان کی وجہ سے آج تک مسلمانوں کو دینی حکومت نصیب نہیں ہوئی وہ بھی اپنے انجام سے باخبر رہیں، اس سے بڑھ کر طعن اور بغض ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ اور کیا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں تو آنحضرت ﷺ کی ایک بیٹی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں دو بیٹیاں تھیں ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور جب ایک کے بعد دوسری فوت ہوگئی تو لوگوں نے کہا کہ شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحیح نہیں ہیں یا اور کوئی بات ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری اور بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے (عثمان رضی اللہ عنہ) ہی کے نکاح میں دیتا رہتا۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت حضرت عثمان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ کی دو بیٹیاں ایک مقدس ہستی کے عقد میں جمع ہوئی ہیں اور وہ حضرت عثمان ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صحابہ کرام کا انتخاب جنابِ نبی کریم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جناب نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ جماعت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں مجھے چنا ہے اسی طرح تمام دنیا میں

میرے صحابہ کو میرے لئے چنا ہے۔ جیسے نبی مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہیں اسی طرح حضرات صحابہ بھی چنے ہوئے ہیں، مصطفین الاخیار، عباد مصطفین الاخیار، چنے ہوئے برگزیدہ بندے ہیں اور ہر ہر صحابی کے منازل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ محدثین نے ان پر دواوین اور مصانیف مرتب فرمائی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما وہ بھی کریمین ہیں اور امامین ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے فضائل اور مناقب مسلمہ ہیں وہ حضرات جماعت صحابہ کے جگمگاتے ہوئے ستارے ہیں۔ لیکن بزرگوں کو بزرگوں کی طرز پر ماننا ایمان کا تقاضا ہے، بزرگوں کو بزرگی سے نکالنا یا ان کو الٰہ اور مشکل کشا اور حاجت روا ماننا یہ ایمان سے محرومی کا باعث ہے۔

صحابہ کرام کی خلافتیں بڑی مضبوط تھیں اور ان خلافتوں میں اسلام بہت ہی قلیل عرصے میں چار دانگ عالم میں پہنچ گیا۔ جب سے یہ دنیا بنی ہے اور جب تک رہے گی پوری دنیا کا سروے کیا گیا ہے اتنی تیز تحریک کوئی نہیں ہوئی جتنی جناب نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ کے دس سال میں دین کو فائدہ پہنچا ہے اور کسی جماعت نے تئیس ۲۳ سال کے عرصے میں سوا لاکھ کے ایسے باصفا افراد جو ایمان عمل اور بہترین انجام سے لیس تھے انہیں تیار کیا، کہیں اس کا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ جو کہ کونین کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن آپ بلدین یعنی مکہ اور مدینہ سے باہر نہیں گئے۔ حکم یہ تھا کہ جماعت پر محنت کریں اور انہی کو تیار کریں یہی آپ کے دین کو آگے بڑھائیں گے۔ کیسی زبردست جماعت تیار ہوئی ہے

كان ربک لم یخلق لخشیته　　سواهم من الخلق انسانا

جنابِ نبی کریم ﷺ کے معجزات کی جھلک تمام صحابہ میں تھی

جیسے اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کیلئے ان کے علاوہ کوئی اور مخلوق پیدا ہی نہیں ہوئی۔ ہر فرد جو جماعت اصحاب کا ہے وہ نبی کے ایک معجزے کا عکس ہے۔ ہمارے نبی، جناب نبی کریم ﷺ کے معجزے سوالاکھ۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے زیادہ ہیں۔ شاعر نے کہا ہے۔

لکل نبی فی الانام فضیلة　　وجملتها مجموعة لمحمد

تکوینی اور تشریعی یعنی بالقوۃ اور بالفعل حضرت ﷺ کے عجائب معجزات ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ معجزات میں سے بہت تھوڑا سا استعمال کرتے تھے۔ دیگر پیغمبروں کے جو معجزات عطا ہوئے ہیں وہ سب کے سب جمع کر کے آپ کو دیئے گئے

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں رات کو نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شرپسند جن آیا اور آگ کا شعلہ لے کر میری طرف پھینکنے لگا تاکہ میری نماز خراب کرے

"ان عفریتا من الجن تفلت علی البارحة او کلمة نحوها
لیقطع علی الصلوۃ"

اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت دی اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ یہ شان دیکھیں نبی کی انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اسے پکڑ لیا بلکہ ادب والا جملہ ارشاد فرمایا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت دی اور میں نے اسے پکڑ لیا۔

"فامکننی اللہ منه واردت ان اربطه الی ساریة من سواری المسجد حتی تصبحوا"

تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس جن کو گرفتار کرلیا اور گرفتار کرنے کے بعد میرا پختہ ارادہ تھا کہ اس کو مسجد نبوی ﷺ کے ستون سے باندھوں اور صبح مدینہ کے بچے اسکے کان اور ناک کھینچ کے اس سے کھیلتے رہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی کہ جب اللہ تعالیٰ سے حکومت مانگی تو ساتھ یہ بھی کہا کہ "قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ م بَعْدِیْ" (سورۃ ص آیت ۳۵)

اختیارات اگر دیئے ہیں تو پھر ایسے دیں کہ اور کسی کی شان کے لائق نہ ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو میرے بھائی سلیمان کی شان کے لائق ہے۔ پکڑ کر دھکا دے کر اسے باہر نکالا۔ (بخاری شریف ج۲ص۱۰۷)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ہمارے نبی جناب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات بھی عطا فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تو تخت پر بیٹھتے تھے، کرسیاں بچھتی تھیں اور پھر انسان اس کو کندھا دیتے تھے جب وہ تھک جاتے تھے پھر جنات آتے تھے، انسان اوپر چڑھ جاتے تھے۔ جب جنات تھکتے تو پھر تخت ہوا میں اڑنا شروع ہو جاتا اور پرندوں کو حکم تھا کہ اپنے پر کھول کر اوپر سایہ کریں، دھوپ سے بچائیں۔ قسم قسم کے پرندے، رنگ برنگ کے پرندے حضرت کے تخت پر اڑتے تھے، مظاہرہ کرتے تھے اپنے فعل کا۔ لیکن ہمارے رسول جناب نبی کریم ﷺ اسی مسجد میں جسے سلیمان علیہ السلام نے مکمل کیا بیت المقدس، جب جانے لگے لیلۃ الاسرا میں اور وہاں سے سبع سماوات

جانے لگے تو آپ ﷺ کی خدمت میں تخت نہیں تھا بلکہ براق تھا، آپ ﷺ کے ساتھ انسان اور جنات اور پرندے نہیں تھے، ملائک تھے۔ حدیث میں ہے کہ ستر ۷۰ ہزار ملائک جو اس سے پہلے زمین پر نہیں آئے اور قیامت تک نہیں آئیں گے وہ مجھے بیت المقدس اور وہاں سے سبع سماوات تک کی سیر کرانے آئے۔

فرش والے تیری عظمت کو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

جناب نبی کریم ﷺ کی جھلک!

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اب یہی جو انداز نبی ﷺ کا ہے وہی انداز صحابہ کا ہے۔ ایک جلیل القدر صحابی ہیں حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ انہوں نے ایک یہودی بدچلن دشمنگرد جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے رکاوٹ تھا، ابو رافع تاجر اہل شام، اس کو بہت طریقے سے چڑھ کر، چھپ کر، حیلے بنا کر جہنم رسید کردیا اور اس سارے کام میں ان کی ٹانگ تک ٹوٹ گئی بہت اونچائی سے نیچے گر کر۔ جب حضرت ﷺ کو اس بات کی اطلاع پہنچائی تو بخاری شریف میں ہے کہ اس طرح پیغام پہنچوایا کہ

''فقد قتل اللہ ابا رافع'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۷۷)

اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ختم کردیا، یہ نہیں فرمایا کہ میں نے قتل کردیا جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جن کو پکڑنے میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی۔ آداب دیکھو جو نبی ﷺ کے

آداب ہیں وہی صحابہؓ کے آداب ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ کی جھلک!

صحابی رسول حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجا تھا وہاں ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا، ان کے ہمراہ چار ہزار صحابہ تھے۔ ایسا موقع آیا کہ پانی کا نام ونشان کہیں نہ تھا قریب تھا کہ پوری جماعت پیاس سے مر جاتی تو حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے اترے اور دو رکعات نماز کے بعد یہ کلمات پڑھے'' یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم اسقینا'' ایسی بارش شروع ہوئی کہ سب سیر ہوگئے برتن بھی بھر لئے اور اپنے جانوروں کو بھی خوب پانی پلایا۔ پھر جب سمندر کے قریب پہنچے تو کفار نے سمندر عبور کرنے والی تمام کشتیاں جلا دی تھیں اور بظاہر سمندر کو پار کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ نے پھر وہی عمل دہرایا اور وہی کلمات دوبارہ ادا کئے کہ'' یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم اجزنا'' اور اپنے گھوڑے سمندر میں اتارے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سمندر پر چل رہے تھے لیکن میرے موزے بھی تر نہیں ہوئے تھے (اسلامی سیاست ص ۱۱۳،۱۱۴ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ)۔ اب دیکھیں جب بدر کے موقع پر حالات بہت خراب ہوئے تو بھی جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی تدبیر نہیں فرمائی آپ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ'' اللھم انشدک عھدک و وعدک اللھم ان شئت لم

تعبد ''(بخاری شریف ج۲ص۵۶۴) کہ اے اللہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب اگر آپ نہ چاہیں تو کچھ بھی نہ ہوگا ۔

اب بھی وہی کلمات ہیں اور ان کلمات میں اثر بھی وہی ہے لیکن لوگوں میں وہ ایمان اور وہ جوش اور ولولہ نہیں ہے۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ ہم ابھی پڑھیں اور گھر جا کے دیکھیں تو بستر پر سونا یا چاندی کا ڈھیر لگا ہوا ہو۔ ایسی لالچی اور خود غرض قوم کو کلمات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، کلمات کے لئے تو سب سے زیادہ اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمام صحابہ ایک جگہ ہیں اور ایک جیسا یقین اور ایمان ہے، یہ آنحضرت ﷺ کی کامیاب تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے۔

یہ پیغمبر کے صحابہ ہیں، ان کی جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے چنا تھا اور اپنے دین اور توحید کے کلمے کو سربلند کرنے کیلئے ان کو منتخب فرمایا تھا۔ اتنے بڑے لوگ اور اتنی مضبوط جماعت دین میں کس قدر محتاط تھے، صرف تین مثالیں دیتا ہوں تاکہ آپ کا دل اور آنکھیں روشن ہوجائیں۔

صحابہ کرام کا عادلانہ طرز عمل! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دفعہ یہ درخواست کی گئی کہ مسلمان بہت پھیل گئے ہیں اور بہت دور دور تک رہ رہے ہیں، سب حضرت والا کی اقتداء میں مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ آتے آتے جماعت ہوجاتی ہے، کوئی ایسا طریقہ ہو کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ جماعت کھڑی ہونے میں کچھ وقت ہے۔ صحابہ سب جمع ہوگئے اور سب کی یہ

خواہش اور مطالبہ تھا۔

مختلف تجاویز پیش کی گئیں، بعض نے کہا کہ نماز سے پہلے کوئی شخص ناقوس (باجا) بجائے، تو کہا گیا کہ یہ تو یہود کا طریقہ ہے ہم تو یہود کے طریقے نہیں اپنائیں گے۔ پھر بعض نے کہا کہ کوئی گھنٹی بجائی جائے تو کہا گیا کہ یہ تو عیسائیوں کا طریقہ ہے ان کے چرچ میں گھنٹال بجتے ہیں۔ پھر کہا گیا کہ آگ جلائی جائے اس کا دھواں اور شعلہ دیکھ کر پتہ چل جائے گا تو کہا گیا کہ یہ تو مجوس کا طریقہ ہے، آتش پرستوں فارسیوں کا، کوئی بات بنی نہیں اور مجلس برخاست ہوگئی۔ رات کو ایک بزرگ صحابی ہیں حضرت عبد اللہ ابن زید ابن عبد ربہ رضی اللہ عنہ یہ صاحب الاذان کہلاتے ہیں۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص بہت پرنور اور پرقدس ہے اور اس کے پاس ایک ناقوس ہے۔ عبد اللہ ابن زید ابن عبد ربہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا ''اتبیع الناقوس'' اسکو بیچتا ہے؟ اس نے کہا ''وما تصنع به'' آپ اس کو کیوں خرید رہے ہیں انہوں نے کہا ''ندعوا به الی الصلوٰة'' لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤں گا اس کو بجا کر، اس نے کہا ''افلا ادلک علی ماھو خیر من ذلک'' میں آپ کو اس سے بہتر بتاتا ہوں، جب نماز کا وقت ہو تو اس طرح سے ''اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشهدان لا اله الا الله.....'' پوری اذان تلقین کی اور اس طرح خواب ختم ہوگیا (ابوداؤد ج۱ص۷۰، ۷۱)۔ وہ خواب دیکھ کر پیغمبر ﷺ کی صحبت میں صبح صبح حاضر ہوئے کہ حضرت میں نے خواب دیکھا ہے۔ جس وقت حضرت عبد اللہ ابن زید ابن عبد ربہ رضی اللہ عنہ نے خواب بیان کرنا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے لباس میں جس میں وہ سوئے تھے، ایک صاف چادر لپیٹ کر آ کر پیچھے بیٹھ گئے اور سارا خواب سنا۔

جب حضرت ﷺ نے خواب سنا تو ارشاد فرمایا کہ یہ تو فرشتہ تھا جو آپ کو اذان سکھانے کے لئے نازل ہوا تھا اور فرمایا کہ بلال کی آواز بہت اچھی ہے یہی کلمات ان کو سمجھاؤ تا کہ وہ خوب اونچی آواز میں پڑھے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کیسے آکے بیٹھ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہی خواب بعینہ اسی طرز کا میں نے بیس دن پہلے دیکھا ہے اور وہی بیان کرنے کے لئے آیا تھا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بیان کر دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ بیان کرنے لگا تھا تو میں اس کی فضیلت میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا، میں یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اور فضل اسی کو ملے جو آپ کی خدمت میں پہلے بیان کر رہا تھا۔ (حوالہ بالا) آپ ذرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انصاف اور عدل دیکھیں، آج لوگ ان کے بارے میں بھی ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ خلافت میں ظلم کیا، فلاں کو مارا، فلاں کا گھر گرایا، یہ سب مجنون اور پاگل ہیں صحابہ کی مخالفت کی وجہ سے ان کی عقلیں سلب ہو گئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو کسی کی اذان کی فضیلت میں دخل نہیں دے رہے، دنیا کے اندر وہ صحابی صرف ایک حدیث کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ محدثین ان کو صاحب الاذان کہتے ہیں، اذان والے صحابی جنہوں نے اذان خواب میں دیکھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں عدل انصاف، ایک دوسرے کا لحاظ، مراتب کی قدر کتنی زیادہ تھی جس کی مثال دنیا میں نہیں ہے۔

جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دین کے سلسلے میں محتاط تھے اسی طرح دنیا کے امور میں بھی اسی قدر پابند تھے کہ قدم نہیں رکھتے تھے جب تک وحی کی راہنمائی نہ ہو۔

صحابہ کرام کا عادلانہ طرز عمل! حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بمع جماعت کے ایک جگہ جا کے ٹھہرے ہوئے تھے۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ ۱۴ جگہ تو مجھے یاد ہے، فضائل میں ہے، بیوع میں ہے، اجارہ میں ہے، مساقات میں ہے اور فضائل قرآن میں اور بھی مختلف مقامات پر وارد ہوئی ہے۔ وہاں اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جہاں انسانوں کی کوئی جماعت کہیں آبادی کے قریب آجاتی تھی تو آبادی والے پوچھ لیتے تھے کہ آپ کس کام کیلئے یہاں آئے اور کتنے دن یہاں ٹھہریں گے اور آپ کے پاس کتنے دن کا راشن موجود ہے۔ صحابہ کے پاس جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا اور جب انہوں نے آبادی والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کسی کی مہمانی نہیں کرتے۔ ہوا ایسا کہ اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈسا اور ہر قسم کا علاج و معالجہ کیا گیا لیکن وہ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا اور اس کی حالت اور خراب ہو رہی تھی۔ کسی نے ان کو کہا کہ قریب میں سفید پوشوں کی جماعت آئی ہے اور یہ جو نبی آخر الزمان آئے ہیں ان پر ایمان لانے والے ہیں ان سے پتہ کرو شاید ان کے پاس کوئی طریقہ ہو۔ ان کا ذمہ دار آیا اور مسلمانوں سے کہا کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈسا ہے اور ہم نے ہر طرح دوا کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا "ھل منکم راق" "تم میں کوئی جھاڑ پھونک والا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں مجھے دم آتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اتنے دنوں سے یہاں ٹھہرے ہیں تم نے انسانیت کا احترام کر کے ہمیں جائز مہمانی سے بھی انکار کر دیا۔ اب میں بھی دم نہیں کروں گا جب تک تم کچھ مقرر نہیں کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم

آپ کو ایک بھرپور ریوڑ بھیڑ بکریوں کا دیں گے۔ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے، تین دن تک صبح شام دم کرنے گئے۔ تو حضرت ابو سعیدؓ تین دن تک صبح وشام انہیں دم کرتے رہے اور وہ سردار ٹھیک ہو گیا۔ ٹھیک ہونے کے بعد ۳۰ بڑی بکریاں اور بھیڑیں اور ۸۰ متوسط اور ۱۲۰ بچوں سمیت ایک ٹھیک ٹھاک بڑا عظیم الشان ریوڑ لے کر آئے۔ دم ہو تو ایسا ہو، شکرانہ آدمی مانگے تو عزت سے مانگے۔ یہ نہیں کہ پانچ پاؤ اور پانچ روپے جسکا کچھ بھی نہ ہو آپ خود اپنے دم کو ہلکا کرتے ہیں تو لوگوں میں اس کی قدر کہاں سے آئے گی۔ اس زمانے میں تو کامیاب دم کی فیس یہ ہونا چاہئے کہ اپنے قریب یا اپنے علاقہ میں اہل حق کی مسجد تعمیر کرو، قرب جوار میں جو دینی مدرسہ ہے وہاں کوئی تعمیر کرو۔ دم ایسا کرو کہ اس بیماری میں تمہاری نسل ونسب میں سے کوئی مبتلا نہ ہو۔ صحابہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اور باتیں تو صحیح ہیں لیکن ''اخذت اجراً بکتاب اللہ'' قرآن شریف پڑھ کر تم نے بکریاں لی ہیں۔ یہ جائز ہے؟ تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو پیغمبر ﷺ سے پوچھتے ہیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور سفر کے احوال آنحضرت ﷺ کو سنائے اور یہ واقعہ بھی سنایا اول سے آخر تک تو حضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کون سی سورت پڑھی تو انہوں نے کہا کہ سورت فاتحہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں خوب پتا چلا ہے کہ یہ ہر مرض کی شفا ہے ''ھی شافیه وھی الکافیه'' یہ صورت کافی شافی ہے تمام بیماریوں سے۔ اس لئے اسلام نے ہر نماز اور ہر رکعت میں تجویز کی ہے۔ انہوں نے جو بھیڑ بکریاں اس کے عوض میں لی تھیں ان کے بارے میں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''وضربولی بسھما'' اس میں میرا حصہ بھی مقرر کرو اور فرمایا کہ آپس میں تقسیم کرلو۔ سب کو بانٹو تو بہت سارے مسائل اس سے معلوم

ہوئے اور حضرت ﷺ کا جملہ بخاری شریف میں اس طرح ہے " احق ما اخذتم علیه اجراً کتاب اللہ" بہترین اجر واجرت وہ ہے جو کتاب اللہ کے بدلے میں تمہیں ملے۔

(بخاری شریف ج ۱ص۳۰۴، ج ۲ص۷۹۴،۸۵۴،۸۵۵)

اب سوال یہ ہے کہ فاتحہ بھی تلاوت فرمائی۔ قبیلہ کے سردار کو فائدہ بھی ہوا اور انعام بھی حاصل کرلیا لیکن صحابہ دین کے کتنے متبع اور محتاط ہیں کہ جب تک آنحضرت ﷺ سے پوچھا نہیں ہے اس کو ہاتھ نہیں لگا رہے اور بعض روایات میں ہے کہ اسوقت تک پوچھا نہیں تھا بھیڑ بکریوں سے دودھ نکال کر دریا میں پھینک دیتے تھے لیکن استعمال نہیں کرتے تھے کہ پہلے نبی سے پوچھیں گے۔

صحابہ کرام کا عادلانہ طرز عمل! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

قرآن کریم جب جمع ہو رہا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں۔ باقاعدہ عالم اسلام جو چار اطراف میں تقسیم ہو چکا تھا، سندھ کی حکومت بن چکی تھی، ہند اور سندھ اور شمالی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں، کاشغر اور غزنی بھی اس میں شامل تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبریں ۲۷۱ کے قریب کابل میں ایک جگہ ہیں اور ۲۶۰ دوسری جگہ ہیں۔ یہ جنازے دوسری جگہوں سے لے کر نہیں آئے تھے یہ جہاد میں شہید ہونے والے صحابہ کرام تھے۔ عجم کی زیادہ تر فتوحات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران فتح کر دیا تھا۔

تو ہوا یوں کہ عجمی جب تلاوت کرتے تھے تو بعض حروف فرق کے ساتھ پڑھتے

تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرأت سنائی "اِنَّ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ" (سورہ بقرہ آیت ۲۴۸) تابوت کو تابوک پڑھا "ان یاتیکم التابوک" تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور ان کو کہا کہ اسطرح نہیں ہے تو اس نے کہا کہ ہم تو اسطرح پڑھتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فوراً حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے گھر سے قرآن کریم کا وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کاتبوں سے جمع کروایا تھا اور حکم دے دیا کہ اس سے مزید نسخے تیار کیے جائیں اس وقت سات سلطنتیں عجم میں قائم ہو چکی تھیں۔ ان ساتوں کو ایک ایک نسخہ بھیجا گیا۔

جس وقت سورت توبہ لکھی جا رہی تھی جسے سورت برأت بھی کہتے ہیں تو صحابہ کرام نے قلم روک لیا کہ بسم اللہ لکھیں یا نہ لکھیں۔ دیکھا گیا تو نسخہ ابوبکر میں نہیں لکھی ہوئی تھی، نسخہ ابن مسعودؓ میں بھی نہیں تھی۔ جن افراد کے سامنے نازل ہوئی تھی انہوں نے بھی اس کا انکار کیا۔ قرآن مجید کی ۱۱۳ سورتوں میں بسم اللہ لکھی گئی فاتحہ سے لیکر سورت الناس تک بغیر شک وشبہ کے اور ایک سورت قرآن مجید کی ایسی ہے جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی شہادت نہیں ملی کہ اس میں پیغمبر نے لکھوایا ہے۔ کسی کو یاد نہیں تو فیصلہ یہ ہوا کہ ایک سورت کو بغیر بسم اللہ کے درج کیا جائے۔ ہم قرآن میں ایک بسم اللہ کا اضافہ بھی نہیں کر سکتے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

آپ لوگ خود انصاف کریں اور عقل سے سوچیں کہ ۱۱۳ سورتوں پر بسم اللہ موجود ہے اور ایک سورت پر موجود نہیں ہے۔ تو کیا ایک سورت ۱۱۳ سورتوں پر قیاس نہیں ہو سکتی

تھی؟ بہترین قیاس ہو سکتا تھا اور وہ فضل وفوائد سے خالی نہیں تھا۔ لیکن صحابہ کرام اتنے زیادہ محتاط تھے کہ انہوں نے کہا کہ جب کاتبان وحی نے نہیں لکھا، پیغمبر نے نہیں لکھوایا، جبرائیل نے آپ ﷺ کو نہیں پڑھوایا اور ہمارے پاس بھی کوئی شہادت آج تک موجود نہیں تو صحابہ کرام نے بالاتفاق قرآن کریم میں ایک سورت، سورت توبہ، بغیر بسم اللہ کے لکھ لی۔ اب اسکے آگے وجوہ حکم سینکڑوں ہیں کہ ایسا کیوں ہے لیکن بتانا اسوقت صرف یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن میں، سنت میں، نماز میں، اذان میں، چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی حد درجہ پابند اور محتاط تھے تب جا کر قرآن نے انہیں کہا "اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ" (انفال آیت ۷۴) اور آج لوگ اپنا دین اور ایمان خراب کرتے ہیں صحابہ پر اعتراض کر کے کہ وہ ایسے تھے، انہوں نے ایسا کیا، انہوں نے ظلم کیا، نا انصافی کی۔ تو یہ تو قرآن ان کی تعریف بیان کر رہا ہے، حدیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہے، لیکن جن کی آنکھیں اور دل اندھے ہو چکے ہیں ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور خاندان نبوت کا احترام

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ہر بدری صحابی کو پانچ پانچ ہزار ۵۰۰۰ درہم کا وظیفہ مقرر کیا تھا لیکن خاندان نبوت کے افراد کو پندرہ پندرہ ہزار ۱۵۰۰۰ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب کسی نے پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کیا کہ کیا آپ ان کو نہیں جانتے یہ تو پیغمبر ﷺ کی آل واولاد ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربار کے بڑے سخت اصول قائم کئے تھے کہ دربار میں مخصوص طبقہ نہ آئے وہ مجھ سے نماز کے اوقات میں بات کریں، دربار غرباء اور مساکین کے لئے ہے جن کا کوئی سننے والا نہیں ہے۔ کسی موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوئی کام پڑ گیا، خیال آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دربار میں جا کر کہوں۔ جب وہ آنے لگے تو حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راستے میں ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اندر جانے نہیں دیا کہ یہ وقت آپ کے لئے نہیں ہے یہ غرباء اور مساکین کے اوقات ہیں۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ جب امیر المؤمنین کا بیٹا اندر نہیں جا سکتا تو میں کیسے جاؤں گا وہ واپس مڑ گئے، اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر آئے دور سے دیکھا تو آواز دے دی کہ یہ کیا ظلم کرتے ہو کہ اتنا قریب آ کر بھی اندر نہیں آئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً آئے اور امیر المؤمنین کے آداب بجا لائے اور کہا کہ حضرت میں نے عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ واپس جا رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبد اللہ واپس جا سکتا ہے لیکن حسین ابن علی نہیں جا سکتا ہے کیونکہ آپ آنحضرت ﷺ کے نواسے ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ اندر لے گئے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جب بھی آپ محرم میں ان بے ایمان اور دین دشمنوں سے واقعات سنتے ہیں تو سب کو آپس میں ایسا دشمن دکھاتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ لیکن جب اسلام، قرآن، سنت، تاریخ و آثار اٹھاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آپس میں

ایسے شیر و شکر تھے اور ان میں آپس میں ایسی محبت تھی کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

صحابہ کرام کی آپس میں محبت ! ایک مثال

ایک مثال دیتا ہوں ذرا غور کر لیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان "صفین" کی لڑائی ہوئی ہے۔ یہ غم اور درد کا ایک بہت بڑا باب ہے، اس کے اوامر اور نواہی کیا تھے وہ ایک بہت بڑی تفصیل ہے یہ پھر کبھی عرض کروں گا۔

اسی دوران ایک شخص آیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کے لئے تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فجر کی نماز کہاں پڑھی تھی تو اس نے کہا کہ حضرت علی کے پیچھے پڑھی ہے۔ یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ تین سال ہو گئے ہیں کہ میں نے علیؓ کے پیچھے ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو ان کے چہرے پر آنسو جاری ہو گئے۔ لیکن یہ خبیث اور بے دین جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں تو گالیاں دیتے اور ان کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ یاد رکھنا کہ جس کسی کے دل میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط عقیدہ ہوا وہ شخص مسلمان نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان اور نبی آخر زمان کی صحبت نصیب فرمائی تھی۔ ان کے بیٹے سے جو غلطیاں ہوئیں وہ تاریخی غلطیاں ہیں لوگوں نے اس میں اضافہ کر کے اس کا کچھ سے کچھ بنا دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت اٹل ہے اور خوش انجام ہے۔

جن کے دلوں میں اسلام کی قدر اور اسلام کی معلومات ہوگی وہ کبھی بھی صحابہ کرام

کی شان میں بے ادبی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ دین پورا کا پورا ہم تک صحابہ کرام کے ذریعہ سے پہنچا ہے جب صحابہ کو بیچ میں سے ہٹا دیں گے تو دین اپنے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔ دین کی حفاظت کا جذبہ اور احساس جو صحابہ کو تھا وہ کائنات میں آسمان کے نیچے جب سے حضرت آدم علیہ السلام آئے ہیں اور جب تک انسانیت قائم رہے گی اور کوئی اس طرح نہیں ہو سکتا۔ اب قیامت تک ایسی جماعت نہیں آئے گی۔

اُن بزرگوں کا اور ان محترم لوگوں کا نام جنہوں نے دین کو زندہ رکھا ہے یہ بے ایمان اور بے دین بے ادبی سے لیتے ہیں اور پھر بھی حضرت علی ،حضرت حسن ،حضرت حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ اصل میں صحابہ کی مکمل جماعت کے دشمن ہیں لیکن اگر سب کی مخالفت کریں گے تو پھر جائیں گے کہاں اس لئے چند صحابہ کو اپنے لئے ڈھال بناتے ہیں، درحقیقت مانتے ان کو بھی نہیں ہیں۔ اگر مانتے تو ان کے کہے پر بھی عمل کرتے، حدیث کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسے بہترین الفاظ سے خراج تحسین پیش کیا ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ (دیکھیں بخاری ج ۱ ص ۵۱۹، ۵۲۰) اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے آدمی جب کسی پرندے کو شکار کرتا ہے تو شکاری اسوقت منہ ٹیڑھا کرتا ہے، عجیب سی آواز نکالتا ہے، پتوں میں چھپ جاتا ہے، مقصد اس کا شکار ہوتا ہے حقیقت نہیں ہوتی۔ تو یہ مرثیہ پڑھنے والے، یہ ماتم اور یہ واویلائیں اور یہ شور شرابا نہ اس کا سر ہے نہ اس کے پیر ہیں، نہ اس کے اصول ہیں نہ فروع ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا واقعہ ہے جیسا کہ یہ لوگوں کے سامنے مگر مچھ کے آنسو بہا کر بیان کرتے ہیں، یہ نہ ہی اُن کے ماننے والے ہیں اور نہ

ہی ان کو جانتے ہیں۔

اللہ رب العالمین ہدایت عامہ کے فیصلے صادر فرمائیں اور مسلمانوں کو اپنے مذہب اور اس کی بنیادیں محفوظ رکھنے کی توفیق اور غیرت نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اڑتیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا محمد عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیاالی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (سورۂ قصص آیت ۷۷)

وقال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (سورۂ حم سجدہ آیت ۳۳)

وقال اللہ تعالیٰ ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (سورۂ رحمٰن آیت ۶۰)

وقال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵)

دین اسلام ہدایت کا گنجینہ ہے

اللہ تعالیٰ کا دین کل کائنات کی ہدایت اور ارشاد کا پختہ، جامع، تفصیلی اور تمام ضروریات پر مشتمل سامان ہے۔ یہ وہ ساز و سامان ہے کہ جس کی ضرورت وقت کے گزرنے کے ساتھ بڑھتی ہے، یہ ہدایت کا وہ گنجینہ ہے کہ جس کے چھوٹے اور بڑے سب محتاج ہیں، دین وہ برکت ہے اور خدا کی رحمتوں کا وہ مجموعہ ہے جس سے جو حصہ حیات خالی ہوا، وہ میت اور بے جان ہو گیا کیونکہ دین کو چھوڑنے کے بعد اس کی ضرورتِ زندگی اور حیات ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے اور سب کے اختتام میں ہمارے رسول جناب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ہمارے رسول ﷺ کا خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب دین مکمل ہو چکا ہے۔ کام ختم دو وجہ سے ہوتا ہے، یا تو وہ کام مکمل ہو چکا ہوتا ہے اور اس میں مزید کسی بات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تو اس پر اختتام کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ جنابِ نبی کریم ﷺ کی خاتمیت اسی معنی میں ہے۔ دوسری وجہ کام کے ختم ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ کوئی ناراضگی واقع ہو جائے تو کہتے ہیں کہ بس اب اور کام کرنے کی ضرورت نہیں جیسے پاکستان کی حکومت ہے۔ ہر نئی آنے والی حکومت، سابقہ حکومت کے کام کو بند کر دیتی ہے اور وہ تمام برج کھڑے رہتے ہیں، منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ اب ہماری حکومت ہے، ہم نہیں چاہتے۔ ملک کا کتنا سرمایہ لگا، کتنے منصوبے ناکام ہو گئے، کتنے اخراجات ہو گئے اس کی کوئی فکر نہیں۔ اس طرح تو اللہ تعالیٰ کسی چھوٹے گھر کے افراد کو بھی نہ

بنائے جو اتنے بے خبر اور ایسے ضرر رساں ہوں۔

بیوقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے

عقل مندوں کا طریقہ یہ نہیں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور دانش دی ہے، فہم وفراست عطا کی ہے وہ دشمن کے بھی اچھے کام کو اپناتے ہیں اور اسے مکمل کرتے ہیں۔ اہل نظر و اہل عقل میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ بیوقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے۔ وہ دشمنی میں بھی آپ کو ایسے پینترے سکھا دے گا کہ آپ کو اس کا فائدہ ہوگا کیوں کہ بہت بڑا عقل مند ہے اور بہت بڑا فہم و ادراک والا ہے، اس سے لڑتے لڑتے بھی آپ کئی قسم کی چالیں سیکھ لیں گے جو اور ہزاروں لاکھوں پر فتح اور غلبہ کا سامان ہوگا۔ لیکن کم عقل اور نادان دوست یا خیر خواہ، وہ اپنے حساب سے اچھا سوچے گا لیکن آپ کو نقصان پہنچائے گا اور اس کو احساس بھی نہیں ہوگا۔ ذہین، ذکی اور ذی عقل کو فوراً چوٹ لگ جاتی ہے اور وہ شرمندہ ہوتا ہے کہ یہ یقیناً میری خود کی کوتاہی تھی جس کا مجھے نقصان پہنچا ہے۔

اس میں انسان کے خود کے افعال کا بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے کیونکہ اس کے خود کے اعمال کا بھی اس پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اصل تو امور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اس کی عظیم قدرت سے چل رہے ہیں۔ کبھی وہ نادانوں کے افعال میں بھی اثرات ڈال دیتا ہے اور کبھی داناؤں کے افعال کو بھی بے اثر کر دیتا ہے۔ یہ اس کے تکوینی کرشمے ہیں اور اس کی نیرنگیاں ہیں لیکن دنیا کے میزان میں عقل اور بے عقل کا فرق ضرور ہے اور اس کو سمجھنا بھی ایک ضروری امر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام ایسا پھیلتا گیا جیسے پانی کناروں پر آ کر پھیلتا ہے، پانی اپنا راستہ خود بناتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ایسا مبارک تھا کہ ہر طرف عرب و عجم میں فتوحات ہو رہی تھیں۔ قیصر روم کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ ہم تک نہ پہنچ جائیں، اس خوف سے انہوں نے اپنا دار الخلافہ اٹلی منتقل کیا تاکہ مسلمان یہاں نہ پہنچیں۔ لیکن اس کو اس کی انٹیلی جنس نے کہا کہ یہ لوگ رکتے نہیں ہیں، جہاں کا عزم کر لیں وہاں پہنچتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پیغمبر سبع سموات تک گئے ہیں مخلوق تک پہنچنا ان کے لئے آسان ہے۔ تو اس نے اپنے ملک کے دانشوروں کو جمع کیا اور ان کو کہا کہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کی کیفیات معلوم کر کے آؤ کہ یہ کس طرح کا آدمی ہے کیونکہ کسی بھی ادارے، کسی بھی محلے، علاقے ملک کے سربراہ کی عقل و دانش پر ہی پورا ملک موقوف ہوتا ہے۔

وہ لوگ جو بادشاہِ روم کے حکم پر مدینہ منورہ آئے بھیس بدل کر چالاکی اور اطوار سے وہاں پہنچے۔ انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قریب سے دیکھا، ساتھ رہے اور پھر واپس جا کر اپنے بادشاہ کو اس طرح رپورٹ دی کہ ''لَا یَخْدَعُ وَ لَا یُخْدَعُ'' نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھاتا ہے۔ یہ سن کر قیصر روم نے سر پکڑ لیا اور شاہی تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا کہ کیا ہوگیا۔ اس نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے امیر سے جنگ مشکل ہے کیونکہ ''لایخدع'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ دھوکہ نہیں دیتا

یعنی آسمانی علم ان کا پورا ہے اور اپنے رب پر مکمل ایمان ہے۔ جو ایک اللہ وحدہ لاشریک کو صداقت کے ساتھ مان لے وہ کبھی بھی کسی کو دھوکہ نہیں دے گا، تو پہلے حصے سے پتہ چل گیا کہ ان کا دین محفوظ ہے۔ ''لا یُخدَعُ ''اس کو کوئی دھوکہ بھی نہیں دے سکتا ہے، اسکو دھوکہ دینا آسان نہیں ہے۔ تو اس نے کہا کہ معلوم ہوا کہ دین کی وجہ سے ان کی دنیا بھی محفوظ ہے۔ دین کا سب سے بڑا انعام جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ عقل کا کمال دیتا ہے۔ ایک عقل کا عام استعمال ہے اور ایک کمال عقل ہے، عقل کا عام استعمال تو ہر شخص کرتا ہے اچھا برا دیکھتا ہے، کھانا پینا دیکھتا ہے کہ یہ باسی ہے، یہ سالن ٹھیک نہیں ہے، یہ گوشت اچھا نہیں ہے، یہ روٹی جلی ہوئی ہے یہ تو سب جانتے ہیں، یہ کونسا کارنامہ ہے۔ کمال عقل جس کو حدیث میں فراستِ مومن کہا ہے۔ مومن کو اللہ ایمان کے بدلے میں ایک فراست دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دین کے امتحان اور آزمائش کے بعد اس کی دنیا بھی محفوظ کر دیتا ہے اور اس کو لوگ دھوکہ نہیں دے سکتے۔

مسلمانوں کا امیر المؤمنین لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا، امیر المؤمنین کے پاس کتنے اختیارات ہوتے ہیں۔ امیر المؤمنین تمام مسلمانوں میں زیادہ فضل اور شرف والا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پیغمبر کی وحی کا سب سے بڑا گواہ ہوتا ہے، وہ قرآن کا سب سے بڑا عالم اور عابد ہوتا ہے، نیک صفات اور اعلیٰ خصلتیں اس میں موجود ہوتی ہیں، اس لئے امیر المؤمنین کے اندر کسی کو دھوکہ دینے کی بات نہیں ہوتی۔ دین جب محفوظ ہوتا ہے تو آدمی دوسروں کی عزت و آبرو کا محافظ بنتا ہے اور دین جب گھٹ جاتا ہے اور تبدیل ہوتا ہے تو آدمی اپنے آپ سے ہی بیزار ہو جاتا ہے اور دوسروں کا بھی دشمن بن جاتا ہے۔

''لا یخدع ''دھوکہ نہیں دیتے ! تشریح

جتنے انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں ان کی تعلیم کی پونجی یہ ہے کہ کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے، کسی کے ساتھ خیانت نہ کی جائے اور سب کے ساتھ صاف ستھرا معاملہ رکھا جائے۔ اگر کسی نے آپ سے دھوکہ کھالیا تو آپ جا کر اسے سمجھائیں کہ آپ کو مغالطہ ہو گیا ہے، حقیقتِ حال یہ ہے۔ اس کے دھوکہ کھانے سے آپ نے جو دھوکہ دے دیا ہے اس سے وہ تو وقتی خسارے میں ہوا لیکن آپ دائمی خسارے میں ہوں گے۔ اس کا دنیاوی نقصان ہوگا، لیکن آپ کی آخرت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ تو سارا جہان اور ساری دنیا آدمی قربان کرتا ہے کہ میرا دین بچ کر رہے۔ خود بھی کٹتا ہے اولاد کو بھی کٹواتا ہے، عزت و آبرو کو بھی خطرے میں ڈالتا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ میرا ایمان، میرے اعمال، میرا انجام محفوظ رہے اور میرا رب مجھ سے ناراض نہ ہو، میں اپنے دین اور اپنی شریعت کے خلاف نہ کروں۔

ایمان جب محفوظ ہو تو اس کو دوسرے کا غم اور صدمہ، اپنا غم اور صدمہ لگتا ہے۔ دنیا کے اندر ایک ملک سعودی عرب ایسا ہے کہ وہاں اگر ایک چیز کے بارے میں آپ کہیں تو وہ پہلے سے بتا دیتے ہیں کہ یہ چیز اس سے اچھی دوسری جگہ مل جائے گی وہاں سے لے لیں۔ میں ایک دوکاندار سے کتاب خرید رہا تھا، مجھے بہت بعد میں ملی تھی تو میں بہت خوش ہوا، وہ دوکاندار دو سو (۲۰۰) ریال کی دے رہا تھا ''ارشاد الساری شرح صحیح بخاری'' علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی۔ تو اس نے مجھے کہا کہ شیخ! فلاں جگہ ایک مکتبہ ہے وہاں ۱۰۰ ریال کی مل رہی ہے، ہم ریاض سے نہیں بلکہ جدہ سے خریدتے ہیں، جدہ کی مہنگائی بہت ہے اس لئے ہم مہنگا بیچتے

ہیں۔تو میں نے اس کو کہا کہ جب آپ لوگ خود لوگوں کو یہ بتاتے ہیں تو یہ بکے گی کب، آپ کا نقصان نہیں ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ بکے یا نہ بکے جھوٹ نہیں بول سکتے اور نہ ہی کسی کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ اس زمین کی برکت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے اور اس کو کل کائنات کے لئے مرکز ایمان بنایا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی اولین تعلیم دھوکہ سے پرہیز

ہر مؤمن کو یہ دیکھنا ہے کہ کہیں اس کی دنیا دین پر حکومت نہ کرے اور غالب نہ آجائے کیونکہ جہاں دین پر دنیا کی حکومت قائم ہوگی وہاں دین نہیں رہے گا وہ بے دینی میں تبدیل ہو جائے گا۔

جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک قرآن کریم کے صفحات کی طرح مقدس و منور ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ بازار گئے جگہ جگہ اناج کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔آپ ایک ڈھیر کے قریب کھڑے ہو گئے اور اس اناج والے سے پوچھا کہ اس ڈھیر میں سب ایک جیسا ہے، اس نے کہا کہ بالکل بہت اچھا اناج ہے بڑا صاف ہے اور خشک ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی آستین اوپر کی اور اس کے بعد اس اناج کے اندر ہاتھ دور تک لے گئے اور اس سے پوچھا کہ اندر تو اناج گیلا ہے۔ یہ آپ کا کیسا معاملہ ہے اور فرمایا کہ اندر جو گیلا ہے اس کو باہر نکالو تا کہ جو خریدار آئیں ان کو پتہ چلے کہ یہ گیلا اناج ہے یا یہاں کھڑے رہو اور لینے والوں کو بتاتے رہو۔ آپ خشک اناج کے بہانے گیلا بیچتے ہیں، آپ ﷺ نے اس پر بہت زیادہ ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا کہ اس طرح اگر

آپ نے خشک کے بہانے گیلا بیچا تو آپ کے لئے تمام تجارت حرام ہوگی اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ (ترمذی ج ا ص ۲۴۵)

صاحب ہدایہ وغیرہ اور دیگر فقہاء کرام نے اس واقعہ سے بڑے مسائل نکالے ہیں کہ اگر ایک چیز ایک قول کر کے دے دی گئی اور خلاف قول نکلی وہ رد ہو جائے گی، دوکاندار کو واپس لینی ہوگی کیونکہ اس نے جھوٹ بول کر اور دھوکہ سے کام لیکر معاملہ کیا ہے، اسلام اس کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ عیوب نہیں بکتے ہیں کمالات بکتے ہیں۔

حرام مال اور غلاظت میں کوئی فرق نہیں

کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ زیادہ پیسے کمانے کے چکر میں کہیں اپنا دین وایمان تو نہیں کھو رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ پیسہ جو آپ کما رہے ہیں یہ کہیں پیشاب اور پاخانہ کی طرح تو نہیں ہے، کیونکہ حلال مال اور مردار، نجاست اور گند کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے "قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ" (سورۃ مائدہ آیت ۱۰۰) آپ فرمائیں کہ پاک اور ناپاک ایک جیسے نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے مسلمانوں میں آج اس بات کا احساس ختم ہو گیا ہے وہ پاک اور ناپاک کو ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ آج یہاں تک پہنچ گئے ہیں کل یہ بھی کہہ دیں گے کہ دودھ اور موت ایک جیسا ہے، پانی اور خون میں کوئی فرق نہیں۔ کون عقل اور فہم رکھنے والا شخص اس بات کو برداشت کرے گا، کونسی تہذیب اس ناکارہ عمل کو گوارا کرے گی۔ یہ بالکل غلط بات ہے "قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ" اگر چہ آپ حیران ہو رہے ہیں آج کل تو

یہی ہو رہا ہے۔ آج کل اگر آپ کسی کو یہ کہیں کہ یہ سودا غلط ہے تو وہ آپ کو جواب دے گا کہ سب جگہ یہی ہو رہا ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر سب لوگ گندگی کھانے لگیں تو آپ بھی کھانا شروع کر دیں گے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اس وقت تک انسان ہیں جب تک لوگ انسان ہیں اور دنیا میں انسانیت ہے، جب سب حیوان بن جائیں گے تو آپ بھی حیوان ہو جائیں گے،　　ببیں عقل و دانش بباید گریست

عقل مندوں نے کہا ہے کہ اس عقل و دانش پر تو ماتم کرنا چاہئے۔ وقت صلاح تو وہ ہے کہ جب لوگ بگڑیں تو آپ سدھر کے رہیں، جم کے رہیں، ساری منڈی میں لوگ حرام کھائیں سب بازاروں میں حرام کاروبار ہو اور آپ اس وقت بھی حلال خور رہیں۔ اسی کو تو کامل ایمان کہتے ہیں، ظاہراً آپ کو تکلیف ہوگی، امتحان ہوگا لیکن نتائج دیکھیں گے کہ آپ کی زندگی اور زندگی کے تمام اطراف محفوظ ہوں گے۔ آپ کا قلب اور دماغ، آپ کا خاندان و اولاد، آپ کے مال و دولت سب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظ فرشتے مقرر ہوں گے۔ آپ حلال مال تھوڑا رکھیں گے لیکن پورے بازار پر آپ کی سلطنت ہوگی۔

وقت پر عقل کا استعمال عقلمندی کی علامت ہے ! امام غزالی رحمہ اللہ

حلال رزق کے استعمال سے اور حرام سے بچنے کی وجہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کئی انعامات سے نوازتے ہیں ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور اس کے لئے عقل کا اس کا استعمال کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کریم میں ہے کہ وضو کے دوران

چار اعضاء دھولو" فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ" (سورۂ مائدہ آیت ۶) لیکن تم مسلمان شروع ہوتے ہی پہلے ہاتھ دھوتے ہو، پھر منہ میں پانی ڈالتے ہو، پھر ناک میں پانی ڈالتے ہو اپنی من مانی کرنے کے بعد پھر خدا کا حکم مانتے ہو۔ تم لوگ اپنے رب کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہو؟ امام غزالی رحمہ اللہ نے اسکو جواب میں کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ جس پانی کا خدا نے کہا ہے کہ اس سے منہ دھولو وہ چہرہ دھونے کے قابل ہونا چاہئے یا جیسا بھی پانی ہو آدمی منہ پر ڈال لے؟ اس نے کہا کہ نہیں جو وضو کے قابل ہو وہی استعمال کرنا چاہئے۔ تو امام غزالی نے کہا کہ پہلے ہاتھ میں ڈالا جاتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ کہیں اتنا گرم یا ٹھنڈا نہ ہو کہ چہرے کو پگھلا کر یا جھلسا کر رکھ دے۔ پھر ہم منہ میں ڈالتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کہیں پانی بدذائقہ نہ ہو، ایسا کڑوا اور ناکارہ نہ ہو کہ چہرہ پر ڈالیں اور چہرہ پر مرض حملہ کردے مسخ ہو جائے، پھر ہم اس کو ناک میں ڈالتے ہیں دیکھتے ہیں کہ اس میں بدبُو نہ ہو، گندگی نہ ملی ہوئی ہو۔ جب ہر طرح سے اطمینان ہوگیا تو پھر حکم ہے کہ" فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ "قرآن کریم کی تعلیمات جامع ہیں اور انسانوں کی سہولیات پر مبنی ہیں۔

قرآن کریم میں سب کچھ ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکالمہ

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار ایک یہودی آیا اور کہنے لگا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ تمہارے قرآن میں سب کچھ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں سب کچھ ہے۔ اس نے کہا کہ میں جو چیز پوچھوں گا آپ اپنے قرآن سے بتادیں گے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں بتا دوں گا۔ اس نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ کا چہرہ داڑھی سے بھرا ہوا ہے اور بہت بھرپور داڑھی ہے اور میرے چہرے پر کچھ بال ہیں اور کچھ نہیں ہیں، اس بات کا ذکر قرآن شریف میں کس جگہ ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بالکل ہے اور آیت پڑھی ''وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ'' اللہ فرماتے ہیں کہ پاک زمین، زرخیز جگہ بہترین فصل اگاتی ہے، اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ پاک زمین ہے زرخیز فصل ہے۔ ''وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا'' (سورہ اعراف آیت ۵۸) اور جو زمین پلید ہو وہ نہیں نکالتی ہے مگر کانٹے اور جھاڑیاں۔ یہودی یہ سن کر گھبرا گیا کہ یہ بالکل میرا نقشہ ہے۔

اللہ تعالیٰ دین کی وجہ سے عقل نصیب کر دیتا ہے۔ عقل جب دین کے تابع ہو تو اس کی مثال خزانہ کی طرح ہے جو وقت پر خرچ کیا گیا ہو، اگر خزانہ بے وقت خرچ ہو تو فضول خرچی، اسراف، دنیا کی عیاشی اور بدمزگی پیدا ہو جائے گی اور خزانہ جب قوم ملک اور رعایا پر خرچ ہو تو ملک عروج و ترقی اختیار کر لے گا۔

وقت پر مسائل کا بیان، کامل عقل کا تقاضہ ہے

عقل جب کامل ہو تو دین کی پابندی بھی آسان ہو جاتی ہے، ایمان پر قائم رہنے میں بھی آسانی ہوتی ہے اور اسلام کے احکامات پر عمل کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو جو ایمان بالآخرت کا عقیدہ نصیب ہوا ہے وہ بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے، اس پر قائم رہنا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس لئے علماء کہتے ہیں کہ تین مسئلے خطباء اور مقررین کو سب سے زیادہ بیان کرنے چاہئے کیونکہ وہ دین اسلام کی اساس ہیں،

ایک اللہ تعالیٰ کی وحدت وفردت کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کی شان توحید کی ہے، تفرید کی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ کوئی ولی یا نبی اس کی خدائی میں حصہ دار یا شریک نہیں، اس پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا ہے، سب اس کے حکم کے پابند ہیں، یہ منوانا ضروری ہے۔ بدعتیوں نے جتنی کارستانیاں شروع کی ہیں وہ توحید کے خلاف ہیں۔

دوسرا مسئلہ ہے رسالت کا کہ جناب نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری، اس کی ضرورت، اس کی برکت، اس کے فوائد اور اس کی جامعیت کہ اتنے بڑے اور جامع پیغمبر آئے ہیں کہ ان کے آنے کے بعد کسی کو جعل سازی کی ضرورت نہیں ہے، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کر لیں۔ جعل سازی کو علماء بدعت کہتے ہیں، جب یہ مسئلہ آپ اچھی طرح سمجھ لیں گے اور دنیا کو سمجھائیں گے تو آپ کو بدعت سے بچنا اور دوسرے مسلمانوں کو بچانے میں سہولت ہو جائے گی۔ یہ مسئلہ تو بہت آسان ہے کہ ہمارا دین کامل آیا ہے، ہمارے پیغمبر دنیا سے اس وقت گئے جب اللہ نے دین کامل کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ دین جب مکمل ہوا تو خوشیاں پوری ہو گئیں۔ ''وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ'' اور میں نے اپنے احسانات اور نعمتیں تمام کر دیں۔ وہ دین کونسا ہے جس کے دامن کے نیچے تمام خوشیاں ہیں دونوں جہانوں کی؟ ''وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' (سورہ مائدہ آیت ۳) وہ اسلام ہے جس کو میں نے تمہارے پسند کر کے بطور دین دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ جس کا بیان ضروری ہے وہ عقیدۂ آخرت کا مسئلہ ہے، تاکہ لوگوں کو اس بات کا خوف رہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں تمام اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ تاکہ لوگوں کے دل میں خوف خدا رہے اور وہ اس دن کی تیاری کر کے رکھیں۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ......"! آیت کی تشریح

کتنی اچھی بات ہے اور کتنے بڑے انعام واحسان کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین حقائق منوائے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دین اللہ نے مکمل کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تمام نعمتیں اور تمام خوشیاں اور دینی ادائیں تب معتبر ہوں گی جب وہ دین کے دامن کے نیچے ہوں اور اس میں دینی احکامات کا خیال کیا گیا ہو اور آخری بات یہ ہے کہ وہ دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ اسی دین اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث فرمائے۔ یہ وہ دین ہے جس کے بیان میں اللہ رب العزت نے ۱۰۴ صحائف و کتب نازل فرمائے، ۴ بڑی کتب ہیں تورات، زبور، انجیل اور آخر میں قرآن کریم اس کے علاوہ ۱۰۰ صحیفے بھی مختلف اوقات میں نازل فرمائے ہیں۔ جس کی مہر اور اختتام محمد رسول اللہ ﷺ بن کے آئے۔ اب آپ لوگ ذرا تین باتوں پر غور فرمالیں

پہلی بات یہ کہ ہمارا دین محفوظ ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون"

دوسری بات یہ کہ ہمارا دین مکمل ہے "وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ"

اور تیسری یہ کہ ہمارا دین کل کائنات کے لئے ہے "قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَاﹰ الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (اعراف آیت ۱۵۸)

اس کے تین فوری فائدے ہیں جو دین اسلام کی پیروی سے حاصل ہوتے ہیں،

پہلا فائدہ یہ کہ مسلمانوں کو کسی اور دین یا مذہب سے متاثر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ یہ دین کامل واکمل ہے اس لئے اس میں نظریات اور بدعات کی ضرورت نہیں۔

اور تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جب ہر چیز مکمل ہے اور شریعت کامل ہے تو اب کسی نئے نبی کی آمد کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش۔

ان سب باتوں کے مسلمانوں پر تین اثرات ہوتے ہیں :

ایک تو یہ کہ مسلمان انتہا پسند نہیں ہیں، دوسرا یہ کہ مسلمان تشدد پسند بھی نہیں ہیں اور تیسرا یہ کہ مسلمان دہشت گرد بھی نہیں ہوسکتے ہیں۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ...." کا آئینہ اور دیگر فرقے

بدعتی فرقہ

ربیع الاول کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ اس میں بدعتی فرقہ میلاد کی محافل مناتے ہیں۔ اس کو جب آپ آیت کے آئینہ میں دیکھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ تو صحابہ، محدثین، مجتہدین، فقہاء اور اولیاء کرام میں سے کسی نے بھی نہیں منایا، منانا تو دور کی بات ہے کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ چونکہ بدعتی کے نزدیک دین مکمل نہیں ہے اس لئے انہوں نے اپنے لئے ایک خودساختہ طریقہ گھڑ لیا ہے۔

پہلی مثال یہ بدعتی لوگوں کو کہتے ہیں کہ ہم سلام پڑھنے والے ہیں،

لیکن لوگوں کو یہ نہیں بتاتے ہیں کہ ہمارا سلام ہمارا ہی بنایا ہوا ہے، اس سلام کا اسلام سے، نبی سے، صحابہ، سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ یہ مسئلہ تو بہت پہلے حل ہو چکا ہے لیکن جن کے دل ٹیڑھے ہوں ان کو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ خود انصاف کریں کہ صلوٰۃ وسلام کی بنیاد قرآن کریم کی یہ آیت ہے ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' (سورۃ احزاب آیت ۵۶) اور یہ آیت جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ '' اما السلام علیک قد عرفناہ '' ہمیں سلام کا تو پتہ ہے، صحابہ کا مطلب یہ تھا کہ سلام تو ہم نماز میں پڑھتے ہیں ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ '' افسوس کہ لوگوں کی سمجھ میں کمی آ گئی، سمجھنا چاہئے کہ سلام کیوں معلوم ہے، سارے مسلمان پڑھتے ہیں، کیسے پڑھتے ہیں؟ بیٹھ کر، کس طرح پڑھتے ہیں؟ آہستہ بول کر نہیں، چیخ کر نہیں، کھڑے ہو کر نہیں۔ یہ سلام کا اصل طریقہ اور سلیقہ ہے یہ نہیں کہ پوری مسجد جمع ہو کر ایک ساتھ آواز میں آواز ملا کر پڑھے۔ '' فکیف الصلوۃ ''صلوٰۃ کیسے پڑھیں، درود کیسے پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم پڑھو کہ ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''، '' آ گیا تاج والا'' یا یہ پڑھو کہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا خیر خلق اللہ'' اور نہ ہی یہ فرمایا کہ تم لوگ خود عربی دان ہو عربی جاننے والے ہو کوئی اچھا سا درود میرے لئے بنا لو بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''قولوا اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علیٰ محمد و آل محمد کما بارکت علی ال ابراھیم انک حمید مجید'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۰۸)

الحمد للہ جو اہل سنت والجماعت ہیں اور صحیح طور پر نبی اور صحابہ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہیں ان کے سینوں میں یہی درود چلا آ رہا ہے اور جو دین کے دشمن ہیں، نبی کے دشمن ہیں، صحابہ کے دشمن ہیں اور دینی تعلیمات کے باغی ہیں انہوں نے اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے اپنے لئے نئے درودوں کی فیکٹری لگائی ہوئی ہے جہاں سے ہر مہینے ایک نیا درود اور ایک نیا سلام نکلتا رہتا ہے۔

دوسری مثال یہ لوگوں کو سکھاتے ہیں کہ درگاہوں پہ جانا اور باباؤں سے مانگنا بھی دین کا ایک حصہ ہے، یہ درگاہیں عجمی ولیوں کی ہیں اور بزرگوں کی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان کی درگاہیں بڑی ہیں یا حضرت سلیمان و ابراہیم، اسماعیل و ادریس، آدم و شیث علیہم السلام کی قبریں بڑی ہیں جو قطعی طور پر خدا کے پیغمبر تھے۔ ہمارے پیغمبر کا تیرہ سال کا زمانہ مکہ مکرمہ کا ہے اور دس سال آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی ضعیف نہیں موضوع روایت میں بھی کسی مسلمان کو یہ نہیں کہا کہ آپ تکلیف میں مبتلا ہیں پیغمبروں کو آواز دو یا میں زندہ موجود ہوں نبی ہوں مجھ سے مدد مانگو تو بیتو یہ، ہر موقع پر آپ ﷺ کی یہی تعلیمات رہی ہیں کہ جب بھی مدد مانگو صرف خدا تعالیٰ سے مانگو۔ سورۃ فاتحہ جو کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس میں کیا ہے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ '' ہم عبادت آپ ہی کی کرتے ہیں ''وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ '' اور مدد بھی آپ ہی سے مانگیں گے، نہ ہمارا معبود کوئی اور ہے نہ ہماری مانگنے کی ہستی کوئی اور ہے۔ اب دیکھو مسئلہ درود شریف پڑھنے کا تھا تو وہ آیت و حدیث سے لے لیا کہ درود پڑھو لیکن درود اپنا بنا لیا بدعت نکال لی۔ بزرگوں

کی قبروں پر جانا کارِ ثواب ہے یہ مسئلہ شریعت سے لے لیا اور آگے گندہ عقیدہ اپنا ملا لیا کہ مانگو بھی ان سے، ان کے نام کی چادریں چڑھاؤ، ان پر پھول ڈالو۔ اسلام کی نظر میں یہ ظالم ہیں "فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ" (سورۂ بقرہ آیت ۵۹) اللہ کے دین کو اپنی مرضی سے بدلتے ہیں ظلم کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ یاد رکھو کہ جو کام شریعت کے مطابق ہوگا اس کا ثواب ملے گا اور جو کام شرعاً نا جائز ہے وہ گناہ ہے اور گناہ پر عذاب ہوگا تو خلاف شرع کام کر کے ایصال ثواب کی جگہ ایصال عذاب ہوگا۔

فرقۂ روافض

روافض کو رفض کے لئے کوئی عقیدہ اور عمل اماموں سے نہیں ملا ہے سارے عقائد ان کے بھی من گھڑت ہیں۔ ان کے جو گیارہ امام ہیں اور بارہواں تو آئے گا۔ یہ گیارہ کے گیارہ آئمہ حقیقت میں اہل سنت کے آئمہ ہیں۔ خاندان نبوت کے افراد ہیں، پاک مقدس نفوس ہیں۔ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے کہ جس سے رفض پیدا ہوا ہے۔

اس کی ایک مثال دیتا ہوں، رافضیوں کی معتبر کتاب ہے "من لا یحضرہ الفقیہ" اس کی پہلی جلد، کتاب الاذان میں اذان کے بیان میں وہ لکھتے ہیں کہ اذان کے کلمات یہ ہیں مکمل اذان کے الفاظ درج کر دیئے، پھر لکھتے ہیں کہ "ھذا ھو الاذان الصحیح لا یزاد فیہ ولا ینقص منہ" یہ اذان اصل اور صحیح اذان ہے اس میں کمی اور زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں۔ آگے کہتے ہیں کہ ایک فرقہ ہم میں پیدا ہو گیا "مفوزہ" "لعنھم اللہ قد وضعوا ......" ان پر اللہ کی لعنت ہو یہ اذان کے اندر رک کر کہتا ہے

کہ "اشھد ان علیا ولی اللہ" اس وقت تک صرف اتنا ہی ایجاد ہو چکا تھا آگے نہیں تھا، اس کے بعد وہ لکھتے ہیں "ولا شک فی ان علیا ولی اللہ وانہ امیر المؤمنین حقا" کوئی شک نہیں کہ علیؓ اللہ کے دوست ہیں "ولکن لیس ذالک فی اصل الاذان" لیکن یہ اذان کا حصہ نہیں ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ا ص ۱۸۸)

جیسے ہماری چھ بڑی کتابیں ہیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ اسی طرح ان کی بھی پانچ بڑی کتابیں ہیں۔ کافی کلینی، شرح تجرید، تہذیب الاحکام، "من لا یحضرہ الفقیہ" اور الاستبصار ان پانچ اصل کتابوں میں سے ایک کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نفس پرستی کے لئے ان کو اپنے دین اور دین کے مسائل کے لئے اپنے مذہب میں سے باہر آنا پڑا اور جب ایک آدمی دین سے باہر ہو جاتا ہے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

دین محمدی کی شان وعظمت

رسوم، بدعات، جعل سازی افتراء اور دروغ کوئی وہ بھی دین محمدی ﷺ میں؟ جو آفتاب و ماہتاب سے زیادہ منور و معطر ہے، جامع، کامل و اکمل ہے۔ سورج دن میں ہوتا ہے، رات کو نہیں ہوتا کیونکہ رات میں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ چاند رات کو نظر آتا ہے دن میں اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لیکن دین محمدی دن و رات، سفر و حضر، گھر و بازار، زندگی و موت ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔ سورج اور چاند کا تعلق نظام معاش سے ہے۔ لیکن دین محمدی ﷺ کا تعلق روح و ایمان سے ہے۔ سورج اور چاند "وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ

الدُّنیا بِمَصَابِیحَ" (سورۂ ملک آیت ۵) یہ صرف دنیا کی خوبصورتی کے لئے ہیں لیکن دین محمدی آخرت کے لئے "وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی" (سورۂ نساء آیت ۷۷) دین کی ضرورت کائنات کی ہر چیز سے زیادہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لئے جناب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی بعثت، آپ ﷺ کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت و احسانات میں سے ہے۔ آپ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ قرآن اور وحی لے کر آئے، آپ ﷺ اور پیغمبروں کی طرح نہیں ہیں کہ وہ چلے گئے کہ ان کی یادآوری صرف ہمارے دین میں ہے۔ اگر آپ کسی یہودی سے پوچھیں کہ تم اپنے دین کے حساب سے بتاؤ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلی نماز کونسی پڑھی؟ بالکل نہیں بتا سکتا کیونکہ ان کی کتاب تورات محرف ہو چکی ہے اس میں انہوں نے تبدیلی کردی ہے اور محرف کتاب میں اعمال نہیں ہوتے۔ اسی طرح اگر آپ عیسائی سے کہیں کہ پینتالیس ۴۵ اناجیل میں سے کسی ایک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے غسل اور وضو کا طریقہ بتادیں، تو وہ جواب میں کہے گا کہ نبی تو پاک ہوتا ہے اس کو وضو اور غسل کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۲۴۴ سال بعد پولوس آیا ہے جس نے ان کی تعلیمات میں سے ختنہ نکال دیا اور اس میں شراب ڈال دی اور خنزیر مذہب عیسائی میں ڈال دیا ورنہ یہ سب چیزیں عیسائیت میں دین محمدی کی طرح ناجائز وحرام تھیں۔

دین اسلام کا شیڈول اور اس کی افادیت

میں نے بعض دوستوں کو سمجھایا کہ یہ جو اسلامی شیڈول ہے کہ فجر کا وقت داخل ہوتا

ہے، مومن تیاری کرتا ہے دو رکعت سنت، دو فرض پڑھتا ہے۔ ازحد کوشش کرتا ہے کہ مسلمان جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھے۔ پھر ظہر کا وقت داخل ہوتا ہے پہلے چار سنت پھر چار فرض پھر دو سنت پڑھی جاتی ہیں۔ پھر عصر کا وقت داخل ہوتا ہے، موقع مل گیا تو اس سے پہلے دو یا چار ورنہ عصر کے چار فرض پڑھے جاتے ہیں پھر اس کے بعد مغرب تک کوئی نماز نہیں۔ پھر مغرب کا وقت داخل ہوتا ہے تو اذان کے ساتھ ہی مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے

ایک غلط مسئلہ اور اس کا ازالہ : آج کل ایک فیشن بن گیا ہے اور اس کا رواج جاہل اماموں کی وجہ سے ہوا ہے کہ مسجدوں میں لکھ کر لگایا ہے کہ ایک منٹ کے بعد جماعت ہوگی، ڈیڑھ منٹ کے بعد جماعت ہوگی۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے، کوئی قاعدہ فقہ میں ایسا نہیں ہے، یہ تیرہ سو سال بعد فقہ حنفی پر ناروا حملہ ہے۔ یہ ایک سازش ہے اگر کسی کے ذہن میں یہ عذر ہے کہ لوگ دیر سے آرہے ہیں یا ایسا عذر پیش آیا ہے کہ شاید مغر ب میں افراد کم ہیں تو پہلی رکعت طویل کرلیں کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ سے چار سورتیں مغرب میں زیادہ ثابت ہیں۔ سورۂ صٰفّٰت نسائی میں ہے، امام غیرت پیدا کرے مغرب میں صٰفّٰت پڑھے، سورۂ اعراف اور مرسلات حضرت ﷺ تلاوت فرماتے تھے (ترمذی ج ۱ ص ۶۷) اور سورۂ طور کی تلاوت بخاری میں موجود ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵) اور وفات کے قریب جو آپ نے مغرب پڑھائی اس میں آپ ﷺ نے سورۂ مرسلات پڑھی ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ ایسی قرأت قیامت تک نہیں سن سکوں گی جو حضرت ﷺ نے اس وقت پڑھی ۔ تو اس بات کی فقہائے احناف نے اجازت دی ہے کہ کو مغرب کی بنیاد چھوٹی سورتوں پر

ہے لیکن ضرورت سے کبھی قرأت لمبی ہوسکتی ہے۔ اطالت الاولی، پہلی رکعات لمبی کی جاسکتی ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ آپ مغرب سے پہلے نفل پڑھیں اور یہ منٹوں کی اجازت اور وقفے پیدا کرنا اصل میں مغرب سے پہلے دو رکعات سازش کرنے کے مترادف ہے جو علی التحقیق صحابہ اور تابعین کے یہاں مسترد ہو چکی ہیں۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ لوگ مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھتے ہیں، انہوں نے کہا'' وعن ابن عمر قال ما رائیت احدا یصلیھا علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ دلیل علی نسخ ما کان قبل رؤیتہ ''(ترمذی ج ا ص ۴۵ حاشیہ نمبر ۶ قدیمی کتب خانہ) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کسی کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ بعض لوگ اس پر قیاس کرتے ہیں کہ مغرب ہم رمضان شریف میں قدرے تاخیر سے پڑھتے ہیں تو رمضان میں عشاء کے بعد تو ۲۰ رکعات تراویح بھی پڑھتے ہیں۔ پھر آپ جن کو ڈیڑھ منٹ کا وقفہ کرواتے ہیں ان کے لئے یہ بھی لکھ دیں کہ آج عشاء کے بعد ۲۰ رکعات تراویح بھی ہوگی۔ میں نے مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب رحمہ اللہ جو جنگ اخبار میں سوالوں کے جواب دیتے ہیں یہ ہمارے مخدوم اور بزرگ مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے سچے جانشین ہیں، میں نے ان سے کہا کہ یہ فتنہ پھیل رہا ہے اس کو روکیں انہوں نے فرمایا کہ بس اس کے بعد جو جمعہ آئے گا ان شاء اللہ اس میں تنبیہ کردوں گا۔

دوسرا غلط مسئلہ اور اس کا ازالہ : اسی طرح ہمارے ایک بزرگ جو تمام علماء کا افتخار تھے اور ہمارے سروں کا تاج تھے حضرت مولانا مفتی نظام الدین الشہید وہ کہتے

تھے کہ ننگے سر نماز بطورِ تواضع کے جائز ہے۔ میں نے ایک مجلس میں ان سے کہا کہ یہ غلط بات ہے، جہاں سے آپ یہ بیان فرماتے ہیں وہاں تو لکھا ہوا ہے کہ اگر اہانتِ صلوٰۃ ہے تو کفر ہے، میں نے کہا کہ ننگے سر والا کہیں کافر نہ ہو جائے۔ عذر کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا ٹوپی نہیں ملی وہ ایک الگ مسئلہ ہے، وہ معاف ہے لیکن سب کچھ ہے اور نہیں پہنتا ہے کہ جی کوئی فرق نہیں پڑتا تو فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ ایسا شخص کافر ہوسکتا ہے۔ دین کی توہین کرتا ہے چنانچہ اس کے بعد جو جمعہ آیا تو مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے لکھ دیا کہ مسجد میں موجود ٹوپیوں سے نماز پڑھنا ننگے سر نماز پڑھنے سے افضل و بہتر ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ حق کی حمایت کے بدلے میں اللہ نے انہیں شہادت کا درجہ عالیہ نصیب فرمایا۔ اللہ ان کی آخرت عالی میں درجات اور بلند فرمائے۔

دین ہی انسانیت اور حیوانیت کے درمیان فرق ہے

دنیا کی زندگی بہت عارضی ہے۔ دنیا کی زندگی اصلاً وہی ہے جو دین کے لئے صرف ہوتی ہے۔ وہ زندگی جو دنیا کے لئے گزر گئی اور اس میں دین کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تو اس زندگی اور حیوان کی زندگی میں کیا فرق ہے۔ انسان کی زندگی کا کارنامہ یہ ہے کہ اس میں کہیں وضو ہوگا، کہیں نماز ہوگی، کہیں ذکر اور کہیں تلاوت ہوگی، کہیں دین پر خرچ تو کہیں صدق و وفا اور دیانت داری ہوگی۔ یہ سب چیزیں جب جمع ہو جائیں گی تو ہی ایک مسلمان بنے گا ورنہ تو حیوان کا نمونہ پیش کریگا۔

اللہ بزرگ و برتر نے اس کے لئے علماء کرام کو بڑی توفیق دی ہے۔ مقدور بھر

پورے عالم کے اندر وہ منکرات کا رد کرتے ہیں اور معروفات کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ یہاں آئے ہیں آپ نے میرا خطاب سنا، کہیں آکر بیٹھ گئے۔ کسی بزرگ کی صحبت میں جا بیٹھے لیکن ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بزرگانِ دین کتابیں لکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ علم پھیلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سارے جہان کے علماء اور طلباء کی کوششوں کو کامیاب فرمائے اور ان کو مزید ہمت عطا فرمائے اور اخلاص اور توجہ کے ساتھ دین پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

انتالیسواں خطبہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ مائدہ آیت ۳)

انسان کی زندگی میں اس کا تعلق دو چیزوں سے بہت اہم ہے اور شریعت نے بھی

اس کی بہت زیادہ تعلیم دی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کی زندگی میں حلال رزق کا اہتمام ہو اور دوسرا یہ کہ وہ حرام اشیاء سے بہت زیادہ اجتناب کرتا ہو۔ انسانی زندگی میں تغیر اور تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن کامل مسلمان اور پختہ ایمان والا وہ ہوتا ہے جو ہر قسم کے حالات میں جم کر رہتا ہے اور کبھی بھی شریعت کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

حرام میں مبتلا ہونا انسان کے ایمان مکمل نہ ہونے کی نشانی ہے

آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں پر تھوڑا سا مشکل وقت آتا ہے تو وہ اس وقت سب کچھ بھول جاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، امتِ محمدیہ کا افراد ہیں۔ صرف ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی طرح اپنے اوپر سے اس مشکل کو ٹال دیں۔ آج کل سود کا بہت زیادہ رجحان ہمارے مسلمان بھائیوں میں بڑھ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک خاص سازش کے تحت مسلمانوں میں سود کو داخل کیا جارہا ہے تاکہ ان کی ترقی ختم ہو جائے اور ان کا دین بھی ختم ہو جائے۔

تفسیر روح المعانی میں ایک آیتِ ربا کے نیچے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ "درھم ربا" سود کا ایک روپیہ لینا "اعظم عند اللہ تعالیٰ" اللہ کے یہاں اس سے بھی سخت ہے "من سبعین زنیۃ" کہ ستر مرتبہ زنا کیا جائے "کلھا فی ذات محرم" اپنی کسی محرم کے ساتھ "فی بیت اللہ الحرام" بیت اللہ شریف میں۔ (روح المعانی ج ۳، ۴ص ۷۱، تفسیر ابن کثیر ج ۱ص ۳۲۷، ۳۲۸)

مجھے اسلام میں اس سے بڑھ کر کسی گناہ کی قباحت کا علم اب تک نہیں ہے کہ اس

سے بھی زیادہ وعید شدید کسی مسئلہ میں موجود ہو میرے علم میں نہیں ہے۔ لوگ ویسے بہانے بناتے ہیں جہنم جانے کے لئے، سب پتہ ہوتا ہے کہ سود ہے، کررہا ہے لیکن پھر بھی اس میں لگے ہوئے ہیں۔

انسانی زندگی اور اس کے تغیرات

انسان کی زندگی متغیر ہے اس پر مختلف احوال آتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ چھوٹا بچہ تھا اور کبھی جوان ہو جاتا ہے، جوانی کے بعد کبھی بڑھاپا آئے گا، کبھی یہ صحت میں ہوتا ہے تو کئی لوگوں کے کام آسکتا ہے اور کبھی ایسا بیمار ہو جاتا ہے کہ خود چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگ اس کی امداد کرتے ہیں۔ کبھی یہ تختِ سلطنت پر براجمان ہوتا ہے اور کبھی یہ تختہ دار کے اوپر کال کوٹھری میں پھانسی کے انتظار میں رہتا ہے۔ کبھی اس کے اختیار میں ہزاروں کھاتے پیتے ہیں کبھی یہ خود نانِ شبینہ کا محتاج ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی اعتماد کی چیز نہیں ہے۔ یہ اعتماد والی اس وقت بنتی ہے جب آپ نے اس میں شریعت کا لحاظ کیا ہو، آپ کی زندگی میں سنتِ نبوی ﷺ کے جلوے موجود ہوں، آپ کی زندگیوں میں سے صحابہ کرام کی زندگیوں کی جھلک آتی ہو، آپ کی چال ڈھال، آپ کے معاملات، آپ کی معاشرت سب کچھ شریعت کے تابع ہوں۔ یہ تغیرات تو انسان کو یہاں تک پہنچا دیتے ہیں کہ بنو امیہ کے شہزادوں کو بغداد کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ کتنی تبدیلیاں اور کتنے عوارض ہم بھی دیکھتے رہتے ہیں، دوسروں کو دیکھ کر خود عبرت لیں اور سبق لیں۔ کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ صحت مند رہے بڑی عمر

والا بنے، خوب مالدار اور خوب راحت وسہولت کے ساتھ زندگی بسر کرے۔کوئی دیوانہ ہی
اس کے خلاف سوچتا ہوگا مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ کی تکالیف اور آپ کا عزم واستقلال

جناب نبی کریم ﷺ کی اپنی زندگی بھی تکلیف کی زندگی تھی کیونکہ آپ ﷺ نے دنیا
کی چیزوں کی کبھی بھی پرواہ نہیں کی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن آئے اور آنحضرت ﷺ
سے ملنا چاہا، آنحضرت ﷺ پلنگ پر تشریف فرما تھے اور نیچے کوئی چادر یا بستر نہیں بچھا ہوا تھا۔
بان کی چارپائی تھی، آپ کا جسم مبارک، خوبصورت اور یاقوت ومرجان کی طرح تھا۔اللہ
تعالیٰ نے ملائک وانبیاء کا سرتاج آپ کو بنایا ہے۔جب آپ ﷺ اٹھے حضرت عمرؓ سے ملنے
کے لئے بات کرنے کیلئے تو پیچھے پیٹھ پر بان کے سرخ نشان بنے ہوئے تھے۔حضرت عمرؓ
آپ ﷺ کے مقام کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور جب یہ تکلیف دیکھی تو حضرت عمر رضی
اللہ عنہ سے رہا نہیں گیا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے بڑے آدمی
تھے، جبل من الجبال پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے استقامت کے، پہاڑ بھی تبدیل
ہوجاتے ہیں اس میں سرنگ بن جاتی ہے، اس کے اوپر پل بن جاتا ہے اس میں سے گاڑی
گزرجاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ سے کوئی باطل نہیں گزرا ہے، وہ پہاڑ سے زیادہ استقامت
کے مالک تھے۔آنحضرت ﷺ سے کہا کہ قیصر وکسریٰ کے شاہان تو عیش وعشرت میں ہیں
اور نبی آخر الزمان کا یہ حال ہے۔آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہماری تکلیفیں ختم
ہوجائیں۔یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ مسکرائے اور پہلے سے کیفیت تبدیل ہوئی اور چہرۂ انور

پر مسکراہٹ کے ساتھ غضب کے آثار آگئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ابھی تک ان خیالا
ت میں پڑے ہیں۔آپ کو پتہ نہیں ہے کہ ان کو صرف دنیا دی گئی ہے اور ہمیں تو آخرت
ملے گی اور آخرت کی خوشیاں تو بہت زیادہ ہیں۔(بخاری ج۱ص ۳۵۵، ج۲ص۷۸۲،
مسلم ج۱ص۴۸۲) دنیا کی خوشی اگر کسی کو مل بھی گئی تو ختم ہوجائے گی۔دنیا کی وہ کون سی خوشی
ہے جو باقی رہی ہے۔یہ پورا گلشن اقبال کسی نے بنایا تھا اور الاٹ کروایا تھا اس کا بھی قلم تھا
اور اختیار تھا وہ سب اب کہاں ہے۔کسی جگہ اس کی قبر بھی نہیں ہوگی، کچھ مدت بعد تو ان کی
قبریں بھی نہیں ہوتیں۔وہاں پر گورکن آٹھ دس اور نمبر سے دفنا دیتے ہیں۔کیوں کہ قبروں
کی سنت دیکھ بھال کرتے نہیں ہیں تو گورکن کو کیا ضرورت پڑی ہے۔

قبر بنانے کا سنت طریقہ اور ان کے ساتھ برتاؤ

قدیم زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ لوگوں میں اسلام تھا اور اسلام اپنی عظمت کے
ساتھ عوام وخواص میں ایک جیسا تھا اور ان میں اسلام کے احکامات کی پابندی تھی تو ان کے
یہاں پانچ پانچ سو، چھ چھ سو سال بعد بھی قبر موجود ہوتی تھی۔یہ مجال نہیں تھی کہ کسی کی قبر پر
کوئی تعمیر کرے یا کسی کی قبر پر کوئی دوسری قبر بنائے یہ ناکارہ افعال اور برے اعمال
مسلمانوں میں نہیں تھے جو آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں۔وہ قبروں کی بھی حفاظت کرتے
تھے لیکن شریعت کے دائرہ میں رہ کر، وہ قبروں کی زیارت کے لئے بھی جایا کرتے تھے لیکن
سنت طریقے سے۔وہ آج کل کے بے ایمان بدعتیوں کی طرح نہیں تھے جنہوں نے اپنا
سارا کام اور سارا کاروبار قبروں کے ساتھ ہی بنایا ہوا ہے، قبروں پر میلے لگاتے ہیں، وہاں

ناچ گانا کرتے ہیں حالانکہ قبرستان تو عبرت کی جگہ ہے وہاں تو ایسا ماحول ہونا چاہئے کہ لوگ جب وہاں جائیں تو وہاں کا ماحول دیکھ کر عبرت حاصل کریں یہ وہاں پر میلے لگاتے ہیں۔ پورے اسلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں جناب نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام کے زمانے میں، محدثین، مجتہدین فقہاء اور اولیاء کرام کے زمانے اس قسم کی بدعات اور جعلسازی سے پاک تھے۔ کیونکہ انہوں نے مکمل اسلام کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنایا تھا، ان بدعتیوں نے اپنے مفادات کے لئے شریعت کو تبدیل کردیا ہے اور اس کے مقابل ایک نئی شریعت بنائی ہے کیونکہ اُن کی ان بدعات اور جعلسازیوں کے موجد، ان کی دین کے ساتھ اس بغاوت کے امام مولوی احمد رضا خان نے اپنی کتاب 'فتاویٰ افریقہ' میں لکھا ہے کہ ہمیں دین میں نئی نئی باتیں شامل کرنے کی اجازت نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔ یہ سب اس لئے ہوا ہے کہ بدعتیوں کے امام احمد رضا خان نے دورۂ حدیث نہیں پڑھا، میری ساری زندگی اسی میں گزر گئی کہ کوئی دنیا میں ایسا بدعتی پیدا ہو جو اس کا ثبوت دے دے میں نے بدعتیوں کی پوری جماعت کو آج سے تیس سال پہلے یہ چیلنج کیا تھا اور آج بھی کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت صاحب کے دورۂ حدیث کے اساتذہ کا مجھے بتا دیں لیکن

''فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ'' (سورۂ بقرہ آیت ۲۴)

کیونکہ دورۂ حدیث آخری مہر ہوتی ہے اور اس میں احادیث کا تذکار ہوتا ہے جس سے انسان کا دل ودماغ روشن ہوجاتا ہے اور اس کو دین کی تشریحات سمجھنا آسان ہوجاتی ہیں۔ اس سے انحراف کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ہر عمل نبی کے مخالف، ہر کام شریعت کے

مخالف جس کا انہیں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچے گا ''عاملة ناصبة'' عمل کیے ہیں لیکن صرف خود کو تھکایا ہے

ہاتھ اٹھائے ہیں مگر لب پر دعا کوئی نہیں		کی عبادت بھی تو وہ جس کی جزا کوئی نہیں

قرآن نے ایسے موقع پر کہا ہے کہ ''كَذٰلِكَ الْعَذَابُ'' یہ عذاب ہے جو (دنیا میں) ان کو دیا جا رہا ہے۔ یہ ہماری طرف سے عذاب کا پہلا حصہ ہے دیکھ لو اے ''وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ'' اخروی عذاب تو بہت بڑھ کر ہے کیونکہ وہ ختم نہیں ہوگا ''لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' (سورۂ قلم آیت ۳۳) کاش کہ ان میں عقل ہوتی اور یہ سمجھ لیتے۔

دنیا ایک سرائے ہے اور انسان مسافر

دنیا تو انسان کے لئے آزمائش کی جگہ ہے جب یہیں سے اعمال میں خرابی پیدا ہوگئی تو آخرت میں کیا حال ہوگا۔ یہ تو سرائے ہے مسافر خانہ ہے، مسافر خانہ اگر بہت خوبصورت ہو اور ٹھنڈی جگہ ہو اور بہترین فرش بچھے ہوئے ہوں اور بہت عمدہ کھانا بھی مسافر کے آگے رکھا گیا، تو مسافر تو مسافر ہے تھوڑی دیر ٹھہرے گا اور پھر منزل کی طرف روانہ ہو جائے گا،

صحیح مسلم میں حدیث شریف ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

''مالی وللدنیا'' میرا دنیا سے کیا کام ہے ''ما انا فی الدنیا الا کراکب'' میری مثال تو اس مسافر جیسی ہے ''استظل تحت شجرة'' جو ایک درخت کی چھاؤں میں کچھ دیر آرام کرے ''ثم راح وترکھا'' پھر وہاں سے چلے۔ (ترمذی شریف ج۲ ص

۶۳) مسافر خانے کا تو یہی حال ہوتا ہے ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے اسی کو دائمی رہنے کی جگہ سمجھنا حماقت ہے۔

جہاں اے برادر نماند بکس

دل اندر جہاں آفریں بندوبس

اے ! بھائی یہ دنیا کسی کے ساتھ نہیں رہے گی اور اس دنیا میں ہی دنیا بنانے والے سے تعلق پیدا کرو۔ کتنے بڑے بڑے مضبوط لوگ تھے جن کو اس دنیا نے پالا پوسا اور پھر ان ہی کو گردن کے بل گرایا

چوں آہنگ رفتن کند جان پاک

چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

جب وہ لمحہ آئے گا جس میں روح نکلے گی، تو کیا فرق پڑتا ہے کہ کوئی مٹی پر تڑپ کر مرے یا شاہی تخت پر مرے، روح تو ہر حال میں روح بنانے والے کے حوالے کرنی ہے۔

شہادت اور اس کی اقسام

کیا فرق پڑتا ہے کہ کوئی پانی میں ڈوب کر مرا یا پھر آگ میں جھلس کر مرا یا کسی جان لیوا بیماری میں مرا موت تو موت ہے اس کی کئی اقسام ہیں۔ یہاں علماء نے یہ بحث بھی کی ہے کہ شہید کون ہے، شہادت کس کو کہتے ہیں اس کے کیا درجات ہیں۔ کوئی آگ میں جھلس کر مرا اسے بھی شہید کہا گیا ہے کوئی دیوار اور عمارت کے نیچے دب کر مرے وہ بھی

شہید ہے۔ کوئی جوانی کی موت مرے وہ بھی شہید، کوئی علم کی موت مرے وہ بھی شہید، کوئی تقویٰ اور پرہیزگاری کی موت مرے وہ بھی شہید۔ احادیث میں بہت ساری اقسام آئی ہیں، کسی کے نزدیک پچیس (۲۵) ہیں، کسی نے پینتیس (۳۵) کا قول کیا ہے، کہیں پینتالیس (۴۵) بھی لکھے گئے ہیں، پچپن اور ساٹھ (۶۰) کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ساٹھ قسم کے شہداء امت محمدیہ کے ہیں۔ شہید کا کیا مطلب ہوتا ہے، آج کل تو کوئی بھی سیاسی آدمی مر جاتا ہے تو کہتے ہیں شہید ہوگیا۔ وہ بجلی گھر مولانا (حضرت مولانا محمد امیر صاحب جو کہ بجلی گھر مولانا کے نام سے مشہور ہیں) نے ایک بار تقریر میں واقعہ سنایا کہ پشاور میں ایک آدمی نے کسی کے گھر میں نقب (دیوار توڑنا) لگایا۔ اس زمانے میں لوگ دیوار توڑتے تھے اور اندر گھس جاتے تھے۔ گھر والوں کو جب اندازہ ہوگیا تو انہوں نے بندوق بھری اور انتظار میں بیٹھ گئے۔ جیسے ہی دیوار توڑ کر اس نے اندر سر داخل کیا تو انہوں نے فائر کر کے اس کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد اس مرنے والے کے لوگ آئے اور مولانا بجلی گھر سے مسئلہ پوچھا کہ ہمارا بھائی غریب مسکین بے قصور صرف ان کے یہاں سر ہی اندر کیا تھا کوئی چوری تو نہیں کی تھی تو کیا وہ شہید ہے؟ تو مولانا نے کہا کہ جب تم کہتے ہو تو شہید ہی ہوگا اور فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اور کون شہید ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے گھر میں بغیر اجازت کے گھس رہا تھا اور مارا گیا۔

ہر وہ مسلم مومن جو ایمان کے بعد ایمان پر قائم رہا ہو جتنا بھی گناہ گار ہو اور اس کو تصرف اور ارادے کے بغیر موت آگئی وہ شہید کہلاتا ہے۔ خواہ وہ پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر مر جائے، پیٹ کا مریض سینکڑوں چیزوں کو دیکھتا ہے کھا نہیں سکتا ہے اس لئے اسے

شہید کہا گیا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ ''المطعون شہید ''ایک طاعون کا مرض ہوتا تھا۔ سینے کے اندر سوراخ ہو جاتے تھے اور ان سے اندر ہوا آر پار ہوتی تھی اور پھر وہ بڑھتا تھا۔ طاعون کم از کم ۷۰۰ آدمیوں کو لے چلتا تھا۔ ہزاروں لاکھوں آبادیاں خالی ہو جاتی تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بھی شہید ہے اور پیغمبر ﷺ کا معجزہ دیکھو کہ آپ ﷺ نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت سے طاعون دور کردے تو اللہ نے میری دعا قبول کرلی۔اب لوگ طاعون کو جانتے بھی نہیں ہیں۔''والغرق شہید'' اور جو پانی میں ڈوب جائے وہ بھی شہید ہے کیونکہ وہ تو نہانے اترا تھا ہاتھ دھونے اترا تھا اور موت مسلط ہوگئی''وصاحب الحریق شہید ''آگ میں جھلس جائے تو وہ بھی شہید ہے اور''و الذی یموت تحت الھدم شہید ''اور جو دیوار اور عمارت کے نیچے دب کر مرے وہ بھی شہید ہے۔(ابوداؤد شریف ج۲ص۴۴۳ میر محمد)

اہل سنت والجماعت کون

واضح رہے کہ یہ شہداء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں اور آیات واحادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شہید سے بڑھ کر اگر کسی کی موت ہے تو وہ نبی کی موت ہے۔نبی اور رسول آسمان اور زمین میں خدا کی تمام مخلوقات سے بڑھ کر محترم ہیں۔ہمارے مسلمانوں کا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔لیکن یہاں ایک بات واضح رہے کہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کا نام ہے بدعتیوں کو اہل سنت والجماعت نہیں کہتے ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے اپنا نام احمدی رکھا ہے اور اس کے ذریعے مسلمانوں کو دھوکہ دینا

شروع کیا ہے۔اسی طرح بدعتی اپنی بدعات پر اہلسنت کی چادر ڈالتے ہیں اور اپنے غلط نظریات اور بداعمالیوں کو اہل سنت کے ذمہ لگاتے ہیں۔اہل سنت والجماعت تو نبی کریم ﷺ کے علوم کے امین ہیں اور ان کے نزدیک عقیدہ وعمل جب تک سنت کے مطابق نہ ہو اور صحابہ کرام کی جماعت سے ثابت نہ ہو قطعاً اس کو جائز نہیں کہتے۔اب آپ ذرا ہمارے زمانے کے بدعتیوں کے عقائد کو دیکھ لیں،ان کے تمام عقائد مکہ کے مشرکین سے جا کر ملتے ہیں لیکن ان کے اعمال تو مشرکین سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں وہ مشرکین ضرور تھے لیکن ان میں عقل وحیا اور غیرت تھی وہ اگرچہ شرک میں مبتلا تھے لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ زمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ جواب میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے

''وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ''

(سورۂ زمر آیت ۳۸ کا حصہ)

لیکن ہمارے زمانے کے بدعتیوں سے جب آپ پوچھیں گے تو وہ یہ کہیں گے کہ

زمین وآسماں تیری　　　معین الدین اجمیری

اور اس سے بھی بڑھ کر کفر یہ ہے کہ

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

جب سنت کی مخالفت میں بدعات نکالی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزائیں مقرر ہوگئیں کہ ان کا کوئی بھی عمل سنت کے مطابق نہ رہا اب جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو اس میں سنت کا نام ونشان نہیں ہوتا۔

عید میلاد النبی اور بدعتیوں کا دھوکہ اور فریب

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وفات کے دن کو عید کا دن کہتے ہیں جبکہ یہ متفق مسئلہ ہے کہ آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے اس میں کسی کا اختلاف ہی نہیں ہے۔ یہ مبتدعین اتنے بڑے ظالم ہیں کہ وفات کے دن خوشی مناتے ہیں۔ آپ کی پیدائش میں اختلاف ہے کسی نے ۸ کا قول کیا ہے کہیں ۹ کا قول ہے لیکن ۱۲ کا کوئی بھی قول نہیں ہے۔ پھر اس دن عید مناتے ہیں جبکہ نبی ﷺ نے اس روز فرمایا ہے کہ تم روزہ رکھو میری ولادت کے دن۔ اب آپ خود دیکھیں کہ نبی نے روزہ رکھنے کا فرمایا ہے اور یہ لوگ اس دن عید مناتے ہیں۔ تو عید کے دن تو روزہ نہیں ہوسکتا اور روزہ جس دن ہو اس دن عید نہیں ہوتی، دونوں کام نہیں ہوتے صرف ایک ہوگا۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ ان کا ہر عمل ڈھکوسلا اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ کہیں بھی حقیقت نہیں پائی جاتی اگر ان کا حساب کریں تو اول سے آخر تک جھوٹ نکلے گا اور ہر جگہ شریعت سے بغاوت نظر آئے گی۔ ان سب نا کردنیوں اور ڈھکوسلوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھا ہے جبکہ ان کا کوئی بھی عمل ان سے مشابہت نہیں رکھتا۔

اہلسنت و الجماعت تو ایک مقدس لیبل ہے، ایک عمدہ عنوان ہے اور دینی اصطلاح ہے۔ ۱۴۰۰ سال سے مسلمانوں کی امانت ہے اور انکا حق عزت و دین ہے جس کا تحفظ ضروری ہے۔ لوگوں کو جعلسازی سے بچانا فرض کے درجے میں ہے اور ان کو اہل سنت اور اہل بدعات کی پہچان کرانا بھی امت کے علماء کا اولین فریضہ ہے۔

واقعہ معراج ! ایک نشاندہی، ایک نصیحت

ہر انسان کی زندگی میں اس پر مختلف احوال و اطوار آتے ہیں۔ ہمارے رسول جناب نبی کریم ﷺ پر ایسا وقت بھی آیا ہے کہ آپ قبیلہ بنو سعد میں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں، ان کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جاتے تھے اور تربیت پاتے تھے، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا فرشتہ بھی میرے ساتھ نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ کے قرب کے جلوے اتنے قریب ہوجاتے ہیں۔ معراج کا موقع تھا آنحضرت ﷺ کو بیت المقدس لے جایا گیا اس کے بعد آسمانوں کی سیر کے لئے آپ ﷺ کو لے جایا گیا اور پھر سات آسمانوں سے اوپر آپ ﷺ نے اپنے رب سے سرگوشی فرمائی یہ وہ مقام تھا جو کہ جناب نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ جس دوران آپ ﷺ آسمانوں پر تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں آپ پر تمام مخلوقات اور دیگر اشیاء مکشوف کردی گئیں۔

آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک جگہ ایک بوڑھی عورت بہت بناؤ سنگھار کر کے بیٹھی ہوئی تھی اور حضرت ﷺ کو آواز لگاتی تھی یا محمد یا محمد (یہ نعرہ اسی بوڑھی سے پیدا ہوا ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ بہت رو رہی ہے یہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ آگے چلیں۔ جب اس کی آواز ختم ہوگئی اور یہ دونوں حضرات آگے چلے گئے تو آنحضرت ﷺ نے پھر پوچھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ "تلک الدنیا" "یہ دنیا تھی۔" "لو وقفت لاخترت

الدنیا ''(قرطبی ج ۱۰ص ۲۰۶،تفسیر طبری ج ۱۵،۱۶ص ۶ ،ابن کثیر ج ۳ص ۵)اگر آپ ﷺ اس کو جواب دیا ہوتا تو آپ کی امت غرق ہو جاتی ،ہر امتی دنیا پرست ہوتا اور ایمان کو جانتا بھی نہیں ۔آج ایسا نہیں ہے،آج بڑی شان وشوکت دین پر قربان کی جاتی ہے۔اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ امت کو سب سے بڑا نقصان مخلوق کو پکارنے سے ہو رہا ہے اور امت کے سب سے بڑے دشمن یہ مخلوق سے مانگنے والے اور سکھانے والے ہیں جو لوگوں کا تعلق اللہ رب العزت سے توڑ کر ان کو باباؤں اور پیروں کے قریب کر رہے ہیں۔

واقعہ معراج ! حضرت موسیٰ علیہ السلام

جب اور آگے آپ تشریف لے گئے تو آپ فرماتے ہیں کہ پہاڑوں کے درمیان ایک راستہ تھا ''عند الكثيب الاحمر ''سرخ ٹیلہ کے پاس ،وہاں میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔(مسلم ج ۲ص ۲۶۸)جبرئیل علیہ السلام نے مجھے تھوڑی دیر کے لئے روکا میں نے پوچھا تو فرمایا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں نماز پڑھ رہے ہیں ،حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے مجھے موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی جگہ معلوم نہیں تھی ۔کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور تشریف لے گئے تھے اور واپسی پر دیکھا کہ کچھ لوگ ایک قبر بنا رہے ہیں جب حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے تو بتایا گیا کہ یہ بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے ،اس کو کھودنے کے لئے فرشتے آئے تھے حضرت صاحب نے پوچھا کہ میری قبر ہے؟ کہا ہاں کہا کہ مجھے تو بتایا ہی نہیں میں تو ابھی کوہ طور ہو کر آیا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ ہمیں کہا تھا کہ جب یہاں سے گزریں تو ادھر

آئیں گے قبر دیکھنے کیلئے نیچے اتریں گے تو آپ درخواست کریں کہ لیٹ جائیں ،روح قبض کر لیں ۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر اللہ اس طرح راضی ہیں تو ایسے ہی صحیح ۔انبیاء علیہم السلام کی شان کیسی عظیم ہے،حضرت موسیٰ علیہ السلام لیٹ گئے اور آنکھیں بند ہو گئیں فرشتوں نے اوپر سے مٹی ڈالی قبر بن گئی ہموار کر کے چلے گئے قصہ ختم ۔تو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر نا معلوم تھی اس لئے لیلۃ معراج میں آپ ﷺ پر منکشف کر دی گئی اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ انبیاء علیہ السلام اپنی قبور میں زندہ تابندہ ہیں گو وہ حیات اخروی ہے اور برزخی ہے۔

اہم نکتہ : اب ذرا غور فرمالیں کہ حضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زندہ قبر میں نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا ہے لیکن پوری زندگی میں ایک موقع پر بھی آپ ﷺ نے انہیں مدد کے لئے یا اپنی مشکل کشائی کے لئے یا اپنی حاجت روائی کے لئے آواز نہیں دی۔کیونکہ غیر اللہ سے مانگنا اور قبروں کو آواز دینا اسلام میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت

اسی طرح آپ نے اپنے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی تھی پوری دنیا میں کبھی بھی، کہیں بھی ،کوئی بھی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ آپ ﷺ کے کسی صحابی نے مشکل وقت میں کسی نبی یا خود جناب نبی کریم ﷺ کو پکارا ہو۔ایک بار جناب نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور ایک ایک کر کے صحابہ مجلس میں شامل ہو رہے تھے ،اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے تو ان کو دیکھ کر جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ آپ کے دور میں ایک بہت بڑا فتنہ آپ کو آ گھیرے گا۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ حضرت آپ خود موجود ہیں اور تمام نبیوں اور تمام انسانیت کے سردار ہیں آپ میری امداد فرمائیں، یا میرے لئے کسی نبی سے سفارش کروادیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا کہ "اللہ المستعان" میں اس مسئلہ میں امداد اللہ تعالیٰ سے طلب کراوں گا۔ (بخاری شریف ج۱ص۵۲۲، ج۲ص۹۱۸)

یہ بے ایمان بدعتی خود کو اہلسنت والجماعت کہتے ہیں، شرم بھی نہیں آتی میں چیلنج کرتا ہوں کہ حضرت ﷺ کی دس سالہ زندگی مکہ مکرمہ کی اور تیرہ سال مدینہ کی اور اس سے پہلے بھی یعنی نبوت سے پہلے بھی ایک ضعیف روایت بھی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے یا آپ کے کسی صحابی نے کسی نبی کو پکارا ہو یا کسی بھی غیر اللہ سے مدد مانگی ہو۔

جنابِ نبی کریم ﷺ کی دعا اور آپ کا روضہ مبارک

ہمارے پیغمبر جنابِ نبی کریم ﷺ چونکہ کامل واکمل، خاتم وختم پیغمبر ہیں، اس لئے آپ ﷺ کی قبر کعبہ معلّی کی طرح اور مقدس عرش کی طرح ایک محفوظ اور معلوم قبر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے آداب پندرہ سو سال ۱۵۰۰ سال کے بعد بھی قائم ودائم رکھے ہیں۔ کوئی بھی بدعتی اور مشرک وہاں جا کر بے ادبی یا اور کوئی خلاف عمل کام نہیں کر سکتا۔ ہمارے پیغمبر جنابِ نبی کریم ﷺ کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر انبیاء بنی اسرائیل تک کسی ایک پیغمبر کی قبر بھی قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں ہے۔ یہ بھی ہمارے پیغمبر جنابِ نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کمالات میں سے ہے کہ آپ ﷺ کی قبر بغیر شک شبہ،

تردد اور کھٹکے کے جس طرح صحابہؓ نے بنائی ہے اس طرح موجود ہے۔ کیونکہ اسلام اصل ہے قبر اصل نہیں ہے۔ ان انبیاء کی شرائع ختم ہو جاتی تھیں تو لوگ ان کی قبروں کی پوجا شروع کر دیتے تھے اور وہاں درگاہ بنا لیتے تھے۔

ہمارے رسول جنابِ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی "اللھم لا تجعل قبری و ثناً یعبد" (مشکوٰۃ ج۱ص۷۲، موطا امام مالک ص۱۵۹) خدایا میری قبر کو بت کی طرح نہ بنانا اور نہ ہی اس کا سجدہ کروانا۔ واضح رہے یہ اسلامی تعلیمات میں سے ہے کہ قبر کوئی جشن اور عید منانے کی جگہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی ہے اور ایسی قبول فرمائی ہے کہ وہاں موحد، مضبوط حکومت قائم ہے، مجال نہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا بدعتی بھی وہاں ٹیڑھا ہو کر چلے یا اپنی خرافات دکھائے۔ دیگر انبیاء بنی اسرائیل کی قبور اور تمام دنیا کے پیغمبر کی قبور نامعلوم ہونے کی وجہ ان کے شرائع کا ختم ہونا ہے اور ہمارے رسول جنابِ نبی کریم ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے، آپ ﷺ جن وانس، فرش سے عرش تک جمیع انبیاء ومرسلین کے سرتاج وسرخیل وامام وخطیب پیغمبر ہیں۔

واقعہ معراج ! بیت المقدس میں آپ ﷺ کی حاضری

جنابِ نبی کریم ﷺ بیت المقدس داخل ہوئے، مسجد القدس جو کعبہ کے چالیس سال بعد ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی ہے اور داؤد وسلیمان علیہم السلام باپ بیٹے نے تکمیل کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا صفِ اول سے لے کر دور تک صفیں بنی ہوئی ہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ یہ سب آپ ﷺ کی

اقتدا میں نماز پڑھنے آئے ہیں ۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں آکر ایک طرف بیٹھ گیا اور میں مطمئن تھا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے گا تو حضرت آدم (علیہ السلام) بیٹھے ہیں وہ ہم سب کے بڑے ہیں وہ پڑھائیں گے۔ یہ دستور ہے کہ لوگ اپنے بزرگ کو کہتے ہیں کہ حضرت آپ نماز پڑھائیں۔ پھر خیال ہوا کہ خلق دوبارہ، انسانیت کا قوام اور حیات حضرت نوح (علیہ السلام) سے ہے وہ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، وہ پڑھائیں گے۔ پھر خیال آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں صرف بنی اسرائیل میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) پیغمبر آئے ہیں۔ یہ جتنے ہیں اکثر ان کی ہی اولاد ہیں ان کو ابوالانبیاء بنی اسرائیل امام الموحدین کہا گیا ہے وہ تشریف فرما ہیں وہ پڑھائیں گے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور جبرئیلؑ نے مجھے کہا کہ آپ آگے ہو کر نماز پڑھائیں یہ تو آپ کے پیچھے پڑھنے آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو رکعات نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہوتے ہی محراب سے ہی ایک زینہ لگا ہوا تھا جو کہ آسمان تک تھا، جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس پر چلنا ہے۔

اب ذرا غور کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کو علم غیب ہوتا تو آپ ﷺ کو اس قسم کے اندازے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ فلاں نماز پڑھائے یا فلاں نماز پڑھائے۔ پورا معراج کا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو ذرہ برابر بھی علم غیب حاصل نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ تو وحی کے پابند ہیں۔

واقعہ معراج ! تحفۂ نماز

اسی معراج کے موقع پر آپ ﷺ کو نماز تحفہ میں دی گئی اور نماز سے آپ کی ایسی

محبت تھی جس کی کوئی مثال دنیا میں نہیں ملتی صرف ایک واقعہ بتاتا ہوں کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ آپ ﷺ بیمار تھے اور اتنے بیمار تھے کہ کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ چل بھی نہیں پاتے تھے لیکن ایسی حالت میں بھی آپ ﷺ ایک ہی بات پوچھتے تھے کہ کیا صحابہ نے نماز پڑھ لی؟ بیبیاں فرماتی تھیں نہیں وہ انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ پتہ ہے کہ حضرت ﷺ بیمار ہیں کئی دن سے مگر ہر نماز میں صحابہ کرامؓ انتظار فرما رہے ہیں جب یہ اندیشہ ہو جاتا تھا کہ کہیں وقت نہ نکل جائے تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی جاتی اور وہ جماعت کراتے تھے اور اس دوران دو چار مرتبہ آپ ﷺ کوشش کرتے تھے اٹھنے کی پھر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے کہا کہ علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو بلاؤ۔ علیؓ داماد ہیں اور بھتیجے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ طویل العمر چچا ہیں، آپ ﷺ نے دونوں حضرات کو بلوایا اور ان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد تشریف لائے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک زمین پر رگڑتے ہوئے جارہے تھے لیکن آپ ﷺ نے کبھی بھی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۹۱،۹۲)

آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ اس محبوب نبی کی امت نے اس کی سب سے محبوب چیز نماز کے ساتھ کیسا تعلق روا رکھا ہے، پڑھی تو پڑھ لی اور نہ پڑھی تو نہ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ایمان و اعمال کی حفاظت فرمائے اور دین اسلام کی حفاظت فرمائے اور تمام مسلمانوں کو باہم شیر شکر فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چالیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ
ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعما لنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ
ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
واشہد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کا
فۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراًونذیراًوداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا
منیرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا o يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا o وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا o وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا o (سورۂ احزاب آیت ۳۱ تا ۳۴)

اخرج البخاری و المسلم فی صحیحیہما عن ابی ہریرۃ عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال سبعۃ یظلہم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ امام عادل
و شاب نشأ فی عبادۃ اللہ و رجل معلق قلبہ فی المساجد و رجلان تحابا فی اللہ
اجتمعا علیہ و تفرقا علیہ و رجل دعتہ امرأۃ ذات منصب و جمال فقال انی
اخاف اللہ و رجل تصدق بصدقۃ فاخفاہا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ
و رجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ (بخاری ج۱ ص۱۹۱، کتاب الزکوٰۃ)

اللہم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ
وبارک وصل وسلم علیہ

ہر کسے با ظن او شد یار من
وز درون کس نہ جست اسرار من

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت قطعی مسئلہ ہے

قابل قدر بزرگو، محترم بھائیو اور عزیز دوستو ! اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی

عظمت اور ان کی نیکی کو اپنانا بہت بڑی نیکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی عظمت، صداقت، کمال اور جامعیت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ذریعے سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی اور الوہیت کے ظہور کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے ہیں۔ باوجود یہ کہ وہ بھی انسان اور بشر محض تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں صفات اور کمالات ہر مخلوق اور زمین پر بسنے والے ہر آدمی سے بڑھ کر عطا فرمائے۔ انسان وہ اس لئے تھے تا کہ انسانوں کے لیے نمونہ بن کے رہیں۔ قرآن کریم سورۂ انفال میں ہے کہ اگر انبیاء انسان کے بجائے فرشتہ اور ملک ہوتے ''وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ'' (سورہ انعام آیت ۹) تو لوگوں کو خلط ہو جاتا۔ لوگ یہ کہہ دیتے کہ وہ تو کھانا نہیں کھاتے ہیں تو کھانے کے آداب ان سے کیسے سیکھیں، فرشتے تو کھانا نہیں کھاتے، وہ پانی نہیں پیتے تو شرب کے آداب و احکام کہاں سے صادر ہوں گے۔ اسی طرح فرشتوں کے انسانی اور بشری تقاضے نہیں ہیں ان کے بچے نہیں ہوتے، نسل کی افزائش نہیں ہے، اولاد کے مسائل اور تربیت کے مسائل کیسے ضبط کیے جاتے اور بھی بہت سے مسائل ایسے ہیں جو فرشتوں سے متعلق نہیں ہوتے، اس طرح بڑے مسائل پیدا ہوتے اور ان کو حل کرنے والا کوئی نہ ہوتا، جن اور انس ملائک کی اطاعت اور فرمانبرداری کس طرح کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بشر اور انسان پیدا فرمایا ہے ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' ''آپ ﷺ فرمایئے میں بشر ہوں تمہارے جیسا'' ''يُوْحٰى اِلَيَّ'' لیکن میرے پاس وحی آتی ہے ''اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' کہ مشکل کشا اور

حاجت روا اور کارساز اور معبود تمہارا صرف ایک ہے۔ ''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ'' ''جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی'' ''فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا'' اس کو چاہیے شریعت کے مطابق عمل کرے، عمل صالح شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ ''وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا'' ''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور کسی کو شریک نہ کرے، یعنی عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اس کا علم ہے، اس کا اختیار و تصرف ہے وہی عقائد کسی اور کے لئے بھی ماننا شرک کہلاتا ہے، اسی لئے فرمایا'' ''وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا'' (سورہ کہف آیت ۱۱۰)

کھانا، پینا، سونا، عین بشریت ہے

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی انسانیت اور بشریت کو بہت واضح فرمایا ہے۔ ''كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ'' (سورہ مائدہ آیت ۷۵) ایک موقع پر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے بارے میں عیسائیوں نے کچھ پیچیدگیاں پیدا کی تھیں اور غلط باتیں کی تھیں تو قرآن نے اس کا رد کیا اور فرمایا کہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ کھانا کھانے میں چالیس (۴۰) کے قریب حکمتیں ہیں، کھانا وہ کھاتا ہے جو مخلوق ہو، خالق کھاتا یا پیتا نہیں ہے، جب کھانا کھاتا ہے تو بھوک بھی لگتی ہے، جب بھوک لگتی ہے تو اعضاء اور عناصر جسم میں تناؤ اور کھنچاؤ بھی آئے گا تغیر و تبدیلی بھی واقع ہوگی اور تغیر سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، جب بھوک لگتی ہے تو پھر پیاس بھی لگے گی، جب پیاس لگے گی تو پانی اور مشروب کا احتیاج ہوگا اور جس میں احتیاج ہوتا ہے وہ الٰہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ غیر محتاج ذات ہے جو کھاتا بھی ہے

اور پیتا بھی ہے تو اسے گرمی بھی لگے گی اور سردی بھی لگے گی، جب گرمی سے بچنے کے لئے سرد چیزوں کا اور سردی سے بچنے کے لئے گرم چیزوں کا محتاج ہے تو وہ مخلوق ہے۔ خالق کے لئے احتیاج نہیں ہے وہ ماوراء الوراء ہے۔ پھر گرمی میں اس کے مطابق لباس کی ضرورت اور سردی میں اس کے مطابق لباس کی ضرورت، ان سب چیزوں سے انسان کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور جو ان ضروریات کے درمیان گھرا ہوا ہو وہ کبھی بھی الہٰ نہیں ہوتا بلکہ وہ مخلوق میں ہوتا ہے۔

تو جس کو کھانے اور پینے کی بھی ضرورت ہے اور گرم اور سردی کی بھی حاجت پیش آتی ہے تو اسے نیند بھی آتی ہے اور اونگھ بھی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ "(سورہ بقرہ آیت ۲۵۴) اللہ تعالیٰ کو نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی اونگھ آتی ہے۔ اسی طرح جسے کھانے اور پینے کی حاجت ہے، سونے اور جاگنے کی حاجت ہے تو اس پر غفلت بھی طاری ہوگی۔ جب آدمی سو جاتا ہے تو جاگنے سے بے خبر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز سے غافل نہیں ہے" وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ "(سورۂ ال عمران آیت ۹۹) اللہ تعالیٰ تو غافل ذات نہیں ہے وہ تو ہمہ وقت بیدار ہے۔ جو غفلت کا بھی شکار ہو مدہوش بھی ہو، بے ہوش بھی ہو نیند اور اونگھ کا بھی شکار ہو تو پھر وہ بھول چوک سے بھی مبرا نہیں لیکن اللہ رب العزت فرماتے ہیں" وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا "(سورۂ مریم آیت ۶۴) تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ وہ کبھی بھولے۔

ان تمام تقاضوں کے نتیجے میں جب آدمی کو رزق ملے، مشروب ملے، آرام ملے،

راحت ملے، گرمی سے بچ سکے، سردی سے بچ سکے، اس کے بھوک و پیاس کا علاج ہو سکے، تو جب کبھی ان تمام چیزوں کا غلبہ ہو گیا یا کمی ہوگی تو ان چیزوں کے غلبہ کو یا کمی کو بیماری کہتے ہیں اور اس کے تناسب کو صحت کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بیماری سے بھی مبرّا اور منزہ ہے اور صحت سے بھی مبراء ہے جبکہ مخلوق بیمار بھی ہو جاتی ہے۔

بیوی بچوں کا ہونا، عین بشریت

جنہیں بیماری ہوتی ہے تو کبھی صحت بھی ملتی ہے تو پھر صحت میں توانائی بڑھتی ہے۔ انسان جب کھائے پیئے، سوئے، آرام و راحت کر لے اور اس کی صحت و تندرستی کمال کی ہو تو اس کو زندگی کی بہاریں نبھانے کے لئے ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے سکون کے لئے تمہی میں سے عورت کو اس قابل بنایا ہے" لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا "(سورہ اعراف آیت ۱۸۹) تاکہ تم اس کے ذریعہ سکون حاصل کر سکو۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا" وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا "اللہ تعالیٰ نے پانی سے انسان کو پیدا کیا ہے۔" فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا "اور پھر اس کے لئے نسب جس سے یہ پیدا ہے اور صھر، سسرال جس سے اس کی بیوی پیدا ہے، ان دونوں کو اس کا عزیز قریب اس کا محبت کرنے والا بنایا ہے" وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا "(سورۂ فرقان آیت ۵۴) اور آپ کا رب سب کچھ کر سکتا ہے۔ بیوی کی ضرورت بھی کمال انسانیت ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا کہ" اربع من سنن المرسلین الحیاء و التعطر والسواک و النکاح" (ترمذی کتاب النکاح)

ج ا ص ۲۰۶) چار کام تمام انبیاء کی سنت ہیں خوشبو کا استعمال، مسواک کا استعمال، حیاء و پاکدامنی اور نکاح۔ انبیاء پاک دامن اور مقدس ہوتے تھے اور پاکدامنی اور تقدس کے لئے ازدواج شرط ہے۔ مخلوق کی تقدیس کے لئے عوامل اور بواعث کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخلوق کی مالک ومختار جو ذات ہے وہ کسی چیز کی محتاج نہیں ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اطاعت نجات کا باعث ہے

مخلوق میں پھر انبیاء کرام صفت عفت، شان کبریائی اور تقدس الوہیت کے پرتو ہیں۔ وہ ایک ایسی مخلوق ہے جو کہ خلائق میں سب سے بہترین، خدا تعالیٰ کے یہاں معتمد، مخلوقات کے لئے نمونۂ عمل، دنیا میں بسنے والی تمام مخلوقات کے لئے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم قرار دے دی گئی۔ انہی کی اطاعت وفرمانبرداری پر نجات موقوف رکھی گئی "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا کہا مانا جائے اور ان کے اقوال وافعال کو اپنایا جائے۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" اور اگر یہ لوگ بڑی زیادتی اور ظلم کر چکے ہوں اور آپ کے پاس آئیں، ہر گناہ، ہر ظلم، ہر معصیت، ہر فسق وفجور یہاں تک کہ شرک اور کفر کر کے بھی اگر پیغمبر کے قدموں میں آجائیں اور ان کی اطاعت بجا لائیں "فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ" اور پھر یہ اللہ سے معافی مانگیں اور حضرت ﷺ بھی ان کو معاف فرمائیں، اور ان کے لئے معافی کی درخواست کریں" لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (سورۂ نساء آیت ۶۴) تو یہ پائیں گے اللہ تعالیٰ کو توبہ

قبول کرنے والا اور خوب مالامال کرنے والا۔

دو شرطیں بیان ہوئیں، ایک تو یہ کہ جناب نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہو اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ کا قرب اور صحبت ہو۔

اطاعت کی مثال : ایک آدمی صبح نماز پڑھتا ہے دو رکعت فرض، ظہر میں چار فرض، عصر میں چار فرض، مغرب میں تین فرض، عشاء میں چار فرض اور ہر نماز کے لئے وضو کرتا ہے۔ وہ وضو خانے میں آیا اس نے ہاتھ دھوئے کہنیوں تک، چہرہ دھولیا، سر کا مسح کیا اور دونوں پیر ٹخنے تک دھو کر کھڑا ہو گیا، یہ اس کا فرض وضو ہو گیا ہے، نماز بھی ہو جائے گی لیکن یہ شخص سنت سے محروم ہے اس نے آپ ﷺ کی اطاعت بجا نہیں لائی لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا شخص پورا اہتمام کرتا ہے وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھتا ہے، کلی بھی کرتا ہے ناک بھی صاف کرتا ہے، دعاؤں کا بھی اہتمام کرتا ہے یہ شخص سنت کا متبع ہے، مطیع ہے۔

تقرب کی مثال : ایک شخص مکہ مکرمہ گیا اور بہترین حج کر کے فارغ ہوا اور تمام ارکان بھی مکمل طور پر ادا کئے لیکن مدینہ منورہ نہیں گیا، وہ یہ کہتا ہے کہ مدینہ منورہ جانا حج کا حصہ نہیں اور حج کے فرائض میں بھی شامل نہیں ہے۔ یہ شخص نبی کریم ﷺ کے تقرب سے محروم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو موقع ملے اور میرے پاس نہ آئے وہ بڑا ظالم ہے، یہ شخص ظالم شمار کیا جائے گا۔

ہر عمل میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت لازمی ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑا دکھایا گیا اور

کہا گیا کہ یہ بہت خوبصورت کپڑا ہے آپ اسے لے لیں، جب مہمان آتے ہیں یا آپ کہیں مہمان بنیں تو اسے پہن لیں، جمعہ کے لئے اور بڑی نمازوں کے لیے بھی آپ ﷺ اسے استعمال کریں، جب آپ ﷺ نے اس کپڑے کو دیکھا تو وہ بہت چمکیلا سا تھا اور اس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ''لا ینبغی ھذا للمتقین'' (بخاری ج ۲ ص ۸۶۳) یہ کپڑا اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے مناسب نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ اسطرح کا لباس پہنیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ لباس کے مسئلے میں نبی ﷺ کی اطاعت اور نبی ﷺ کے تقرب کے کچھ خاص شعون اور مواطن ہیں۔ ان تمام آداب کا اہتمام کرنا اور لباس میں سنت کا مکمل اہتمام کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں ابو داؤد شریف جلد اول کتاب الصلوۃ، جلد ۲ کتاب اللباس میں ہے کہ آپ ﷺ تشریف فرما تھا کہ اس دوران ایک شخص آیا اور اس نے اپنی نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اذھب فتوضا'' جاؤ وضو کرو، اس نے دوبارہ وضو کیا اور پھر نماز پڑھ کے آیا آپ ﷺ نے دوسری بار بھی فرمایا کہ وضو کرو، وہ جا کر وضو کر کے آیا اور نماز پڑھی اور تین چار مرتبہ ایسا کرنے کے بعد پھر پیغمبر کی صحبت میں آ کر بیٹھ گیا اور آپ ﷺ سے کہا کہ یہی میرا وضو ہے یہی میری نماز ہے مجھے تو اس سے بہتر نماز نہیں آتی آپ ﷺ مجھے سکھائیں کہ کس طرح پڑھوں۔ صحابہ پر آداب کا غلبہ دیکھیں کہ تین چار مرتبہ جب عمل کر کے تھک گئے تو آ کر معافی مانگنے لگے، یہ نہیں کہ پہلے سے کھڑا ہو جائے کہ کیا غلطی کی ہے میں نے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے وضو بھی کیا اور نماز بھی پڑھی ہے لیکن تیرے ٹخنے شلوار کے

پائنچوں میں ڈھکے ہوئے تھے'' انہ کان یصلی وھو مسبل ازارہ '' (اسبال الازار کے معنی شلوار اتنی نیچے ہو کے اس کے پائنچے ٹخنوں پر پڑے ہوئے ہوں) ''وان اللہ جل ذکرہ لا یقبل صلوۃ رجل مسبل ازارہ '' (ابوداؤد ج ۱ ص ۹۳، ج ۲ ص ۵۶۵) اور اللہ ایسے مسلمان کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پائنچے ٹخنوں کے اوپر پڑے ہوئے ہوں۔ آج لوگ اپنے آپ کو جدید کلچر کے غلامان سمجھتے ہیں اور اسی کے مطابق چلتے ہیں ان کے خیال میں یہ بڑی کمزور بات ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے والے کی نماز دوبارہ پڑھوائی۔

چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ پر بھی غیرت کرنا ایمان کا تقاضا ہے

ایمان کے بعد سب سے بڑا مسئلہ نماز کا ہے۔ آج آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز تو ہر طرح ہو جاتی ہے تو کل یہ کہیں گے کہ جی ایمان کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی اس ایمانی کمزوری کی وجہ سے مغرب، ملحدین اور عالمی کفار آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن اور اسلام کی بے حرمتی کرتے ہیں کیونکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ یہ اپنے دین کے بارے میں بہت کمزور ہو چکے ہیں، ان میں مذہبی جرأت باقی نہیں ہے انہیں ہر بات کو ماننے کی غلط عادت ہو گئی ہے۔ جبکہ پیغمبر ﷺ کو دیکھیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا آپ ﷺ چاہتے تو کہہ سکتے تھے کہ چلو کوئی بات نہیں ابھی ٹخنے ڈھک کر نماز پڑھ لو بعد میں ٹھیک طرح پڑھ لینا لیکن حضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے امتی اور صحابی پر ناراضگی بھی ظاہر فرمائی اور اس کو بہترین تعلیم فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ اسلام کے

اندر لباس کی بھی پابندی ہے لباس کے مسئلہ میں مسلمان بالکل آزاد نہیں ہیں، اگر اس نے لباس کے مسئلہ میں آوارگی اختیار کی اور اجنبیت اپنائی اور دوسروں کی تقلید کی تو یہ اپنے نبی کے تقرب سے محروم ہو جائے گا اور اس کو مذہبی تقدس نصیب نہیں ہوگا، یہ انسانوں میں حیوان کی طرح ہے اور مسلمانوں میں غیر مسلم کی طرح زندگی گزارے گا۔ سخت ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور وہ خود اس بات کو دیکھ لیں کہ کہاں کہاں عمداً یا سہواً شریعت اسلامیہ کی حدود کو پامال کر رہے ہیں۔

اپنا محاسبہ اور اپنے اسلافِ کاملین کے نقوش کا تحفظ سب کی ذمہ داری ہے

شریعت کا آئینہ سب کے سامنے صاف ستھرا موجود ہے اس میں اپنی شکل اور اپنے اعمال کو دیکھا جا سکتا ہے، جب تک مومن اپنی زندگی پر نظر ثانی نہیں کرے گا کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، دوسروں کے سہارا دینے سے کبھی بھی پروان نہیں چڑھے گا، دن بدن گرتا جائے گا۔

آج سیاسی شعبدہ بازوں نے شعبدہ بازیاں اپنائی ہیں۔ اگر وہ کوئی مسئلہ بھی اٹھاتے ہیں تو اس میں نہ ایمان ہوتا ہے نہ دین ہوتا ہے۔ وقتی آہ وفغاں ہوتی ہے لیکن جب حکومت سے اپنے مراسم استوار کر لیتے ہیں تو اپنے اسی مسئلہ کو بغیر کسی قبرستان کے کہیں بھی دفنا دیتے ہیں۔ ان سے کون پوچھتا ہے کہ کل تو آپ اس پر جلوس نکال رہے تھے، ریلیاں نکال رہے تھے اور آج خود خاموش ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ راہنمائی کے قابل جو لوگ ہیں وہ کبھی بھی حکمران نہیں بنے اور جو رہنماؤں کے منصب کو سنبھالے ہوئے ہیں وہ اس کے اہل

ہی نہیں ہیں۔ کتنا زمانہ گزر گیا اور یہ امت اب تک ایک ایسے قلندر رمقتدا سے محروم ہے جو ان کو صحیح سمت پر ڈال سکے۔ یہ تو خدا تعالیٰ نے کرم کیا کہ ہمارے اولین ایسے صالحین وکاملین گزرے ہیں کہ ۱۵۰۰ سال کے بعد بھی ان کے دامن پکڑنے میں ہماری عزت ونجات موجود ہے۔ آج ہم امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ مانتے ہیں تو ہماری نمازیں، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور دیگر تمام معاملات صحیح ہیں، ہم امام بخاری رحمہ اللہ پر حدیث میں اعتماد کرتے ہیں تو ہم مغضوبات، جھوٹی احادیث سے بچے ہوئے ہیں۔ ان سب سے پہلے ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دینی راہنما اور رہبر مانتے ہیں تو ہمیں پیغمبر اسلام ﷺ پر اعتماد حاصل ہے کیونکہ ہمارا طبقہ اولیٰ نہایت کامیاب وسرفراز رہا ہے۔

جنابِ نبی کریم ﷺ کے قرب اور شفاعت کے لئے اعمال بہت ضروری ہیں

جناب نبی کریم ﷺ کے قریب ہونا یہ اعمال کے ساتھ ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص پاس رہتا ہو اور وہ محروم ہو جائے، مکہ کے مشرکین اور مدینہ منورہ کے منافقین آنحضرت ﷺ کے پاس رہتے تھے لیکن وہ کبھی بھی حضرت کے اپنے نہیں ہوئے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ۱۵۰۰ سال بعد لوگ آئیں اور وہ ایمان وعمل میں نبی ﷺ کے قریب ہوں۔ مسند احمد میں اور صحیح مسلم میں اور دیگر معتبرات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر پوچھا" قد راینا اخواننا " کیا تم میرے بھائیوں کو جانتے ہو، قالوا: تو صحابہ نے کہا کہ "او لسنا اخوانک یا رسول اللہ" ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں اے اللہ کے رسول۔ قال: آپ ﷺ نے فرمایا کہ "انتم اصحابی " تم تو میرے صحابی ہو، صحابیت خود

ایک منزلت اور مرتبت ہے جو کہ قیامت تک کسی اور کو نصیب نہیں ہوگا۔ پھر انہوں نے کہا کہ جب اخوان ہم نہیں ہیں تو پھر ملائک ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "واخوانـنـا الـذین لم یاتوا بعد" (مسلم ج ۱ ص ۱۲۷) ہمارے بھائی وہ ہیں جو بعد میں آئیں گے۔ مطلب حضرت ﷺ کے ارشاد کا یہ تھا کہ انہوں نے ہمیں دیکھا نہیں ہوگا لیکن ہم پر ان کا ایمان پختہ ہوگا۔ یعنی پیغمبر کے تقرب اور دینی تقدس کے حصول کے لئے جو اعمال ضروری ہیں ان میں کوتاہی اور کمی نہیں ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ پندرہویں صدی میں مسلمان جب سنتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی ہوئی ہے تو اس کے خون میں آگ لگ جاتی ہے اور اس کا جسم جھلنے لگتا ہے کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ایمان کے معادن اور مراکز، مکرم اور معزز ہیں اور وہ نبی کی ذات اور اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب، ملاحدہ اور وہاں کے کفار مسلسل مسلمانوں کے استحصال پر اتر آئے ہیں اور ان کی بیخ کنی کو اُنہوں نے اپنا منشورِ حیات بنایا ہے۔

دینی شعائر کی بے حرمتی پر احتجاج ہر مسلمان کا حق ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کسی فریق کی بے حرمتی کے ارتکاب کے بعد ہمارے احتجاج سے ہی اس کا کفارہ اور مداوا ہو جائے گا؟ کہ لوگ سڑکوں پر نکل آئیں اور ہنگامہ کریں اور جھنڈے اٹھائیں اور لہرائیں، ٹھیک ہے سیاست ہے ملکوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ لوگ اس بات پر ناراض ہیں اور ناراضگی ظاہر کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا مسلمان خود بھی قرآن کے احترام اور آداب کا خیال رکھتے ہیں، دینی شعائر کو عزت

اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں یا نہیں؟ چند روز قبل ایک موقر اخبار میں لکھا ہوا دیکھا کہ جس عورت نے عورتوں کی دوڑ لگوائی اور اس کو روکا گیا تو اس کو اب دوبارہ ملک کے برسر اقتدار افسر نے کہا ہے کہ آپ جس وقت اور جب چاہیں اپنی ریس نکال سکتی ہیں۔ آخر اس پہلی کوشش اور اس محنت اور قربانی کا فائدہ کیا نکلا جب آپ اپنے ملک کے اندر ہی بے دینوں سے متاثر ہیں اور گھبرائے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی آپ کا بھی ایجنڈا ہے در حقیقت آپ بھی انہی کے ایجنٹ ہیں۔ ہماری قوم بھی کس قدر بے شعور ہے، یہ آج تک کسی نے نہیں پوچھا کہ یہ ریس جس میں عورتیں دوڑتی ہیں یہ آخر کس چیز کی یادگار ہے، یہ کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں کہ اس سے عورتوں کی صحت اچھی ہو جائے گی، تو پھر چاہئے تو یہ کہ ہسپتالوں سے بیمار عورتوں کو اٹھائیں اور انہیں بھی دوڑائیں۔ اس کے اور بھی طریقے تھے اگر یہ واقعی عورتوں کی صحت کی فکر میں ہوتا تو چاہئے تھا کہ ایسی جگہ ہوتی کہ وہاں صرف عورتیں ہوتیں، مردوں کا وہاں سے گزر بھی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ہمیں تو مؤرخین نے یہ بتایا ہے اور تاریخ طرابلس اور دیگر کتبِ تاریخ میں لکھا ہے کہ اسلامی حکومت جب ختم ہوگئی تو محلوں سے اسلامی حکمران کی بیٹیاں اور عورتیں اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہی تھیں، یہ اس کی نقل ہے۔ اس لئے جب بھی آپ ان سے اس کی تاریخ پوچھیں گے تو یہ نہیں بتائیں گے کہ یہ کس مقصد کی ریس ہے۔ ریس تو مکرانی گدھوں اور خچروں کی بھی کرواتے ہیں، گدھے اور خچروں کی ریس لگے تو لگے ہمیں اس سے کیا، لیکن جب مسلم معاشرے کی بیٹی، بہن، ماں بے پردگی کے ساتھ سڑکوں پر دوڑتی ہے تو ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے۔

پردہ وحجاب دین کا بہت اہم مسئلہ ہے

پردہ اسلام کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے اس کی توہین اور اس کی بے عزتی اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ اس پہ کیسی چھریاں چلائیں جاتی ہیں۔ یہ ہماری فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ جب کسی خاتون کی عفت وپاکدامنی اور اس کی تعلیم میں تعارض آرہا ہو تو اس کے پردے کو ترجیح دی جائے گی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال اس طرح سمجھیں کہ نماز کے دوران اگر مرد ضرورت محسوس کرے یا کوئی مسئلہ پیش آئے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ اپنی آواز بلند کرلے گا تسبیح زور سے پڑھ لے گا یا نماز کا کوئی کلمہ زور سے ادا کرلے گا لیکن خاتون کے لئے حکم ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گی بلکہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارے گی اسے 'تصفیق' کہتے ہیں۔ ''قال قال رسول اللہ ﷺ التسبیح للرجال والتصفیق للنساء'' (ترمذی ج۱ ص۸۵ قدیمی) کیونکہ اسلام نے عورت کی آواز کا بھی پردہ رکھا ہے۔ لیکن یہی عورت آج اتنی جری ہوگئی ہے کہ آواز تو چھوڑیں نعرے بھی لگاتی ہے اور دوڑ بھی لگارہی ہے۔ ہم یہ شور اور واویلہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں صدمہ پہنچتا ہے جب ہم دین کی اس قدر مخالفت اور وہ بھی اپنی مسلمانوں میں دیکھتے ہیں، دینی شعائر کی بے حرمتی کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے کوئی شخص بھی ایسا نہیں کرسکتا اور جس نے بے دینی میں جس قدر حصہ ڈالا اتنا ہی وہ اللہ کے یہاں بہت جلد ذلیل ہوجائے گا۔

ازمکافاتِ عمل غافل مشو	گندم از گندم بروید جواز جو

کیکر کے درخت سے کسی نے میٹھے شہتوت نہیں کھائے اور شہتوت کے درخت سے کسی کو کیکر کے کانٹے نہیں چبھے۔ ''اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ'' تم اگر بھلا کرو گے تو اپنے لئے کرو گے تمہیں ہی اس کا فائدہ ہوگا'' وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا'' (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷) اور اگر تم بگڑ کے چلو اور نافرمانی کرو گے تو تم ہی تباہ ہوتے چلے جاؤ گے۔ یہ قرآن کریم ہے جو لائحہ عمل بتارہا ہے اور جو قاعدے اور ضابطے بتارہا ہے سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس پر مکمل طور سے عمل کریں۔ لیکن کتنی بڑی بدبختی اور محرومی کی بات ہے کہ مغرب کی طرف سے جو بے حرمتی ہوتی ہے وہ تو کافر ہیں اور کفار محض ہیں ہمارے مشرق نے بھی اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ ''رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ'' (سورہ رحمٰن) اللہ دونوں کے ساتھ نمٹے گا اور دونوں کا محاسبہ ہوجائے گا۔

پرائے لوگ تو پرائے ہی ہوتے ہیں ان سے کون شکایت کرسکتا ہے، لیکن یہ ہمارے لوگ جو دین کے مسائل کا لحاظ نہیں کرتے اور شعائر اسلام کی حفاظت میں کوتاہی کرتے ہیں تو بہت افسوس ہوتا ہے۔

تصویر سازی اسلام میں کسی طرح جائز نہیں

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بڑے بڑے سیاسی زعماء بھی دنیاوی رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور معاشرے سے متاثر ہوکر خوب تصاویر بنواتے ہیں اور ٹیلی وژن پر بھی آتے ہیں۔ یاد رکھنا اسلام میں جس طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ کتے کا گوشت تاہل استعمال نہیں ہے اور بلی حرام ہے اس طرح اسلام میں یہ مسئلہ بھی بالکل واضح ہے کہ تصویر ذی روح

کی حرام نا جائز ہے۔

بت پرستی دین احمد میں کہیں آئی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

بخاری شریف میں ہے اور مسلم میں بھی کہ "انّ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون" (بخاری ج۲ص۸۸۰، مسلم ج۲ص۲۰۱) قیامت کے دن سب سے بڑا عذاب تصویر والوں کو ہوگا۔ تصویر والوں میں کئی لوگ شامل ہیں۔ کھینچنے والا، کھنچوانے والا، خریدنے والا، بیچنے والا، پسند کرنے والا، رکھنے والا وغیرہ، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ دس (۱۰) آدمی اس کے ذیل میں آتے ہیں۔ پیغمبر کا کلام تو جوامع الکلم ہوتا ہے، ایک ہی لفظ میں سارے جہاں کو گھیر لیتے ہیں۔ یہ تصویر جو اسلام میں اتنا بڑا گناہ ہے اب اتنی عام ہوگئی ہے کہ نکاح میں تصاویر، جنازوں تک میں تصاویر، چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی کیفیت میں تصاویر بن رہی ہیں۔ یہ سب کون بنا رہے ہیں، یہ اسلام کی بے حرمتی کس کے ہاتھوں ہو رہی ہے؟ ہم صرف غیروں پر ہی الزام رکھ دیتے ہیں اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے کہ ہم اسلام کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا عرب سے
پردیس میں آ کر وہ غریب الغرباء ہے

یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ نیک لوگ بھی اب تو تصاویر کے مرتکب ہیں اور اسے سیاست اور ضرورت کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب یاد رکھیں کہ قیامت کا دن ہوگا، ان کا گریبان ہوگا اور محمد رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ہوگا۔

پندرہویں صدی میں دنیا نے ایک ملک ایسا دیکھا جس کے امیر المؤمنین کی آج تک کسی کو تصویر ہاتھ نہیں آئی، وہ واقعی سچے اور پختہ مسلمان تھے۔ آج تک اپنے اور پرائے کو ان کی تصویر ہاتھ نہیں آئی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ نوٹ پر بھی تو تصویر ہے وہ تو آپ کے پاس بھی ہے، آپ حج کرنے جاتے ہیں تصویر لگانی پڑتی ہے، شناختی کارڈ پر بھی تصویر ہوتی ہے۔ ان تمام امور کی ذمہ دار حکومت وقت ہے جس نے ان چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ ہم اپنے اختیار سے جس میں ہم خود اتھارٹی ہوں، ہمارا خود کا اختیار ہو، کسی بھی جگہ تصویر بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام میں تصویر سازی نا قابل برداشت عمل ہے۔ محض فحاشی اور عیاشی کی چیزیں ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن تصویر والوں کو عذاب ہوگا تو ایک آدمی جس کا کام و کاروبار یہی تھا کہ وہ تصویریں بناتا تھا، اس کو یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی اور اسے بہت غصہ آیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب اسے دیکھا تو فرمایا کہ "ویحک ان ابیت ان تصنع فعلیک بھذا الشجر کل شئی لیس فیہ روح" (بخاری شریف ج۱ ص۲۹۶، مسلم ج۲ص۲۰۲) او ظالم تباہ ہو جا اگر باز نہیں آسکتا ہے تو درختوں کی تصویر بناؤ یا اس چیز کی کہ جس میں روح نہ ہو۔ لیکن ذی روح کی تصویر بنانے کی کسی طرح بھی اجازت نہیں ہے۔

ہمیں پتہ ہے کہ مغربی میڈیا اور موجودہ نشریہ بلکہ اپنوں کی سیاست تک اس سے باز نہیں وہ اس کو جدید دور کی ضرورت کہتے ہیں اور عذر پیش کرتے ہیں کہ ان خیالات میں مبتلا ہو کے ہم پیچھے رہ جائیں گے لیکن میں پہلے بھی کہتا تھا، اب بھی کہتا ہوں اور آئندہ بھی

کہتا رہوں گا کہ اگر یہ اس سے توبہ کرلیں اور مکمل طور پر باز آجائیں تو یہ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کتنی بڑی عزت رکھے گا اور انہی کی فتح ہوگی، گناہ میں بھی ملوث ہو رہے ہیں خدا تعالیٰ کو بھی ناراض کیا ہوا ہے تو فتح ونصرت کہاں سے انکا ساتھ دے گی، مجھے کہتے ہیں کہ آپ بہت زیادہ سخت ہوتے جارہے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں کہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

حق بولنا، حق کی حمایت کرنا حق ہے اور حق بولنا اور سننا اہل حق کا حق ہے۔ وہ اپنے نبی کی وحی کو سن کر اس پر ایمان تازہ کریں۔ وہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور پکڑ میں ہیں، جو معذور ہیں اللہ انہیں معاف فرمائے۔

یہ اسلامی تعلیمات اور ہدایات ہیں، تمام مسلمان اس کے ماننے کے پابند ہیں۔ مسلمان صرف مانے گا نہیں بلکہ ان مسائل کو منوانا بھی مسلمانوں ہی کا فرض ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اندر اس کی بھی غیرت پیدا کریں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا غیرت بھرا جواب

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو کچھ غیر مسلموں نے کہا کہ سنا ہے تمہارے پیغمبر تمہیں سب کچھ بتاتے ہیں؟

''قیل لہ لقد علمکم نبیکم کل شئی حتی الخراۃ''

یہ ان کی طرف سے ایک طنزیہ سوال تھا اور ان کا مقصد اس سے حضرت سلمان

رضی اللہ عنہ پر طنز کرنا تھا، جیسے کوئی آپ سے یہ کہے کہ آپ کے مولانا تو ہر بات جمعہ میں کہہ دیتے ہیں تو آپ جواب میں کہہ دیں کہ کیا کریں جمعہ تو پڑھنا ہے، یہ معذرت خواہانہ انداز کا جواب ہے، ناواقفوں کا انداز ہے۔ حضرت سلمان تو پیغمبر کے صحابی ہیں وہ ایسے نہیں ہیں آسمان کے ملائک بھی ان جیسے مضبوط نہیں ہو سکتے، ان کی تربیت نبی کریم ﷺ نے ایسی کی تھی کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو کہا کہ ''اجل'' (ابوداؤد ج ۱ ص ۳) بالکل ہمارے پیغمبر ہمیں سب کچھ سکھاتے ہیں۔

ہم استنجا کے احکام میں بھی دین کے پابند ہیں اس میں بھی ہم بے دین نہیں ہیں۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کی برکات ہیں کہ اس میں تمام تعلیمات موجود ہیں، حکمران بھی صحیح چلنے کے پابند ہیں، طالب علم بھی صحیح چلنے کا پابند ہے، فاسق وفاجر قسم کے سیاستدان بھی صحیح چلنے کے پابند ہیں اور مولوی سیاستدان بھی صحیح چلنے کا پابند ہے، یہ سب اسلام کے سامنے جواب دینے کے پابند ہیں۔

مقرب را بیش بود حیرانی

اپنوں اور قریب کے لوگوں سے تو زیادہ گلہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ شکایت تو انسان اپنوں ہی سے کر سکتا ہے بیگانے اور دور کے لوگوں سے تو کوئی شکایت نہیں کرتا اور کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔

قرآن کریم کی عظمت اور اس کی توہین پر مسلمانوں کا احتجاج

ملک بھر میں اور دنیا بھر میں مسلمان سراپا احتجاج ہیں کہ قرآن کریم کی حرمت اور

عظمت کے خلاف ہوا ہے۔ بلا شبہ قرآن کی عظمت اور احترام پر مسلمان کٹ مر سکتا ہے۔ قرآن کا احترام پورے اسلام کا تقدس ہے اور قرآن کریم کا تقدس جناب رسول اللہ ﷺ کی عزت کی دلیل ہے۔ "وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ" "یہ کتاب واقعی بڑی گرانقدر ہے"، "لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ" "نہ آگے سے کوئی گڑبڑ کر سکتا ہے نہ پیچھے آنے والوں کو کوئی اجازت ہے۔" "مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ" "معنی میں بھی کوئی تحریف نہیں ہو سکتی اور لفظی تحریف بھی نہیں ہو سکتی" "تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ" (سورہ حم سجدہ آیت ۴۱، ۴۲) یہ نازل شدہ ہے اللہ حکمت والے کی طرف سے جو خوبیوں کا مالک ہے۔ یہ کتاب نازل شدہ ہے حکیم کی طرف سے تو "کتاب الحکیم" اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ حمید ہے تو قرآن مجید، فرقانِ حمید بھی ہے۔ اپنی الوہیت اور خدائی کے جلوے اور کمالات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ودیعت فرمائے ہیں۔ مسلمانوں کا قرآن پر مرمٹنا ایمان اور غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے، گنہگار سے گنہگار امتی کا قرآن کریم کی توہین پر سراپا احتجاج ہونا یہ ایمان کا مقتضا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حقیقتِ غیرت نصیب فرمائے اور جن مغاربہ اور کفار نے قرآن کی بے حرمتی کی اللہ انہیں جلد اپنی پکڑ میں لے اور مسلمانوں کو خود قرآن سے روگردانی سے پرہیز کرنے اور قرآن کو سینے سے لگانے کی توفیق اور ایمان نصیب فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اکتالیسواں خطبہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الی کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم　　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥

(سورۂ مائدہ آیت ۶۷،۶۹)

یہ آیت میں نے پہلے بھی تلاوت کی ہے بلکہ کئی جمعوں میں بھی اس کے بارے میں گفتگو کر چکا ہوں، اس آیت میں جناب نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ جو دین آپ کے پاس آرہا ہے اسے آگے بیان فرمائیں اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ آپ نے نبوت کا کام نہیں کیا اور اس میں جو دقتیں اور گرانی لوگوں کی طرف سے آئیں گی، اللہ اس میں آپ کی حفاظت کرے گا اور سب کافروں کو اللہ سمجھ نہیں دیتا، اگر سب کے یہاں سمجھ ہوتی تو آپ کا بڑا احترام اور بڑا شکر کیا جاتا کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے پیغامات وحی، تعلیمات، عقیدہ اور عمل کے زریں ارشادات پہنچاتے ہیں۔

قرآن کریم میں اہل کتاب سے خطاب

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کی ہے

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

(سورۂ مائدہ آیت ۶۵)

اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم انکے گناہ معاف کر دیتے اور جنت دے دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب آسمانی کتابوں والے تھے اور گناہ کرتے تھے اور جرائم پیشہ بھی تھے تو اس سے یہ پتہ چلا کہ ان میں تبلیغ کی کمی تھی۔ تبلیغ جب پوری ہو چھوٹی بڑی سب چیزیں بیان ہوتی ہیں، اگر ایک دن کوئی عمل نہ کرے بشریت اور

انسانیت اس کی فاسد ہو اور شیطان اور نفس اس کو غلطی پر آمادہ کرے تو بھی تبلیغ کی ضرورت ختم نہیں ہوتی کیونکہ ایک دن تو وہ سوچ لے گا کہ مجھے بات تو خیر کی ہی سنائی جارہی ہے اور مجھے اس کو قبول کرنا چاہئے تھا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (سورۂ مائدہ آیت ۶۶)

اہل کتاب نے اپنی کتاب پر ایمان اور عمل کیوں چھوڑا؟ دنیا کے لئے، وہ لوگ دنیا پرست ہو گئے تھے۔ جیسے دنیا کے ڈر سے اور دنیا کی لالچ میں مختلف سیاستدان، دینی عقائد اور نظریات پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں دین فروشی اور ضمیر فروشی ہے اور یہ اصل میں یہود کی خصلت تھی، یہ قبائح ان میں موجود تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ بالکل غلط روش اختیار کر بیٹھے، انہوں نے دین پر سودے بازی کی، دین فروشی اور ضمیر فروشی کے مرتکب ہوئے اور ایسا انہوں نے صرف دنیا کے چند اغراض، وقتی اور ظاہری فائدے کے لئے کیا۔ حالانکہ دنیا اور آخرت کا فائدہ دین میں تھا

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ"

اور اگر یہ قائم کرتے توریت، انجیل یا وہ وحی جو کہ ان کے پاس آئی تھی۔

"لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ"

تو یہ اوپر سے اور نیچے سے کھاتے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال کے بدلے اوپر فیصلے ہوتے اور نیچے ان فیصلوں کے نتائج ظاہر ہوتے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اوپر سے بارشیں ہو جائیں گی اور زمینیں فصلیں دے دیں گی۔ تو گویا کہ دنیا میں اقتصاد

اور معاش کی ترقی کے لئے دین پر عمل ضروری ہے۔

اقامتِ دین کے معانی

''اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ ''لفظی معنی تو یہ ہے کہ دین قائم کرنا،تو ریت انجیل اور آسمانی وحی کے احکامات قائم کرنا۔

اقامتِ دین کس کو کہتے ہیں؟حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دینی علوم کے بہت بڑے امام تھے وہ ''اقاموا'' کا معنی کرتے تھے''اگر یہ لوگ نافذ کر دیتے تو ریت انجیل اور جو وحی ان کے پاس آئی۔''اقامت تب ہوتی ہے جب اس میں نفاذ آجائے اور نفاذ اس کو کہتے ہیں کہ اگر نافذ کردہ احکامات کو ماننے میں کمی ہو تو اس میں سختی کی جائے۔اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ جب کسی قانونی دفعہ کو عدالت منواتی ہے اور اس کو منوانے میں کچھ مشکلات ہوتی ہیں تو پولیس کو آرڈر دے دیتی ہے کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور دکانوں اور مارکیٹوں میں اس کے خلاف ہو رہا ہے،آپ جا کر چیکنگ کر لیں،آفیسر اپنے ساتھ پولیس لے کر چھاپے مارتے ہیں۔یہ دستور ہے کہ نفاذ بغیر قوت کے نہیں ہوتا، بغیر قوت کے تو تبلیغ ہوتی ہے،تبلیغ زبانی کلامی حقیقت بیانی ہے تبلیغ پیغمبر فرماتے تھے

تبلیغ دین میں صبر و استقامت اہم رکن ہیں

''يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ '' تبلیغ سب سے زیادہ مشکل کام ہے اس کے لئے بہت بڑا سینہ چاہئے۔ایک آدمی کو آپ دین کی بات کر رہے ہیں اور وہ ترش روئی سے پیش آتا ہے۔انسان کو تکلیف پہنچتی ہے ایسے موقع کے لئے قرآن کریم

نے کہا ہے''فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ''(سورۂ احقاف آخری آیت)صبر و استقامت کے ساتھ کام کریں،صبر و استقامت سہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اگر صبر و استقامت مبلغ میں عالم میں،تبلیغی میں نہ ہو تو پھر جنگ جدال کی سی کیفیت بن جائے گی۔جنگ وجدال سے اہل حق کے راستے کم ہو جاتے ہیں اور بند ہو جاتے ہیں۔سازگار ماحول میں دین کا کام عمدہ ہوتا ہے،ناسازگار ماحول میں اہل دین کو گرانیاں پیش آتی ہیں تو طریقہ ایسا اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے گرانیاں نہ ہوں اور اس قسم کے ماحول کے لئے سبب بھی مت بنو،یہ مطلب ہے صبر و استقامت کا۔

صبر کے دو مرحلے ہوتے ہیں پہلا یہ کہ اپنے کام اور اپنے دین پر ڈٹے رہو،راہ سے مت ہٹو اور سامنے آنے والی چیزیں سہنے میں نرم مت پڑو،کمزور مت پڑو۔''وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ لا مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ '' کتنے اللہ کے نیک بندے تھے جو کہ پیغمبروں کے ساتھ جہاد تک کے لئے کمر بستہ تھے''فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ط ''نہ ہی وہ کمزور ہوئے اور نہ وہ ڈھیلے ہوئے تھے،وہ جم کے رہے تھے ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ''(سورہ ال عمران آیت ۱۴۶)اللہ جم کے رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔''فَمَا وَهَنُوْا ''جہاد میں پہلی کمزوری جو آتی ہے اس کا نام وہن ہے۔ وہن اس کو کہتے ہیں کہ آپ سامنے مقابل کو دیکھیں اور اپنے آپ کو دیکھیں اور آپ کہیں کہ میں اس کو نہیں مار سکتا۔یہ طاقت میں زیادہ ہے،اس کے پاس اسباب زیادہ ہیں،اس کو ''وہن'' کہتے ہیں۔خود بخود ہی انسان ڈھیلا پڑ جائے۔وہن طبعی چیز ہے اور طبیعت جب کمزور ہو تو آدمی کے پیر جلدی لرزتے ہیں۔

انسان میں کمزوری دو وجہوں سے ہوسکتی ہے

طبیعت کمزور ہوتی ہے دو کمزوریوں سے، یا تو خاندانی طور پر کبھی بڑا کام نہ کیا گیا ہوتو اس کے لئے بڑا کام مشکل ہو جائے گا اور یا یہ کہ یہ خود گناہوں کا مرتکب ہوتو گنہگار کا دل بہت کمزور ہوتا ہے، متقی اور نیک لوگ حالات سے نہیں ڈرتے، ان کا دل مضبوط ہوتا ہے۔ دل کی قوت اور غذا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوتی ہے۔ غزوہ حنین میں صحابہ کرام عام جہاد کی طرح شریک ہوگئے لیکن بنو حوازن نے ۲۰۰ تیر انداز ایسے تیار کیے تھے کہ تم شروع ہی سے کثرت اور بوچھاڑ کا مظاہرہ کرو اور اس قدر شدید تیر اندازی کی گئی کہ جو تیر نکال چکا تھا تو کمان میں ڈال نہ سکا، جو ڈال چکا تھا وہ چلا نہ سکا اور جو چلانے لگا تھا اس دوران اس کا ہاتھ غائب ہوگیا، اتنے تیر گرائے گئے۔ تمام غزوات میں سب سے خطرناک لمحہ حنین کا تھا۔ اس موقع پر بڑے بڑے صحابہ جو میدان جیتنے میں مشہور تھے تھوڑی دیر کے لئے پیچھے ہٹ گئے۔ صرف آٹھ یا دس افراد آپ ﷺ کے ساتھ رہے، آپ ﷺ اپنی سفید سواری پر سوار تھے اور حارث رضی اللہ عنہ ابن عبد المطلب لگام پکڑے ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت ﷺ نہ ہوتے تو میں بھی اونٹ کی رسی چھوڑ کر بھاگنے والا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ اس دوران مسکرائے اور اپنی سواری سے نیچے اترے اور اس وقت آپ ﷺ فرمارہے تھے

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب (بخاری ج ۲ ص ۶۱۷)

میں پیغمبر ہوں بالکل سچا اور کھرا، اس بات میں کوئی جھوٹ نہیں ہے اور میں عبد المطلب کی اولاد میں سے ہوں، ان کا پوتا ہوں میدان سے بھاگوں گا نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ کمزوری یا حسب سے آتی ہے یا نسب سے آتی ہے۔ تو آپ نے کیسا جامع کلام فرمایا کہ حسباً میں نبی ہوں جو تمام اعلیٰ مقامات کا اونچا مقام ہے اور نسباً میں مطلبی ہوں جن کا اصل نسل اور نسب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے ملا ہوا ہے۔ اسی لئے نبی جب لوگوں کی تربیت کرتے ہیں تو ان میں بھی انبیاء علیہم السلام جیسی خصائل پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کہتا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ جو سچائی کے ساتھ مسلمان ہوتے ہیں "فَمَا وَهَنُوْا" نہ وہ کمزور ہوئے تھے "وَمَا ضَعُفُوْا" اور نہ انہوں نے ہمت ہاری تھی "وَمَا اسْتَكَانُوْا" اور نہ انہوں نے شرمندگی اٹھائی تھی "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ" اور اللہ پسند کرتے ہیں ان جم کے رہنے والوں کو۔

دین کے کاموں میں جم کے رہنا مسلمانوں کا شعار ہے

دینی مسائل اور احکامات میں جم کے رہنا اصل میں غیرت دین کا تقاضا ہے۔ جم کے رہنا دو طریقوں سے ہوتا ہے، ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں، جس کو ہم کہتے ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری اور دوسرا یہ کہ اپنے پروگرام میں صادق ہو۔

پوری دنیا اسلام کی حفاظت کرنے والوں کی مخالفت کررہی ہے لیکن کبھی بھی اُن جہاد کرنے والوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے سپر پاور سے مقابلہ بازی کر کے زیادتی کی، وہ آج بھی کہتے ہیں کہ صلح کے آداب دو ہیں، تم یہاں سے نکل جاؤ جو ہمارے یہاں تسلسل کے ساتھ جمعے پڑھتے ہیں انہیں یاد ہوگا کہ میں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا کہ امریکہ

تاوانِ جنگ دینے کا اعلان کرے گا۔ اب امریکہ نے تاوانِ جنگ کا اعلان کرنے والا ہے۔ مگر وہ دنیا کی قوم نہیں ہے وہ دین کے لوگ ہیں اور دین ہی ان کا سب کچھ ہے، انہوں نے کہا کہ پہلے غاصب اور ظالم یہاں سے چلا جائے۔ کیونکہ جہاد اس وقت تک اور قیامت تک دو اہداف سے ہوگا حق پر قائم رہنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اس لئے جہاد کا کوئی ایسا مرحلہ جس سے لوگ تنگ آجائیں یا اکتا جائیں بظاہر مشکل ہے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ ''وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ''صبر کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یعنی اپنے پروگرام پر قائم رہو پیچھے نہ ہٹو اور اللہ سے ڈرنے میں حکمت کیا ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟ ''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْم ''(سورہ آل عمران آیت ۱۲۶) اصل امداد تو اللہ فرمائیں گے وہ دشمن کو بے ہمت کرے گا بمع ہتھیاروں اور اوزاروں کے لیکن یہ اس وقت ہوگا جب تم صبر اور تقویٰ سے کام لو۔

اسی قوت، طاقت، ایٹم بم اور پوری دنیا کے نخرے اور غرور کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اسے شرمندہ کیا ہے اس کے سپر پاور ہونے کو مٹی میں ملایا ہے۔ ہر طرف سے اب وہ اپنی پسماندگی اور شکست کے اعلانات کر رہے ہیں۔ یہ کون کرسکتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اس لئے فرمایا ''وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ''اگر تم اپنے حق پر ڈٹے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے ''لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا ''ان کی سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں ''اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْط ''(سورہ آل عمران آیت ۱۲۰) اللہ ان کافروں کو اپنے احاطے میں، گرفت میں لے چکا ہے، اللہ تعالیٰ سے کہاں کوئی بچ سکتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا کی چیزوں کو دین کے مقابلے میں قبول کرنا جائز نہیں ہے، دنیا کی

چیزیں تو دین کی وجہ سے خود پیچھے دوڑتی ہوئی آئیں گی۔ یہ مسائل بہت مشکل ہیں اور بڑے سخت ہیں ''یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہ ''اے پیغمبر ﷺ آپ مسئلے بیان کریں۔

تبلیغ اور جہاد آپس میں ہم معنی ہیں

یہ نہیں کہ تبلیغ کچھ اور چیز ہے اور جہاد کوئی اور چیز آگے پیچھے جہاد ہے اور درمیان میں تبلیغ ہے۔ اس سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ والوں کا فرض ہے کہ وہ جہاد کے لئے کمربستہ ہوجائیں۔ دین اسلام میں جو جہاد ہے یہ مار دھاڑ کا نام نہیں ہے جہاد حق مسائل پر شریعت کے حدود وآداب کے مطابق استقامت کا نام ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''قال رسول اللہ ﷺ من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر (ترمذی ج ۲ص ۴۰)'' جہاد کی سب سے بہترین قسم یہی ہے کہ وقت پر مسائل بیان ہوجائے، یاد رکھنا مسائل کے بیان میں خوف اور لحاظ دونوں چیزیں دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب انسان خوف محسوس کریگا تو جو مسائل ہیں ان کو بیان نہیں کریگا اور حق کو حق نہیں کہہ سکے گا اور باطل کو باطل نہیں کہہ سکے گا اور جب لحاظ کرے گا تو اپنوں کی اصلاح کا کام نہیں کر سکے گا نتیجتاً کوئی بھی کام نہیں ہوسکے گا۔ کتنے لوگ ہیں کہ اس جہاد اور اس دینی تبلیغ کے مقاصد سے بے خبر ہیں اور ان کی سرکشی میں اور بد

بختی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ''وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ج فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ '' ان کافروں پر افسوس نہ کریں، ان سے الجھیں نہیں۔

دنیا میں رہنے والے لوگوں کی اقسام

یہ دستور ہے دنیا میں آپ کا واسطہ ہر طرح کے لوگوں سے پڑیگا کیونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے گائے بھی پیدا فرمائی ہے اور گدھا بھی، بکرا بھی ہے اور کتا بھی، ہرن بھی ہے اور خنزیر بھی، حلال چیزیں بھی ہیں اور حرام چیزیں بھی موجود ہیں، فائدہ مند چیزیں بھی ہیں نقصان دہ بھی۔ یہ ایک نظام ہے جسے تکوینی نظام کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس کو کوئی بھی نہیں تبدیل کر سکتا۔ خود ہمارے جسم میں ہی کتنا انتشار ہے جو کام ناف سے اوپر کے دھڑ کا ہے وہ ناف سے نیچے کے دھڑ کا نہیں ہے، آپ کا ہاتھ جو کام کرتا ہے وہ پیر نہیں کر سکتے۔ ایک دانت میں اگر درد شروع ہو جائے تو پورا جسم اس کو محسوس کرتا ہے لیکن کسی میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ درد کھینچ لے یا دور کر دے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور کارخانہ حکمتِ الوہیت کا کرشمہ ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ کو تسلی دے دی کہ آپ جہاد بھی کریں گے اور تبلیغ بھی اور آپ ﷺ قرآن وسنت اور دین کے نفاذ کی کوشش کریں گے، مگر یہ زمین برے لوگوں سے خالی کرنا اے پیغمبر آپ کا منصب نہیں ہے۔ آپ کا کام تو بروں کو بھی اچھا بنانا ہے اور ان پر بھی محنت کرنی ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا '' بے شک یہاں ایمان والے ہیں ''وَالَّذِيْنَ هَادُوْا'' اور یہود بھی ہیں

''وَالصّٰبِئُوْنَ'' اور سورج پرست بھی ہیں مجوسی '' وَالنَّصٰرٰى '' اور عیسائی بھی ہیں'' مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا '' جو بھی ایمان لائے اور نیک اعمال کئے'' فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ '' نہ وہ کبھی خوفزدہ ہوں گے اور نہ ہی غمگین۔ دنیا میں رہنے والوں کو دو قسم کے غم لاحق ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خوف ہوتا ہے کہ شاید میں اپنے مقصد تک نہ پہنچ سکوں، شاید ہم جو کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے لئے مشکل بن جائے اور کبھی اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نے فلاں تیاری صحیح نہیں کی اور ہم نے اس محنت میں کمی کی جس کی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے اور رسوائی کا سبب بنا۔ دنیا کے نظام میں یہ ہوتا ہی رہتا ہے۔

کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تیاریاں

پاکستان اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو اب جا کر یہ احساس ہوا ہے کہ ہم نے کفار کے مقابلے کا ایٹم بم اور ٹیکنالوجی نہ اپنا کر عظیم جرم کیا ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ روش اختیار کرنی تھی کہ جو اوزار و ہتھیار کفار کے پاس ہو گا مسلمان اس سے بڑھ چڑھ کر حاصل کرے گا، اس لئے جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اجازت دی تھی کہ مشرکین سے بھی ہتھیار بنوائیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ہتھیار پر اعتماد نہ کرنا تم خود تسلی حاصل کرنا۔

آج سے تقریباً ۳۰۰ سال پہلے ترکیہ میں ایک بادشاہ گزرا ہے، اس کا نام سلیم تھا۔ اس نے اسکول اور کالجوں میں مغرب کی ٹیکنالوجی کو سلیبس میں داخل کیا اور باقاعدہ اعلانات کئے کہ یہ جو ایٹم بم اور ٹیکنالوجی کفار اپنا رہے ہیں یہ آگے چل کر مسلمانوں کو کمزور کرے گی، ہمارے پاس اس کے مقابلہ کا سامان ہونا چاہئے۔ لیکن مغرب نے بڑی خاص

سازش کے ساتھ وہیں کے مسلمانوں کو اس کے خلاف کر کے آخر میں اسے قتل کروادیا اور اس کو مغربی باغی کہلوادیا۔

ایسی ہی صورتِ حال میں قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا کہ لوگ اپنے دین پر قائم رہیں، اپنی آسمانی کتاب اور وحی کو نافذ کرنے کی کوشش کریں اور فرمایا کہ "مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ" ان میں ایک جماعت راہِ اعتدال پر ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ دین کی بالادستی ہو۔

اس آیت سے یہ پتہ چلا کہ مذہبی لوگ کبھی انتہا پسند نہیں ہوتے، انتہا پسند تو لامذہب ہوتا ہے، مذہبی آدمی کو پتا ہے کہ یہ عمل مستحب ہے، کرنا ہے نہ کرنے پر کوئی ملامت نہیں ہے، یہ سنت ہے، یہ واجب ہے، یہ فرض ہے اور تینوں درجات میں فرق ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی مستحب میں مثلاً زیادتی کرلے تو علماء اور دیگر مذہبی افراد اس کو کم کرلیں گے، اپنی جگہ لے آئیں گے اس لئے قرآن کریم نے دین پر پورا اترنے والوں کو کہا "مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ" یہ اعتدال کے لوگ ہیں۔ دین کے لوگ کبھی بھی زیادتی نہیں کرتے وہ معتدل مزاج ہوتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں ! ایک مثال

حدیث شریف میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک بار بیان فرمایا کہ یہود کے یہاں جب عورت کو ماہواری آتی تھی تو وہ اسے گھر سے باہر نکال کر جنگلوں میں چھوڑ آتے تھے وہاں ان کے لئے جھونپڑیاں بنی ہوئی ہوتی تھیں، اس میں انہیں بند کر دیتے تھے اور جب وہ پاک ہوجاتی تھی تو خاص طریقے سے گھر آتی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ جب بیان

کیا تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ پھر تو ہمیں چاہئے کہ یہود کے مقابلے میں اسی حالت میں عورتوں سے ملیں تا کہ یہود کی صحیح مذمت ہو جائے۔ "فتغیر وجہ رسول اللہ ﷺ" آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور جب حضرت ﷺ ناراض ہوجاتے تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے سرخ انار آپ ﷺ کے گالوں میں توڑ دیئے گئے ہوں۔ یہ دیکھ کر وہ دونوں صحابہ اٹھے اور روانہ ہوگئے، کچھ دیر بعد حضرت کی خدمت میں دودھ آیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو بلاؤ، کیونکہ کاملین کا ناراض ہونا دیر تک نہیں ہوتا کیونکہ اس میں خطرہ ہے کہ کہیں ایمان سلب نہ ہوجائے کیونکہ آپ ﷺ پیغمبر تھے اور اللہ کے محبوب تھے آپ ﷺ کی ناراضگی تو تباہی کا باعث تھی۔ اس لئے آپ نے ان دونوں کو واپس بلالیا۔

کامل استاذ اور تربیت کرنے والے میں یہی خصوصیات ہوتی ہیں کہ وہ وقت پر پوری ناراضگی ظاہر کرتا ہے تا کہ مسئلہ مکمل طور پر سمجھ میں آجائے۔ اس لئے جناب نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ کامل واکمل مربی تھے۔ (مسلم ج۱ص۱۴۳)

تربیت کا طریقہ کار اور اس میں کوتاہی

بڑے اساتذہ شاگردوں پر زیادہ دیر تک ناراض نہیں ہوتے بعد میں معاف کر دیتے ہیں کیونکہ وہ پھر پکڑ میں آتے ہیں۔ کامل واکمل باپ جب بیٹے سے روٹھ جائے تو بیٹے کی زندگی تباہ ہوجاتی ہے۔ لیکن آج کل کے باپ تو اخباری قسم کے باپ ہیں صرف کاغذ میں لکھا ہوا ہے کہ یہ ابا ہے۔ آگے ابا کو کسی چیز کا پتہ نہیں ہے کہ اولاد کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہے، ان کی تربیت کیسی کرنی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ باپ گھر میں بچوں کے سامنے کس طرح بات کرتا ہے، بیوی سے کس طرح کلام کرتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اولاد کے سامنے میاں بیوی مخصوص گفتگو نہ کریں۔ چھوٹے بچوں کے ذہن میں بات بیٹھ جاتی ہے اور یہ بہت نامناسب بات ہے۔ مولانا عبد الحئی صاحب رحمہ اللہ نے "الفاض" میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں میاں بیوی اولاد کے احترام میں زندگی گزارتے تھے۔ آج کل کے ماں باپ تو اتنے بے لگام ہو چکے ہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو کہتے ہیں کہ دلہن لگ رہی ہے، تو پتہ ہے، دلہن تو پہلی رات کی ہوتی ہے ایسا کہنا تو حرام ہے اور نا جائز ہے۔ کسی غیر شادی شدہ کو دلہن کہنا جائز نہیں ہے۔ میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ بہت سارے ماں باپ وہ ہیں جو رسمی ماں باپ تو ہیں مگر اولاد والی تربیت کے آداب ان کے پاس نہیں ہیں۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ جس گھر میں کنواری لڑکی ہو وہاں اونچی آواز سے بات نہ کی جائے وہ محسوس نہ کرے، اس کے آداب اس کا احترام اس کا تقدس بھی برقرار رکھنا ہے جب تک کہ اس کا اپنا گھر آباد نہیں ہوا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ہمارے بھائی لوگوں کو اللہ نے اولاد تو دی ہے لیکن اولاد کی تربیت کا مرحلہ انہوں نے سیکھنا تھا جس میں انہوں نے کوتاہی کی اور یہ مرحلہ بغیر دین کے طے نہیں ہو سکتا۔ بعض مسائل کڑوے ہوتے ہیں مگر حقائق پر مبنی ہوتے ہیں ڈاکٹر جب حاذق ہو اور ماہر ہو تو وہ مریض سے نہیں پوچھتا ہے کڑوی دوا کھا سکو گے کہ نہیں، یا اگر جسم کا کوئی حصہ خراب ہو جائے تو وہ کہتا ہے کہ بس یہاں سے یہاں تک کاٹنا پڑے گا آپ کی مرضی ہے اب جینا ہے تو ٹھیک ہے نہیں جینا ہے تو دو مہینے بعد دیکھو کہ بقیہ جسم بھی جائے گا، مریض سوچ لیتا ہے کہ جب میں مر ہی رہا ہوں تو بہتر یہ ہے کہ یہ عضو کٹوا ہی

دوں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زندگی نعمتوں والی عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ مسلمان معاشرے میں دینی تعلیم اور تربیت اور ترقیات عطا فرمائے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھی حق ہے کہ ان سے خلاف شرع کام نہ کرائے جائیں۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اب بھی کہتا ہوں کہ چھوٹے بچوں کو ایسے کپڑے پہنانا کہ وہ لڑکی لگیں حرام نا جائز ہے، اس گناہ کے مرتکب ماں باپ ہوں گے اور لڑکی کو ایسا لباس پہنانا کہ وہ لڑکا لگنے لگے یہ بھی حرام نا جائز ہے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ اور دیگر معتبراتِ فقہ میں ہے۔ خلط ملط کرنا اسلام کے خلاف ہے یہ ان لوگوں کا کام ہوگا جن کے یہاں مرد اور عورت برابر ہیں

دینِ اسلام میں عورتوں کا کردار! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ہمارے یہاں تو تمام انبیاء اور مرسلین مرد تھے، کوئی عورت کبھی بھی نبی نہیں بنی۔ ہمارے یہاں تمام مجتہدین، محدثین، فقہاء مرد تھے، عورتوں کو اس قسم کا منصب کبھی بھی نہیں دیا گیا۔ بعض عورتیں اسلامی تاریخ میں بہت باکمال ہوئی ہیں ان سب عورتوں کی سردار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ خدمت اقدس میں بالغ ہوئیں، چھوٹی عمر میں بارگاہ اقدس میں لائی گئیں تا کہ وہ تمام امور ضبط کریں جو مرد عورت کو تعلیم نہیں کر سکتا بلکہ عورتیں تعلیم کرتی ہیں۔ ایک مرد کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ ہر وقت خواتین کو ماہواری کے مسائل، ولادت کے مسائل بیان کرے۔ لیکن ایک خاتون جب عالمہ ہو وہ عورتوں کو بہت اچھی طرح سمجھاتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ خواتین اپنی ماہواری کے کپڑے چھپا کر، ڈھک کر بی بی صاحبہ کو دکھانے لاتیں کہ یہ خون ہے یعنی حیض ہے یا استحاضہ ہے، بیماری

ہے بی بی صاحبہ ان کو جوابات دیا کرتی تھیں۔ اب یہ حکمت نکل آئی کہ آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں، آپ ﷺ کے دامن نبوت میں ایک بی بی نے تربیت پائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دین کا ثلث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کر سکتے ہو۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ نے بڑے علوم عطا فرمائے تھے اور اپنے وقت کی تمام عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ تھیں، بہت زبردست عالمہ تھیں۔ صرف عورتیں ہی نہیں مردوں نے بھی آپ سے جا بجا استفادہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ دے رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ساتھ ہی تھا، بی بی صاحبہ اندر تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی بی بی صاحبہ نے سنا تو فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ یہ بات اس طرح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے دی ہوئی پرچی پڑھی اور آبدیدہ ہوگئے، آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو ہماری ماں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اندر سے میری اصلاح کردی، روایت اس طرح ہے اُس طرح نہیں ہے۔ ہمارا اتنا محفوظ دین ہے، آسمانی دین ہے، حفاظت وصداقت سے لبریز دین ہے، ورنہ لوگ کہہ دیتے کہ چلو کیا فرق پڑتا ہے، دینی بات میں فرق نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھے ہیں ان کو تو محفوظ کیا گیا ہے اور ان پر جلدیں لکھی گئیں ہیں۔ مقبلی یمنی محدث نے لکھا ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کہ بی بی صاحبہ کے ابا جان تھے ان کو بھی بی بی صاحبہ نے لقمہ دیا ہے۔ صحابہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتے تو ساتھ کہتے کہ

''ہمارے پیغمبر ﷺ کی عزت وناموس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''

اس ساری بحث سے بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک خاتون ہونے کے باوجود اتنی غیرت والی ہیں کہ غلط بات کبھی بھی کسی کی برداشت نہیں کی فوراً ٹوک دیا یہ اس لئے کہ وہ صحیح اور غلط جانتی تھیں۔ آج لوگوں نے مذہب ہی سارا غلط اور جھوٹا بنایا ہوا ہے۔ خود کو بہت بڑا عاشق رسول سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حضرت ﷺ کی سنتوں کے حاملین ہیں اور ان کو پتہ نہیں ہے کہ یہ عین عداوت اور دشمنی میں چل رہے ہیں اور اپنی اس دشمنی کو چھپانے کے لئے خود کو عاشق رسول کا نام دیا ہے۔

تبلیغ کے اہم مراکز مساجد ومدارس ہیں

اس لئے کہتے ہیں کہ تبلیغ کا کام سب سے مشکل ہے کیونکہ اس میں سچا دین بیان کرنا ہوتا ہے جھوٹ، فریب اور بدعت تو دین نہیں ہے اور نہ ہی ان چیزوں کا دین اسلام سے کوئی تعلق ہے یہ سب تو محض بغاوت اور سرکشی کے افعال ہیں۔ اللہ رب العالمین معاشرے پر اسلام کا غلبہ فرمائیں اور جو نہیں جانتے ہیں اللہ انہیں جاننے کی صلاحیتیں عطا فرمائے۔ تبلیغ کے بہت آداب ہیں یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لئے نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا ''یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ'' یہ ایک ذمہ داری ہے، ایک منصب ہے کہ جو آپ پر نازل کیا جارہا ہے اسے لوگوں تک پہنچائیں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے پیغام صحیح طرح آگے نہیں پہنچایا۔ سب سے اہم طبقہ تبلیغ کا علماء کرام کا ہے اور تبلیغ کے سب سے بڑے مراکز مساجد

اور مدارس ہیں۔ان کا منصب حلال اور حرام سمجھانا ،توحید کی تعلیم پھیلانا اور ہر طرح کے شرک کی نفی کرنا،سنت اور بدعت میں فرق بتانا، جنت کے راستے متعین کرنا اور جہنم کے راستوں پر چلنے سے روکنا،جس شخص کو بھی خدا نے یہ شعور اور بصیرت دی اور اس نے اپنی صلاحیت کے مطابق تبلیغ کے فرائض انجام دیئے وہ قابل احترام ہے۔چھوٹے درجے کے تبلیغی حضرات چھوٹی تبلیغ کریں گے، عوام عوامی تبلیغ کریں گے، مخصوص طبقہ آیات واحادیث ،دلائل اور شوکت دین کے ساتھ دین آگے بڑھائیں گے۔قرآن کریم کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے

''یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ''

اے پیغمبر!جو دین آپ کے پاس آرہا ہے آگے بڑھائیں

''وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ''

اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا پیغمبری کا کام ہی نہیں ہوا

'' وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس '' اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا'' اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ '' اللہ تعالیٰ کافروں کو یہ مقام اور منصب نہیں دیتا جو پیغمبر کو اور مسلمانوں کو دیا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بیالیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤ من بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعما لنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھا دی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۲)

مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات

اللہ تعالیٰ کے احسانات بہت زیادہ ہیں اور ان احسانات اور خدا کی نعمتوں کے آگے قوتِ بشریہ عاجز ہے کہ وہ انہیں گن سکیں ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا

"(سورۂ ابراہیم آیت ۳۴) ان میں بعض احسانات اور نعمتیں بہت بھاری اور بڑھ کر ہیں ، جیسے انسان کی تخلیق ، اس کی انسانیت کی نعمت ، اسلام اور ایمان کی نعمت کا عطا ہونا ہے ۔ یہ ایسی نعمتیں اور احسانات ہیں کہ ہر انسان ہر وقت اسے محسوس کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وجود نصیب فرمایا ہے ، یہ احسانات اور نعمتوں کا پہلا مرحلہ ہے اور بہت بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا فرمائی ہے آسمان وزمین پیدا فرمائے اور اس کی ہر ہر چیز پیدا فرمائی اور پھر انسان کو وجود بخشا ہے ۔ پھر اس وجود پر ایک اور نعمت اضافی ہے اور وہ انسانیت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خاص خلقتوں میں سے ایک مخلوق ابنائے آدم پیدا فرمائی ہیں ۔" وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ " تمام مخلوقات میں اور سب خلقتوں پر اس کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی تیسری بڑی نعمت اور عظیم احسان ایمان ہے ، اسلام ہے اور اس کے بعد کوئی دوسری نعمت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کر ہو اس لئے اسلام جامع النعم ہے اور تمام احسانات الٰہی کا جامع ہے ۔ اگر کسی کو سب نعمتیں عطا ہو جائیں مگر اسلام نہ ہو تو وہ سب کالعدم ہو جائیں گی اور اگر کسی کو کوئی نعمت نہیں ملی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام اور ایمان کی نعمت عطا فرمائی تو وہ بہت بڑی نعمت ہے " اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ " اللہ تعالیٰ نے دین اسلام چن کر تمہیں دیا ہے " فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " اب مرتے دم تک اس احسان اور نعمت کا پاس مسلمانوں کو رکھنا ہے ، یہ جو ایمان کے بعد اعمال ہیں یہ اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعے انسان اپنے خالق اور مالک کا شکر بجا لاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانیت کے ساتھ ایمان و اسلام کی نعمت عطا فرمائی اس نعمت کا شکر ہم کس طرح کریں کیونکہ "منعم" انعام کرنے والا اور "محسن" احسان فرمانے والا وہ شکر سے بہت خوش ہوتا

ہے "لان شکرتم لازیدنکم" ۔

شکرِ نعمت ! ایک ضروری عمل

یہ تو ایک عام مشاہدہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ آپ نے احسان کیا اور اس نے کوئی جملہ شکریہ کا ادا نہیں کیا تو طبعی طور پر آپ کو کچھ گرانی ہو جائے گی کہ عجیب ناکارہ قسم کا انسان ہے اور اس کو اتنا نہیں آتا کہ یہ کہے کہ بڑی مہربانی ، آپ نے بڑا اکرم کیا ہے ، احسان کیا ہے لیکن جب وہ یہ کہے کہ آپ نے احسان کیا تو آپ کہتے ہیں کہ نہیں انشاء اللہ میں اور بھی کوشش کروں گا یہ کچھ بھی نہیں ہے تو ہر انسان تو ایک جیسا نہیں ہوتا جیسے آپ نے کہا آپ پھر کوشش میں رہیں گے کہ اس کو اور نعمتیں اور احسانات عطا کریں تو ایک جملہ کے شکر کرنے سے آپ نے آئندہ کا بھی وعدہ کر لیا چھوٹا سا آدمی وہ خدائی ہستی کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو بہت قدردان ذات ہے ایک بار شکر پر انعامات کی بارش کر دیتے ہیں ۔ جناب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح نبوت کا خاتم و ختم بنایا ہے اسی طرح آپ عقل اور نظامِ عالم کے بھی بہت بڑے سالار ہیں ، ترمذی شریف کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ " (ترمذی جلد ثانی ص ۱۷) وہ شخص اللہ تعالیٰ کا کیا شکر ادا کرے گا جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرسکتا ، مطلب یہ ہے کہ لوگ تو ذرا سی بات سے خوش ہوتے ہیں اور آپ ذرا سی بات بھی نہیں کہہ سکتے ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ اگر آدمی ان کا اہتمام کرلے تو وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ کامیابی اور کامرانی کے دن دیکھے گا ، ایک معافی مانگنا اور دوسرا شکر کرنا اور ان دو باتوں میں کمی کوتاہی کی

وجہ سے انسانیت گرتی چلی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے فرمانے کا مقصد یہی ہے کہ جس
میں لوگوں کے لئے تشکر نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور بھی شکر کے جملے ادا نہیں کر سکتا۔ لوگ
تو کلمات سے خوش ہوتے ہیں، اچھے انداز سے خوش ہوتے ہیں۔ آپ نے کسی کو اچھے نام
سے یاد کیا مجلس میں اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اس کی عزت اور تکریم کی تو آپ کا یہ
عمل اس کے دل پر آپ کے بارے میں اچھے نقوش چھوڑ دے گا۔ جب آپ کے اچھے
جملوں سے اور قدر و قیمت کے فقروں سے ایک مومن کے دل کو آرام و سکون مل سکتا ہے اور
آپ ایسا کرنے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں، اس کے برخلاف کرنے سے تو اندیشہ ہے
کہ آپ غرور و تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا جائے؟

جب آپ میں مخلوق کے شکر اور احترام کا جذبہ اور سلیقہ نہیں ہے تو پھر آپ اللہ
تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کریں گے کیونکہ اللہ رب العزت تو حقیقت کو دیکھتے ہیں، وہ ہمہ
وقت اطاعت و فرمانبرداری دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اس کی اطاعت میں ہے، اس کی
فرمانبرداری میں ہے، اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے لیے آپ نے الحمد للہ کا کلمہ ادا کیا بلکہ الحمد للہ کی پوری سورت
تلاوت کی اور فجر کی نماز نہیں پڑھی تو علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ شکر نہیں ہے، یہ شخص شکر
جانتا ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر تو اطاعت کے ساتھ ہے عبادات کے ساتھ ہے،
فرمانبرداری اور تابعداری کے ساتھ ہے کیونکہ وہ ہستی بہت بڑی ہے۔ پھر اگر کسی انسان کو

ہم نے کہا کہ بڑی مہربانی، شکریہ لیکن ہمارے دل میں اس کے خلاف ہو تو دلوں کا حال تو
انسان نہیں جانتے، وہ تو اس سے خوش ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں
ہو سکتا۔ وہ تو ''علیم بذات الصدور'' ہے وہ دلوں کے راز اور بھید جانتا ہے۔

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر
این چنین تسبیح کجا ماند اثر

زبان سے آپ کہتے ہیں اور آپ کا دل تو اس سے غافل ہے تو اس قسم کی تسبیح سے
تو کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

کیونکہ رب العزت دلوں کا مالک ہے اور حالات جاننے والا ہے۔ اس لئے
حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''ان اللہ لا یقبل وفی روایۃ لا یسمع من قلب
لاہٍ'' اللہ تعالیٰ ایسے دل کا ذکر و دعا نہیں قبول کرتا ہے جو غفلت میں مبتلا ہو۔ زبان سے آدمی
اللہ اللہ کرتا رہے لیکن اس نے اپنا دل، دل بنانے والے کے حوالے کیا ہی نہ ہو تو ایسی
عبادت کب اسے فائدہ پہنچائے گی۔ انہی لوگوں کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے
کہ ''يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ'' (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۷) اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں کہ یہ زبان سے تو کہتے ہیں لیکن ان کے دل اس سے انحراف کرتے ہیں اور دل
میں ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ دل ایمان کا معدن اور مرکز ہے جب یہی منکر ہوگا اور وہی
ساتھ نہیں ہوگا تو پھر آپ زبان سے کتنا بھی کہتے رہیں، کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

مخلوق کا شکر ادا کرنا بہت آسان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر تو عملیات مانگتا ہے حقیقی
فرمانبرداری مانگتا ہے۔ ایک انسان کا آج آپ نے شکر ادا کیا اور دو دن بعد نہیں کیا تو وہ

آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ وہ کہے گا کہ چلو کوئی بات نہیں پہلے تو اچھی طرح ملے، لیکن اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر عمر بھر تو ادا کیا لیکن عین مرنے سے کچھ دیر پہلے ناشکری کی تو ایمان سلب ہو جائے گا، خاتمہ تباہ ہو جائیگا۔ ''العبرت بالخواتیم'' آخیر تک سیدھا رہنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ! شیخ سعدی رحمہ اللہ کی ایک حکایت

انسان بڑا کوتاہ نظر ہے اور انسان کے اندر بڑی پستی پائی جاتی ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے عمر بھر بادشاہوں کے وظائف قبول نہیں کیے اور فرماتے تھے کہ یہ بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں تھوڑی سی بات طبیعت کے خلاف ہو تو بہت زیادہ ناراض ہو جاتے ہیں اور سب انعام و اکرام واپس لے لیتے ہیں! تو بعد کی بے عزتی سے بہتر ہے کہ شروع سے ہی تعلق نہ رکھو۔

ایک بادشاہ نے شیخ سعدیؒ کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔ پھر کچھ مدت گزر گئی تو اس بادشاہ نے وہ وظیفہ بند کر دیا تو شیخ سعدیؒ نے ان کو خط لکھا ہے اور اس میں اشعار لکھے

چہ جرم دیدہ خداوند سابق الانعام
کہ بندہ درنظر خویش خوار می دارد
خدائے راست مسلم بزرگواری و حلم
کہ جرم بیند و نان برقرار می دارد

ترجمہ : ایسی کونسی غلطی اور جرم اس فقیر سے سرزد ہوا کہ آپ جو انعامات اور احسانات کرتے تھے وہ سب بند کر دیے، تمام بزرگی اور بڑھائی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے کہ

ہمارے سارے گناہ اور غلطیاں دیکھتا رہتا ہے لیکن کبھی بھی کسی چیز میں کمی نہیں کرتا۔

دنیا کے احوال اسی طرح ہوتے ہیں اس لئے حدیث میں ہے کہ لوگوں سے کم پر راضی رہو کسی سے بھی یہ امید نہ رکھو کہ وہ آپ کے ساتھ ہمیشہ احسانات کا معاملہ رکھے گا اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو ہمیشہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ ہمیشہ کا احسان کرنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ! حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ایک حکایت

جب انسان کی ہر فریاد اور اس کی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوگی اور وہ اللہ رب العزت کے سامنے پوری بندگی بجالائے گا اسی وقت اس کا ایمان کامل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے دنیا اور دین دونوں میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ ترمذی شریف میں حضرت سفیان سے منقول ہے کہ جب مجھ سے اللہ تعالیٰ کے حضور عبادات میں کمی و کوتاہی ہو جاتی ہے تو میں اس کا اثر اپنے غلاموں اور گھوڑوں میں دیکھ لیتا ہوں، تابعدار غلام حکم سن کر بیٹھا رہتا ہے، بہترین وفادار گھوڑا لات مارنے کے درپے ہو جاتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ رات کی عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے اور خالق حقیقی ناراض ہے

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

فارسیان کہتے ہیں کہ اپنے اعمال کے انتقام سے غافل مت رہو، جو آپ بوئیں گے وہی کاٹیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا احسان بہت بڑا ہے اور احسانوں کا سرچشمہ اور معدن

اسلام ہے اور ایمان ہے اس لیے اس کو دین اور مذہب کہتے ہیں اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" (آل عمران آیت ۱۹) اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ دین اسلام ہے "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ" (آل عمران آیت ۸۵) اگر کسی نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپنانے کی کوشش کی تو وہ ناقابل قبول ہوگا۔ اسلام کے مقابلے میں کوئی فکر کوئی سوچ، کوئی انداز، کوئی قانون اور کوئی آئین احترام کے لائق نہیں ہے اور ایسا شخص آخرت میں تباہ و برباد ہو جائے گا جس نے اسلام کے مقابلے میں کوئی اور چیز اختیار کی۔

مذہبِ اسلام کی جامعیت اور حقانیت

انبیاء علیہم السلام اسلام پر مبعوث ہوئے ہیں، ہر پیغمبر جو دین لے کر آیا ہے وہ اسلام ہی تھا اس لئے اصول یکساں ہیں بنیادیں ایک ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "و الانبیاء اولاد علاتٍ" (بخاری ج۱ ص۴۸۹) ہم پیغمبر لوگ باپ شریک بھائی ہیں باپ ہمارا ایک ہے، یعنی دین کی بنیادیں ایک ہیں اصول ایک ہیں۔

نماز تمام انبیاء کے یہاں فرض رہی ہے، زکوٰۃ مختلف صورتوں میں فرض رہی ہے، روزہ فرض رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی کریم ﷺ تک حج بیت اللہ فرض رہا ہے۔ یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، کس شریعت میں کتنی نمازیں تھیں اور کتنے اوقات کی تھیں اس کی کیا کیفیات تھیں یہ اندرونی اور داخلی مسائل ہیں۔ بعض مسائل میں لوگوں کی

مصلحت کے مطابق دین نے فرق رکھا ہے جیسے ہمارے یہاں ہفتہ کے سات دنوں میں جمعہ کے دن ہم جمعہ کی مخصوص نماز پڑھتے ہیں، یہ اہتمام ہم ہفتہ اور اتوار کو نہیں کرتے، ہم دو عیدیں منا سکتے ہیں تیسری عید کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی اجازت ہے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اسی طرح روزہ کی کیفیت ایک جیسی رہی ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک، نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی بیان کرنا یہ بنیادی مسئلہ ہے۔ خود ہماری شریعت کے اندر بھی بندوں کی مصلحت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بلوغ سے پہلے احکام لازم نہیں ہوتے ہیں اور بلوغ کے بعد احکام لازم ہو جاتے ہیں اور احتیاطاً لڑکی کے لئے ۹ سال اور لڑکے کے لئے ۱۲ سال عبادات کے لئے عمرِ بلوغ تسلیم کی گئی ہے۔ حالانکہ بلوغ کا فتویٰ ۱۵ سال پر ہے چاروں مذاہب اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ احکام کے اندر انسان کا لحاظ ہے، مومن جب گھر پر ہے، مقیم ہے تو وہ ظہر، عصر اور عشاء کے فرض ۴ رکعت ادا کریگا۔ لیکن جب ہم سفر پر نکلتے ہیں تو اپنے شہر اور اس کے متعلقات سے باہر نکل کر یہ فرض ۲ ہو جاتے ہیں۔ بقیہ نمازیں اپنی جگہ اصل رہتی ہے اور سنتوں میں اختیار پیدا ہو جاتا ہے، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ ہو جاتی ہیں، سفر میں اولیٰ اور افضل سنت پڑھنا ہے، نہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو لوگ ہر حال میں پڑھتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔ جب تکلیف اور صدمہ زیادہ ہے تو سفر میں سنت چھوڑنا بہتر ہے یہ بھی سنت طریقہ ہے کہ سفر میں سنت چھوڑ دی جائے، آرام و راحت میں اور خوب ٹھنڈی جگہ ٹھہرا ہوا ہے تو سنت پڑھ لے۔ اب دیکھیں کہ بنیاد بتا دی گئی، سفر میں سنن مؤکدہ نہیں رہیں غیر مؤکدہ ہو گئیں۔ پھر غیر مؤکدہ میں انسانی کیفیت کا لحاظ رکھا گیا کہ اگر آرام و راحت ہے تو پڑھنا بہتر ہے، اگر زحمت و تکلیف ہے تو نہ پڑھنا بہتر ہے۔

دین کی تکمیل اور جامعیت اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے

اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے اور بڑی نعمتوں میں سے ہے کہ اسلام ایک جامع دین ہے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ " آج میں نے آپ کے لئے دین مکمل کیا ہے وہ دین جس کی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہر پیغمبر اور رسول نے اپنے زمانے میں نشر و اشاعت کی اور اس پر عمل کیا کسی زمانے میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ آج سے دین مکمل ہے کیونکہ دین مکمل کرنے والا پیغمبر، شرائع کے جامع، آسمانی کتابوں کی خاتم و متمم کتاب ابھی باقی تھی، جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور قرآن کریم کی وحی ۲۳ سال میں مکمل ہوئی اور ۱۱۴ سورتیں نازل ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ " آج میں نے دین مکمل کردیا ہے،" وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ "اور میں نے اپنی نعمتیں مکمل کیں" وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا " اور اسلام دین کے طور پر پسند کر کے دے دیا گیا۔ اول و آخر دین کا ذکر ہے کیونکہ اصل نعمت دین ہے، اول و آخر دین کی ضرورت ہے، زندگی گزارنے کے لئے ہر مرحلہ میں دین کی جھلک ہونی ضروری ہے، دنیا کے تمام معاملات میں دین کا لحاظ ضروری ہے۔ آج لوگ بہت زیادہ ترقی یافتہ ہوگئے ہیں، اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ دین کی ان کو کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔ یاد رکھو کہ سب چیزوں کے بغیر گزارا ہو جائے گا لیکن دین و ایمان کے بغیر گزارا نہیں ہوسکتا۔ یہ آیت کریمہ صراحتاً دلالت کر رہی ہے کہ ہمارے پیغمبر جناب نبی کریم ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی، نیا دین، نئی شریعت آنے والی نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت ﷺ کے لئے اعلان کیا کہ "اَلْیَـــوْمَ

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ " آج سے دین مکمل ہوگیا۔ اسی کے مطابق عمل کرنا ہے، اسی کے ساتھ رہنا ہے، اس میں مزید کسی نئے کام، نئے عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دین کی تکمیل اور اس کی حفاظت

دین کس طرح مکمل ہوا ہے؟ ایک کتاب جو قیامت تک کے لئے رشد و ہدایت کا مرکز اور معدن ہے، قرآن کریم اس کی وحی مکمل ہوگئی، اس کتاب کی تفسیر جس کے سب سے بڑے حامل خود پیغمبر خدا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کی زندگی اس قرآن کی تفسیر کے طور پر محفوظ ہوگئی۔

یہ تمام ادائیں کہاں محفوظ ہوگئیں؟ ایک ایسی جماعت عطا کردی گئی ان جیسے وفادار، ایمان دار اور عمل دار آسمان اور زمین نے وقتِ آدم سے آج تک نہیں دیکھے اور قیامت تک نہیں دیکھیں گے۔ ایسے جان نثار صحابہ ہمارے رسول جناب نبی کریم ﷺ کو اللہ نے عطا فرمائے تھے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں مجھے چنا ہے اسی طرح میرے صحابہ کو میرے لئے چنا ہے۔ صحابہ کی جماعت چنے ہوئے برگزیدہ لوگوں کی جماعت ہے، اس جماعت کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کو محفوظ کیا۔ اس قرآن کو اور اپنے نبی کی کامل زندگی جو قرآن کریم کی سب سے بڑی اور پہلی تفسیر ہے اسے عملاً نافذ فرمایا پہلے صحابہ کی جماعت پر اور ان کے بارے میں اعلان فرمایا "اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ " (سورۂ انفال آیت ۷۴) یہ پکے مومن ہیں جن کی مغفرت بھی ہوچکی ہے اور ان کے

لئے عزت کی روزی دینے کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔جس طرح قرآن کریم کے مکمل ہونے اور دین اسلام کے پورا ہونے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو ماننا فرض ہے۔اس طرح ان دونوں کو محفوظ سمجھنے کے لئے صحابہ کرام کی زندگی عدل کے ساتھ،صدق کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مرضیات،طلب صادق کے ساتھ تسلیم کرنا یہ بھی فرائض میں شامل ہے۔اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں اللہ اور رسول کو مانتا ہوں لیکن ہمیں صحابہ کی ضرورت نہیں،یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ میں اللہ کو تو مانتا ہوں لیکن نبی کو ماننے کی ضرورت نہیں۔

دین کے حصول کے بعد اولاً نماز کی حفاظت ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' اقیموا الصلوٰۃ ''نماز کی پابندی کرو،نماز قائم کرو،نماز قائم کرنے کا کیا مطلب ہے؟''اقام یقیم'' کے معنی ہیں پوری پابندی کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ اقامت یعنی قائم کرنا پانچ چیزوں کا نام ہے :

(۱) طہارت،جسم کی،کپڑوں کی اور جگہ کی

(۲) اوقات کا علم

(۳) کیفیات

(۴) تعداد،ہر نماز کی تعداد دوسرے سے مختلف ہے،فجر میں ۲ فرض،ظہر میں ۴ ہوگئیں لیکن آگے پیچھے سنتیں ہیں اور سنتوں کی بھی تعداد مقرر ہے،عصر میں پھر ۴ فرض ہیں،مغرب میں ۳ ہوگئیں اور عشاء میں ۴ ہیں سنت اور واجب اس کے علاوہ ہیں۔

(۵) نمازوں کے اندر منافیات سے بچنا یعنی ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے طہارت زائل

ہو جائے،ایسا بھی نہیں کرنا کہ وقت گزر جائے اور نماز نہ پڑھی ہو۔ایسا بھی نہیں کرنا کہ اس کو فرض بھی معلوم نہ ہو یعنی جو نماز ادا کر رہا ہے وہ کس وقت کے فرائض ہیں اور فرض اور سنت میں فرق نہیں کیا۔علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی فرض نہیں جانتا تو اس کا فرض قبول ہی نہیں ہوگا،علم بالفرض ضروری ہے۔

جس نماز میں یہ ۵ خصلتیں موجود ہوئیں وہ اقیموا الصلوٰۃ کا مصداق بن جائے گی۔نماز تو ایک زبردست ایمان کی مشق ہے۔دیگر تمام اعمال میں کفایت ہے یعنی تھوڑا بھی بہت ہے۔روزے سال میں ایک دفعہ پورے مہینے کے فرض ہیں،زکوٰۃ جب مال ہو اور سال گزرے اور بچے،حج بیت اللہ کا جب موقع ملے،جانی اور مالی توفیق کے ساتھ عمر میں ایک مرتبہ بہت ہے،مگر نمازیں دن میں ۵ ہیں،نماز میں کثرت مقصود ہے۔کیونکہ ایمان کا سب سے بڑا شکر نماز کے اندر ادا ہوتا ہے۔جس نے نماز سنت اور دین کے مطابق پڑھ لی اس نے اللہ کا کامل شکر ادا کیا ہے۔ایمان کی وجہ سے انسان پر جتنے شکر لازم ہو چکے تھے اس کا پہلا مرحلہ بڑی صداقت کے ساتھ دیانت کے ساتھ نماز کے اندر ادا ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص نماز نہیں پڑھتا اور وہ روزانہ ۱۰۰ دیگ پکواتا ہے،۱۰۰۰ مساکین کے گھر بساتا ہے اور ۲۰۰۰ ناتوانوں کو کپڑے دیتا ہے اور ہزاروں کے لئے علاج معالجہ کرتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ یہ تو مال کا شکر ہے۔اس کے مال میں برکت رہے گی لیکن جسم وجسمانیت کو کینسر کھا جائے گا،اس کو لاعلاج مرض بہت جلدی لپیٹ میں لے لیگا کیونکہ جسم اور حیات کا کامل و اکمل تشکر نماز پڑھنا ہے۔دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ پیسے خرچ کرلیں خیر ہے،آپ جمعہ کی نماز چھوڑ دیں آپ کو اجازت ہے کوئی بات نہیں

قریب ہے کہ ایسا کہنے والے کا منہ ٹیڑھا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ افعال کا بدلنا ناممکن ہے، اس کی اجازت کسی کو بھی نہیں ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ اور نماز کا اہتمام

اس لئے مسلمان کے لئے ہر حال میں نماز فرض ہے۔ "صل قائما" عمران ابن حصین سے آپ ﷺ نے فرمایا "فان لم تستطع فقاعدا" اگر کوئی بیماری لاحق ہوگئی تو بیٹھ کر پڑھو۔ "فان لم تستطع فعلى جنب" (بخاری جلد اول ص ۱۵۰) بیٹھ بھی نہیں سکتے تو لیٹے لیٹے سر کے اشارے سے پڑھو مگر پڑھنی ہے نماز چھوڑنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں ہے۔ ہمارے رسول جناب نبی کریم ﷺ جو خیر کے معدن ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حاصل کرنے کا مرکز ہیں اور اللہ نے ایمان و عمل میں محور آپ ﷺ کو بنایا ہے، کوئی بھی عمل انسان کا جب تک آپ ﷺ کے طریقوں کے مطابق نہ ہو عند اللہ قبول نہیں ہوتا۔ "اللهم صلى وسلم عليه"۔ آنحضرت ﷺ کا اپنا کیا حال تھا نماز میں، جب تک آپ ﷺ میں سکت رہی اور طاقت رہی ہے آپ ﷺ نے تمام نمازیں خود پڑھائی ہیں۔ یہ اتنا ضروری مسئلہ تھا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ "وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ" (سورۂ نساء آیت ۱۰۲) جب آپ ﷺ خود تشریف رکھتے ہوں تو آپ ہی کو نماز پڑھانی ہے۔ نبی سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں اور نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے یہی خدا کو راضی کرنے کا سب سے بڑا کام ہے جو مومن انجام دیتا ہے۔ اس لئے بہترین انسان کو کہا کہ وہ بہترین کام آپ ﷺ خود کر کے دیں۔

خود آپ کی نمازوں کا جو حال تھا اس کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا حضرت ﷺ نے عمر بھر نمازیں پڑھی ہیں۔ آپ ﷺ کی نمازوں کا شیڈول ایسا ہے کہ انہیں جمع کر کے جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے، شیخ عبد القادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ اس شان جیسی نماز پڑھ سکیں جیسے ہمارے رسول پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے نمازوں میں جو قرأت فرمائی ہیں وہ سب محفوظ ہیں، طویل طویل سورتیں آپ ﷺ ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے۔

یہ جو حضرت ﷺ کو معراج کی رات ۵۰ نمازوں کا تحفہ ملا اور آپ ﷺ اسے لے کر چل پڑے اور راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ واپس جا کر کم کروا دیں یہ بہت زیادہ ہیں۔ اس مقام پر علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ﷺ کو احساس کیوں نہیں ہوا کہ یہ نمازیں بہت زیادہ ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبت کے مطابق ۵۰ نمازیں ٹھیک تھیں کوئی زیادہ نہیں تھیں۔ کیونکہ نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ ﷺ نہیں پڑھ سکتے انہوں نے کہا کہ آپ کی امت نہیں پڑھ سکے گی۔ آپ کا مقام تو اس سے بھی بڑھ کر تھا کہ اگر ۱۵۰ نمازیں بھی ہوتیں تو آرام سے پڑھ لیتے۔ آپ ﷺ کو اس کے زیادہ ہونے یا تھکاوٹ کا احساس تک نہیں ہوا۔ علماء لکھتے ہیں کہ کلیم اور حبیب کے درمیان فرق بھی یہی ہے کہ حضرت موسیٰ ۵۰ سن کر پریشان ہو گئے اور ہمارے رسول ۵۰ سن کر خوش خوش واپس ہو گئے۔ آپ ﷺ کی طاقت اور توانائی نبوت کی بہت زیادہ ہے اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سفر پر روانہ ہوتے وقت جناب نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

آنحضرت ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تھے تو نماز پڑھ کر نکلتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے (طبرانی نے معجم میں حدیث نقل کی ہے) کہ جو کسی بھی سفر پر روانہ ہونے سے پہلے گھر پر ۴ رکعت نفل پڑھ کر نکلے اس کی واپسی تک گھر بار، اہل وعیال، عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ ۴ فرشتے مقرر کردے گا جو اس کے پیچھے اس کے گھر بار کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ سفر ایسے وقت میں اختیار کرو کہ نفل پڑھنا جائز ہو۔ جب آنحضرت ﷺ سفر سے واپس ہوجاتے تو آپ ﷺ سب سے پہلے مسجد نبوی تشریف لاتے اور مدینہ منورہ پہنچنے کا تشکر دو رکعت نوافل ادا کرکے فرماتے۔

(بخاری جلد اول ص ۴۴۳)

یہ وہ سنتیں ہیں جو اب تقریباً ترک ہوچکی ہیں اور حدیث میں ہے کہ چھوٹی ہوئی سنت بحال کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، مشکل بہت زیادہ ہے سب لوگ ساتھ ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ میں چار رکعت پڑھ کر نکلتا ہوں تھوڑی دقت پیش آئے گی۔ اکثر کہیں گے کہ چھوڑو وہ جو پڑھی ہیں وہ کم ہیں کیا، یہ اس لئے کہ لوگ عقل وہوش کھو بیٹھے ہیں، خیر کے کام میں مومن کی مدد کرنا ضروری ہے۔ یہ خیر کے کام سے روکنے میں مدد کرتے ہیں۔ سفر سے واپسی پر آنحضرت ﷺ مسجد نبوی تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھ کر اہل مدینہ کے احوال معلوم کرتے کوئی بیمار نہ ہو، کسی کو تکلیف نہ پہنچی ہو خیر خیریت ہو، پھر آپ ﷺ وہاں سے اٹھتے اور سب سے پہلے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے گھر

تشریف لے جاتے اور خیریت پوچھتے اور پھر جو آپ ﷺ کی متعدد بیویاں ہیں ۹، ۱۰، ۱۱ (مختلف روایات کے مطابق) سب کے گھر تھوڑی دیر کے لئے جا کر خیریت دریافت فرماتے۔ آپ ﷺ کی بشریت کو دیکھیں کہ غزوہ سے واپس ہوئے ہیں، شان کتنی بلند وبرتر ہے کہ سب کا لحاظ ہے۔ ہم جب سفر سے آجاتے ہیں تو پندرہ دن تک کسی کے گھر کا رخ نہیں کرسکتے ہیں گو سفر ہوائی جہاز کا کیوں نہ ہو چند گھنٹے کا کیوں نہ ہو اور حضرت ﷺ پیدل، اونٹوں کا اور پریشانی کا اور دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کا سفر کرتے مجال ہے کہ ہمت محمدی ﷺ میں ان چیزوں سے کوئی کمی واقع ہوجائے۔

''یارب صل وسلم علیہ''

مہمان بنتے وقت جناب نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

ایک اور سنت جو کہ آج امت سے ترک ہوچکی ہے وہ یہ ہے کہ جب کبھی آنحضرت ﷺ کسی کے گھر مہمان ہوجاتے تھے تو بخاری میں متعدد مقامات پر روایات موجود ہیں کہ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ جب کسی صحابی کے گھر دعوت میں تشریف لے جاتے تھے تو اس سے پوچھتے تھے کہ آپ کہاں پسند کریں گے کہ میں نماز پڑھوں۔ پوچھنے میں یہ حکمت ہوتی تھی کہ وہ لوگ اس جگہ کو آپ ﷺ کے جانے کے بعد نماز کی جگہ بنالیتے تھے۔ یہ جو مدینہ منورہ کی قدیم آبادی کے مطابق ہم اور آپ آج دیکھتے ہیں کہ بالکل قریب قریب مسجدیں ہیں، یہ وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات تھے جہاں آنحضرت ﷺ نے نمازیں پڑھی ہیں یا جہاں آنحضرت ﷺ نے گھروں کے اندر نماز

کی جگہ بنائی تھی۔ ہمارے زمانے میں یہ سنت بھی ترک ہو چکی ہے لوگ دعوتوں میں جا کر یا دعوتیں کر کے فرض نماز نہیں پڑھتے ہیں کہ جی آج تو دعوت ہے وہاں جانا ہے وہ لوگ آرہے ہیں اور ہمارے پیغمبر آنحضرت ﷺ کہیں مہمان ہو جاتے تو ان کے گھر میں دو رکعت پڑھ لیتے تھے۔

گھروں میں نماز کی جگہ بنانا بھی سنت طریقہ ہے

بخاری شریف میں ایک بزرگ صحابی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میں قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، امام ہوں، مسجد ذرا مسافت پر ہے، جب بارش ہو جاتی ہے تو راستے ٹوٹ جاتے ہیں کئی دن تک مسجد میں جانا مشکل ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ میری آنکھوں میں کچھ تکلیف ہو گئی ہے اور نظر بھی ٹھیک طرح نہیں آتا "انی انکرت بصری" اگر کسی دن آپ ﷺ مہربانی فرما کے گھر تشریف لائیں تو پھر میں اور اہل خانہ ہمیشہ اسی جگہ نمازیں پڑھیں گے جہاں آپ ﷺ ہمارے لئے نماز کی جگہ مقرر فرما دیں گے۔ آپ ﷺ مقررہ تاریخ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے، آپ جب وہاں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ان بزرگ صحابی سے دریافت فرمایا کہ

"این تحب ان اصلی من بیتک" (بخاری ج ۱ ص ۱۵۸)

آپ کہاں پسند کریں گے کہ میں نماز پڑھوں، نمازوں کے لئے گھروں کے اندر باقاعدہ جگہ متعین کرنا سنت طریقہ ہے۔ ہمارے یہاں تو ہر چیز کی جگہ متعین ہوتی ہے،

یہاں مہمان بیٹھیں گے، یہاں ٹیلی وژن شیطان پڑا رہے گا، یہاں اور شیطانی کام ہوتے رہیں گے لیکن اگر نماز کا پوچھو تو اس کی کوئی خاص جگہ نہیں، کہیں بھی پڑھ لیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دل میں نماز کی عظمت نہیں ہے، نماز کے لئے باقاعدہ اپنی کوٹھی و بنگلے میں جگہ بناؤ۔ ہر قوم میں جب ایمان رہا ہے اعمال رہے ہیں تو نماز کا خوب چرچا رہا ہے۔

چند ماہ قبل ایک دوست نے نیا مکان خریدا اور مجھے لے کر گئے، گھر میں بہترین بات یہ تھی کہ مجھے کہا کہ حضرت یہ وضو کی جگہ ہے اور یہ نماز کی جگہ ہے اور اس گھر میں یہ سب سے اچھا کمرہ ہے اسی لئے میں نے اسے نماز کے لئے مقرر کیا ہے۔ اپنے گھروں میں رہ رہے ہیں، مالک ہیں لیکن چال چلن میں انگریزوں کے غلام ہیں، وہ انسانیت کا بدترین دشمن تھا اس نے یہاں برصغیر میں ۱۷۰ سال حکومت کی اور لوگوں کے ایمان اور اعمال کو خراب کر کے چلا گیا۔

مغرب کی پیروی دین وایمان کی تباہی کا باعث ہے

لیکن ہمارے لوگ بھی عجیب ہیں کہ آج تک انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور انہی کو اپنا پیشوا سمجھ رہے ہیں۔ انگریزی زبان بولنے میں فخر کرتے ہیں جو کہ دشمن خدا اور رسول کی زبان ہے لیکن اپنے دین کی اپنے مذہب کی زبان جس پر اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی زبان ہے وہ جسے عربی زبان کہتے ہیں اسے بولنے میں عیب محسوس کرتے ہیں۔ اپنے حساب سے تو بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو گئے ہیں لیکن حقیقت میں زمین کے اندر دھنس چکے ہیں۔ عربی کے تین جملے ان کو یاد نہیں ہیں، انگریزوں نے تمہیں وقتی پیسے تو دلائے

ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے تمہاری عزت وغیرت کو تخت وتاراج کردیا، تمہارے مذہبی اثاثے کو سلب کیا ہے۔ او مسلمانوں! کچھ تو غیرت کرو اور غیروں کی حرکتوں پر فخر مت کرو۔

یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ آپ انگریزی میں بہت ماہر ہیں، آپ کمپیوٹر کا بڑا کورس کر چکے ہیں۔ یہ چیزیں بھی ضرورت کے تحت سیکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے لیکن فخر ہمیشہ اپنی چیزوں پر کرنا چاہئے، آپ کو عربی روانی کے ساتھ آنی چاہئے، چند احادیث، فقہی مسائل عربی عبارت سمیت یاد ہونی چاہئے، ضروری دعائیں سب یاد ہونی چاہئے، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد کے آداب سیکھنا چاہئے۔ یہود و نصارا کی پیروی بھی کوئی غیرت مند مسلمان کرسکتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ" میں نے ان میں بندر اور خنزیر بنائے ہیں۔ ایسا میرا غصہ اور قہر ان پر نازل ہوا ہے۔ ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو اس میں پڑھتے ہیں "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" خدایا نعمتوں والے راستے عطا فرما اور جن سے آپ ناراض ہوئے تھے اور جو آپ کا راستہ چھوڑ چکے تھے ان جیسا نہ بنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر جامع البیان میں منقول ہے۔

"غير المغضوب عليهم يعنى اليهود الذين غضب الله عليهم"

"قال ابن عباس الضالين النصارى"

(جامع البیان لابن جریر الطبری ج ۱ ص ۶۲، ۶۳، ۶۴)

اس سے یہی ناکارہ طبقے مراد ہیں، یہ انسانیت کے بدترین دشمن، انبیاء کے

باغی اور سرکش ہیں، ان کی نقل وحرکت پر فخر کرنا بھی کوئی غیرت کا کام ہے۔ اپنے پروگراموں میں بھی انگریزوں کے غلام ہیں، کارڈ بناتے ہیں تو انگریزی میں، بچوں کے بھی انگریزی بولنے میں فخر کرتے ہیں، تاکہ لوگ کہیں کہ یہ بہت لکھے پڑھے ہیں اور بہت آگے نکل گئے ہیں، اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ اب واپس اپنے گھر کے بھی نہیں رہے۔ اپنا گھر چھوڑ کر جو آگے نکلتا ہے تو اسکی قسمت میں سزا ہوتی ہے۔ اپنے گھر میں رہنا بہت عزت کی بات ہوتی ہے۔

ہم کسی زبان کے مخالف نہیں ہیں لیکن کسی دشمن زبان کا راج وحکومت ہمارے اوپر ہوجائے اور ہماری اپنی زبانیں اس کے نیچے دب کر ختم ہوجائیں ہم اس کے مخالف ہیں۔

دین کی تمام بڑی کتب عربی اور فارسی میں ہیں اور اس کے بعد اردو میں ہیں۔ عربی زبان کے بعد فارسی والوں نے نصف سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، احسان کیا ہے ہم پر، خدا کی قسم عربی زبان کے بعد جو عزت وقدر وقامت فارسی زبان کو حاصل ہے اسکی مثال نہیں ہے، ہمارے مذہب کی ترجمان زبان ہے۔ اس کے بعد اردو جو ہماری لشکری زبان ہے، فخر شکر کی زبان، ہمارے ہندوستان کے اکابر علماء نے اس میں کروڑوں خدمات انجام دی ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں! اور آج وہ اسلام کی ایک نمائندہ زبان ہے، اردو زبان سمجھنا خدا تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے اور اس سے بے بہرہ رہنا قہر کا باعث ہے، کیونکہ ہندوستان کے اکابر جو کامل واکمل اولیاء اللہ تھے انہوں نے کفر کی ظلمتوں میں اسلامی قوم کو اغیار اور ان کے ناکارہ اثر سے بچانے کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اردو زبان میں بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح آج بھی ہمارے درمیان

موجود ہیں اس سے میدان بھرے ہوئے ہیں ۔ میں اسی لئے کہتا ہوں کہ انسان کو اپنی زبان پر غیرت کرنا چاہیے ۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں کھیلو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تینتالیسواں خطبہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ o وَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ o سَرَابِیْلُھُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُ o لِیَجْزِیَ اللّٰہُ کُلَّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ o ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (سورۂ ابراہیم آیت ۴۸ تا ۵۲)

قابل قدر بزرگو، محترم بھائیو، معزز سامعین ،تقریر کے موضوعات پہلے سے متعین ہوتے ہیں۔ ملک میں اور بیرون ملک میں اتنے مسائل ہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اتنی سازشیں ہیں کہ وہ متعین ہیں۔ بہت ہی مشکل ہے کہ ان موضوعات سے کوئی بچ کے چلے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کا طریق اصلاح

انبیاء علیہم السلام کا یہ طریقہ تھا کہ قوم جس مرض میں مبتلا ہوتی تھی اس پر کلام کرتے تھے اور ضرورت بھی اس بات کی ہوتی ہے۔ آدمی کے جب پیٹ میں درد ہو اور آپ اس کو زکام کی دوا دیں تو یہ کوئی ڈاکٹری اور طب تو نہیں ہے اور اس کے سر میں درد ہو اور آپ اس کو ٹانگوں کی نسیں اور رگیں کھولنے والی دوائیاں لکھیں تو یہ عقل کی صحیح راہنمائی اور استعمال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کامل و اکمل بندے انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں۔ پھر تمام پیغمبروں کے آخر میں خاتم و مختتم جناب رسول اللہ ﷺ ہیں، جو کامل و اکمل شریعت لے کر آئے ہیں۔ انبیاء کرام ہمیشہ اُس مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ فرماتے تھے جو اس وقت ان کی قوم میں موجود ہوتا تھا کیونکہ انبیاء کرام لوگوں سے متاثر ہونے کے لئے دنیا میں تشریف نہیں لاتے تھے بلکہ خود ان سے ساری کائنات وابستہ ہوتی تھی اور انہی کی چھاؤں کے نیچے قومیں پرورش پاتی تھیں۔ اس لئے نبی وہ شخص منتخب کیا جاتا تھا جو تمام افراد میں سب سے زیادہ کامل ہوتا تھا، بے عیب ہوتا تھا اور نبوت سے پہلے بھی اس کی زندگی محفوظ ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ساتھ دنیا کی ہدایت وابستہ ہوتی تھی اور وہ صاحب شریعت

ہوتے تھے۔ ہمارے پیغمبر جناب نبی کریم ﷺ پوری کائنات جن وانس کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ ﷺ کی شریعت رہتی دنیا تک کے لئے ہدایت کا گنجینہ ہے اور مکمل راہنمائی کا سازوسامان ہے۔

یہ تو ہر مسلمان کہتا ہے کہ شریعت کامل ومکمل ہے، لیکن اس کو سمجھنے کی زحمت کوئی گوارا نہیں کرتا۔ علماء تو جانتے ہیں اور مانتے ہیں اور ان کے علاوہ بھی جو صحیح دانشور، اور عقلاء ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی سمجھنے کی توفیق دی ہے لیکن عام لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ اس نہ سمجھنے سے دو نقصان پیدا ہوتے ہیں، ایک تو نہ سمجھنے والا آدمی دوسرے کے یہاں شکار جلدی ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ پھر وہ سمجھنے والوں کے لیے رکاوٹ بنتا ہے۔

علماءِ حق کا مقام ومرتبہ اور ان کی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے علمائے دین کو یہ مقام اور مرتبہ عطا کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی کامل و اکمل راہنمائی کریں۔ علمائے دین یا تو کتابوں کے ذریعے یہ فرض ادا کرتے ہیں اور ایسی تصانیف دنیا میں اب بھی موجود ہیں اور ابدنشان ہیں، یا پھر وعظ ونصیحت سے لوگوں کو دین کے قریب کرتے ہیں۔ کتابیں جو اکثر لکھی گئیں ہیں وہ یا تو عربی میں ہیں یا گاڑھی قسم کی اردو میں اور ہمارے لوگ تو انگریزی کے اتنے زیادہ عادی ہوگئے ہیں کہ اپنی مادری زبان اردو کو بھی بھول گئے ہیں۔ ہمارے علماء میں آخری ادوار میں بہت اچھے لکھنے والے گزرے ہیں جن میں سرفہرست حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تھے۔ وہ اہل زبان بھی تھے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ بھی تھے اور پاکستان کے بہت اہم مہم مفتی تھے اور انتہائی محتاط

آدمی تھے ۔ ہر مسئلہ میں شریعت کو مقدم رکھتے تھے ۔پھر ان کے ساتھ حضرت الاستاذ حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ جیسے آدمی تھے جو عالمی شخصیت تھی وہ کسی بھی عالم کو ادھر اُدھر سر کنے نہیں دیتے تھے ۔ ان کے علاوہ میدان سیاست کے فاتح حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تو میدانِ عمل کے شاہسوار تھے اور جتنے کامیاب سیاستدان تھے اس سے بڑھ کر فقیہ و مفتی و محدث تھے اور جتنے بہادر فقیہ و مفتی تھے اس سے بڑھ کر بہادر میدان سیاست کے بھی شاہسوار تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر دینی ہیبت اور علم کی صلاحیتیں جمع فرمائی تھیں ۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

اب بھی پاک سرزمین علمائے حق سے لبریز ہے اور حق کی ادائیگی فرماتے ہیں اور فرمانی پڑے گی لیکن ہر وقت کے مسائل علیحدہ ہوتے ہیں ۔ ہر دور اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کامل پیدا فرمائے ہیں جو ہر طرح کے لوگوں کی اصلاح کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے ۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک حکایت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے میں ایک شخص پیدا ہوا تھا جہم ابن صفوان ، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر تھا ۔ ایسا بد بخت اور گمراہ تھا کہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ''خیر الرازقین'' نہ کہو کیونکہ یہ بھوکے اور پیاسے جو ہیں ان کا ذمہ دار کون ہے اور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ''احسن

الخالقین'' بھی نہ کہو کیونکہ یہ لولے لنگڑے کس نے پیدا کیے ہیں ، کیا ان کا کوئی اور خدا ہے؟ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مذاق اڑاتا تھا ۔ ایک بار امام اعظم رحمہ اللہ کی خدمت میں آیا اور امام صاحب سے بحث و مباحثہ شروع کیا ۔ ہمارے یہاں بھی ایسے لوگ ہیں ، کوئی ریڑھی والا ہو یا تیل بیچنے والا اس کو لے کر آجاتے ہیں کہ حضرت اس کو سمجھائیں ۔ مجھے لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ پندرہ سال سے میرے پیچھے نمازیں پڑھ رہے ہیں لیکن دو لفظ کسی کو نہیں کہہ سکتے ۔ میرا کام تو اس کے بڑوں کو سمجھانا ہے ، ہمارے لوگ قدر و قیمت نہیں جانتے ۔ بہر حال حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کو سمجھایا اور راہِ راست پر لانے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ ابدی جہنمی تھا بات نہیں سمجھا اور حضرت سے الجھنے لگا آخر میں امام صاحب رحمہ اللہ نے اسے کہا ''اخرج عنی یا کافر'' (نکلو یہاں سے کافر کہیں کے) (اصول البزدوی ص۴) ۔ ہمارے زمانے میں لوگ چونکہ کم عقل ہیں اور دینی ہیبت اور جلالت ان کے دلوں میں نہیں ہے اس لئے اس بات کا بڑا مذاق اڑاتے ہیں کہ اوہ! کافر کہہ دیا ، کسی کو کافر نہیں کہنا چاہئے ، عجیب بات ہے کافر کو کافر نہیں کہیں گے تو کیا اسکو ماموں کہیں گے؟ ۔ کافر کو تو کافر ہی کہنا ہوگا ، اس طرح تو مسلمان کو بھی مسلمان نہیں کہنا چاہئے ہوسکتا ہے کہ آگے جا کر کافر ہو جائے (اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے) ۔ کافر کو تو کافر حکم شرعی سے کہا جاتا ہے اس میں ہماری آپ کی مرضیات کا کوئی دخل نہیں ہے ۔ چنانچہ یہ سن کر وہ چلا گیا ، اس کو پتہ چلا کہ فارس میں لوگ رنگیلے قسم کے ہیں اور جلدی گمراہ ہوتے ہیں ۔ تو ایسے لوگوں کو شکار کرنے کے لئے وہ ''احوط'' چلا گیا ، جو ان کا بڑا شہر تھا ۔ وہاں کے بادشاہ سے ملاقات کی اور بادشاہ کو کہا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں اور روئے زمین پر میرے پائے کا کوئی عالم نہیں اور

میرے یہ نظریات ہیں بادشاہ نے کہا کہ یہ نظریات تو غلط ہیں۔ احوط کے بادشاہ نے اس کو کہا کہ اس وقت عالم اسلام میں سب سے بڑے عالم امام ابوحنیفہ ہیں، پوری دنیا میں امام کے زمانے میں کسی بھی علم وفن میں امام سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔ بادشاہ نے جہم بن صفوان کو کہا کہ پہلے ان کے پاس جائیں، احوط کے بادشاہ کو اس جہم نے کہا کہ میں امام صاحب کے پاس ہو کر آیا ہوں اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ ''کافر یہاں سے نکل جاؤ''، بادشاہ نے اس کو کہا کہ وہ تو کسی کو کافر کہتے ہی نہیں ہیں کیونکہ انکا تو یہ قانون مشہور ہے کہ اگر کسی کے کافر ہونے کے ۹۹ وجہ بن رہی ہیں اور اسلام میں رہنے کی ایک وجہ بن رہی ہے اور وہ ایک وجہ دلیل پر قائم ہے تو مسلمان رہنے دو ان ۹۹ وجوہات کو چھوڑ دو۔ اور اس نے خود آپ کو کافر کہا ہے چنانچہ اس نے جلاد کو بلایا اور دربار میں اس جہم بن صفوان کو ذبح کروادیا۔

وقت کا سب سے بڑا ولی ! امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام صاحب کے زمانے میں ایک شخص تھا وہ ہر عالم کے پاس جاتا تھا اور اس کو کہتا تھا کہ دنیا کا بیچ کہاں ہے، کہاں سے دنیا کو ہم وسط مانیں گے۔ جب وہ امام صاحبؒ کے پاس آیا تو امام صاحب نے زمین پر مکہ مارا اور کہا کہ یہی زمین کا بیچ ہے آپ ناپنا شروع کریں کہ ہے یا نہیں۔ امام صاحب کی بات کا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کیونکہ عقل حضرتؒ کی بہت زیادہ تھی اور تواضع اور تقویٰ اتنا تھا کہ ۳۰/۴۰ سال ان کا علم کا دور ہے، اس زمانے میں حضرتؒ رات کو سوئے نہیں ہیں جاگتے رہے ہیں۔ جب اللہ کا خوف بڑھ جاتا ہے ''تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ'' ان کی کروٹیں بستروں سے دور رہتی

ہیں۔ ''يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا'' (سورۃ الم سجدہ آیت ۱۶) اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے ہیں امید سے بھی اور ڈر سے بھی۔

حضرت امام صاحبؒ فجر کی نماز پڑھ کر شاگردوں کو درس دیتے تھے۔ شاگرد بھی کون تھے سب بڑے بڑے مجتہدین امام محمد رحمہ اللہ جیسے لوگ جو امام شافعی اور امام احمدؒ کے استاد ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو امام مالک رحمہ اللہ کے ٹکر کے فقیہ و محدث ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر حافظ الحدیث ہیں۔ ذکر الوحی میں ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے زمانے میں ان سے بڑا حافظ الحدیث کوئی نہیں تھا۔ ایسے پچاس آدمی تھے حضرت کی مجلس میں جن سے حضرت امام صاحبؒ مختلف مسائل پر گفتگو کرتے تھے اور جو فیصلہ ہو جاتا تھا اس کی تشریح لکھ لیتے تھے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت امام صاحبؒ آرام فرماتے تھے۔ ایک دفعہ جب امام صاحبؒ آرام فرما رہے تھے تو ایک شخص آیا، وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت بڑا ولی کون ہے؟ تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا علامات ہوں گی اور یہ کس طرح پتہ چلے گا۔ اس نے جواب دیا جس کا نفس بالکل کچلا ہوا ہوگا وہ بڑا ولی ہے، لوگوں نے پھر اس سے پوچھا کہ نفس کیسے کچلا ہوا ہوگا، تو اس نے کہا کہ یہ پتہ چل جائے گا۔ اس شخص نے امام صاحبؒ کا پتا چلایا اور جب امام صاحبؒ کے آرام کا وقت ہو گیا اور امام صاحب گہری نیند سو گئے تو وہ آیا اور اس نے امام صاحب کو اٹھایا اور کہا کہ حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، امام صاحب نے کہا کہ پوچھئے، اس نے کہا کہ میں ابھی بھول گیا ہوں، امام صاحب نے فرمایا کوئی بات نہیں اور اس کے بعد امام صاحبؒ پھر سو گئے۔ یہ شخص پھر آیا اور حضرت صاحب سے کہا کہ حضرت یاد آ گیا، حضرت

اٹھ بیٹھے اس نے پھر کہا کہ میں پھر بھول گیا۔امام صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں ایسا
ہوتا ہے کہ کبھی کبھی انسان کے ذہن سے بات نکل جاتی ہے پھر جب بھی یاد آئے پوچھ
لینا۔۴/۳ مرتبہ حضرت کو پریشان کیا۔ آخر میں کہا کہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ انسانی
غلاظت میٹھی ہوتی ہے یا پھیکی۔(یہ سوال تھا اس جاہل اور کم عقل کا) امام صاحب رحمہ اللہ
نے فرمایا کہ جب یہ تازی ہوتی ہے تو میٹھی ہوتی ہے اور جب خشک ہوجاتی ہے تو یہ کھٹی
ہوجاتی ہے۔تو اس نے حضرت سے یہ بھی پوچھا کہ کیا آپ نے کھایا؟ تو حضرت امام
صاحبؒ نے فرمایا کہ کھانے کی ضرورت نہیں ہے اس بات کا عقل فیصلہ کرسکتی ہے۔کیونکہ
جب یہ تازی ہوتی ہے تو اس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور مکھیاں میٹھی چیز پر بیٹھتی ہیں اور جب یہ
سوکھ جاتی ہے پھر مکھیاں نہیں بیٹھتی اس میں کھٹاس پیدا ہوجاتی ہے۔وہ شخص امام صاحب
ؒ کے پیروں میں گر گیا اور معافیاں مانگنے لگا کہ میں نے آپ کو بہت تکلیف دی اور بہت
پریشان کیا۔ میں نے روئے زمین کے لوگ دیکھے لیکن آپ جیسا نہیں دیکھا۔حضرتؒ نے
فرمایا کہ معیار آپ نہیں ہیں معیار شریعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی سنت مبارکہ ہے
اس کے مطابق رہنا بہت ضروری ہے۔

وقت کا سب سے بڑا عالم ! امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام صاحبؒ کے علم کا یہ عالم تھا کہ حرمین شریفین کا بادشاہ جب کوئی مسئلے کا
اعلان کرتا تو شور مچ جاتا، تو ان کو کہا گیا کہ جب امام ابوحنیفہؒ حج کے لئے آئیں تب مسئلہ
پوچھیں ان کی موجودگی میں کوئی عالم مخالفت نہیں کریگا۔احسن التقاسیم نامی کتاب اسی

موضوع پر لکھی ہے ''بنائی'' نے جو ۳۸۸ھ میں فوت ہوئے ہیں بیت المقدس میں انہوں
نے لکھا ہے کہ میں مصری اور عربی ہوں لیکن حنفی ہوں کیونکہ میں نے امام ابوحنیفہؒ جیسا عالم
نہیں دیکھا ہے۔

امام صاحبؒ نے کہا ہے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء نے کہا ہے کہ مقتدی
امام کی اقتدی میں کوئی تلاوت نہیں کرے گا، کیونکہ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔مقتدی
امام کے پیچھے بلند آواز سے آمین نہیں کہے گا، کیونکہ یہ صحیح حدیثوں کے خلاف ہے۔مقتدی
کسی بھی نماز میں پہلی تکبیر اور وتروں کے علاوہ بار بار ہاتھ نہیں اٹھائے گا، کیونکہ امام
صاحب کا علم بہت زیادہ ہے انہوں نے صحابہ اور تابعین کو قریب سے دیکھا ہے اور صحابہ و
تابعین کے مطابق انہوں نے نماز کو ترتیب دیا ہے۔امام صاحب کے علاوہ اور کوئی بھی امام
ایسا نہیں ہے جس نے صحابہ کرام کی زیارت کی ہو یہ شرف و اعزاز صرف امام اعظم امام ابو
حنیفہؒ ہی کو حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ حنفی نماز صحیح حدیث اور قرآن کے مطابق ہے۔
جو لوگ نہیں سمجھتے ہیں ان کی عقلیں ماری گئی ہیں۔آج دو آنے کے لوگ ہوتے ہیں جن کا
مذہب صرف ڈھکوسلا اور دروغ گوئی پر مبنی ہے امام صاحب کو کہتے ہیں کہ ان کو حدیث نہیں
آتی تھی۔ایسا دور بھی آیا کہ لوگ وقت کے مقتدی اور پیشوا کے لئے کچھ بھی کہہ دیتے ہیں
اور ان سے کوئی بھی پوچھنے والا نہیں ہے۔یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ لوگوں میں سے علم کی
قدر ختم ہوجائی ہے، علم کی عزت اور افتخار سے لوگ ناآشنا ہوتے ہیں، اس علم کے لئے
ہمارے بزرگوں نے اور آئمہ نے بڑی بڑی مشکلات جھیلی ہیں، تکالیف اٹھائی ہیں لیکن
ہمیشہ علم کو زندہ رکھا ہے۔

علم کی بالادستی میں علماء کرام کا کردار

امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے ہیں، امام بخاریؒ نے آپ سے ملاقات بھی کی ہے لیکن حدیث براہ راست نہیں سن سکے، صرف مذاکرہ ہوا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں ایک فتنہ کھڑا ہوگیا تھا، اس کو فتنہ خلق قرآن کہتے تھے یہ ایک بہت ہی مشکل مسئلہ تھا جمعہ کی تقریر میں اس کا احاطہ بہت مشکل کام ہے صرف اشارہ اس لئے کرتا ہوں کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ ہمارے علماء نے کتنی تکالیف اور مصائب میں علم کو زندہ رکھا ہے۔ اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حق پر تھے اور بادشاہ مخالف تھا لیکن آپ بالکل نہ گھبرائے اور حق سے پیچھے نہیں ہٹے اس سلسلے میں آپ پر بڑی سخت تکلیفیں آئیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو امام اہل سنۃ اور امیر المومنین فی السنۃ کہلوایا ہے۔

ہر دور اور زمانے میں مختلف قسم کے مسائل ہوتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ابن ایوبؒ کے زمانے میں ایک شاعر تھا اس نے ایک شعر کہا۔

کان مبدع هذالدین من رجل   سعیٰ فاصبح یدعیٰ سید الامم

کہ پیغمبر اسلام محنت مشقت کر کے اس مقام تک پہنچے۔ علماء نے اس بات پر اعتراض کیا کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل اور اللہ تعالیٰ کی امداد پیغمبر کے ساتھ ہوتی ہے۔ پیغمبری کوئی کسبی چیز نہیں ہے کہ زیادہ نمازیں پڑھیں اور روزے رکھیں اللہ اللہ کریں اور اس کے بعد آپ نبی بن جائیں۔ عقائد میں لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ محنت مشقت کر کے کوئی شخص نبی بن سکتا ہے وہ زندیق ہے واجب القتل ہے۔ اور شاعر نے شعر

میں یہی کہا ہے

''کان مبدع هذالدین من رجل''

اس دین کا شروع کرنے والا بھی ایک عام آدمی تھا

''سعیٰ فاصبح یدعیٰ سید الامم''

بڑی کوشش اور محنت کے بعد سید الامم کہلائے

چنانچہ علماء نے اس کے متعلق فتویٰ دے دیا اور اس کے بعد اس شاعر کو دربار میں ذبح کر دیا گیا۔ ہر دور اور زمانے میں اسلام کے ساتھ تمسخر کرنے والے اور اسلامی احکام کا مذاق اڑانے والے پیدا ہوئے ہیں۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اکبر بادشاہ

ایک ہزار ہجری (۱۰۰۰ھ) جب پوری ہوگئی یہ اکبر بادشاہ کا زمانہ ہے۔ اکبر بادشاہ جوانی میں تو بہت اچھا تھا ان کے حالات میں لکھا ہے ''دیار ہند'' اور ''دربار ہند'' دو بڑی کتابیں ہیں ان کے احوال پر۔ دونوں میں لکھا ہے کہ وہ محلے کی مسجد کی صفائی ستھرائی خود کرتا تھا، شہزادہ ہونے کے باوجود۔ علماء جب دربار میں آتے تھے تو اکبر بادشاہ تخت پر نہیں بیٹھتا تھا نیچے اتر کر بیٹھتا تھا کہ عالموں کے سامنے بادشاہ کو زیب نہیں دیتا۔ لیکن بدقسمتی سے ایران سے ایک شخص آیا اس کا نام ''مبارک'' تھا، اس کے دو بیٹے تھے ایک کا نام ''فیضی'' اور دوسرے کا نام ''ابوالفضل'' تھا اور وہ دونوں عالم تھے، ان دونوں میں فیضی بہت قابل تھا اس نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے اور اس تفسیر میں اول سے آخیر تک نقطے والے الفاظ

نہیں لایا ہے جیسے ب، ج، ن، ت، خ، ف، ق ۔ بغیر نقطے کے حروف استعمال کئے ہیں ہم اور آپ اپنی زبان میں اردو میں کہ ایک لفظ بغیر نقطے کے نہیں کہہ سکتے ۔ قابل اتنا زیادہ تھا کہ اس نے بغیر نقطوں کے تفسیر لکھ ڈالی ۔ اسکا نام ’’سواطع الالہام‘‘ اس کے شروع میں وہ کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوا ہے اور میں نے الہام کے مطابق لکھا ہے ۔ اس دور کے علماء نے جو ان کے ہم خیال تھے ، سرکاری خیالات کے اس کی جو تصدیق کی ہے وہ بھی بغیر نقطوں کے کی ہے ، اس تفسیر میں کوئی نقطوں والی تحریر نہیں ہے ۔ جیسے اب پیغمبر کی بیویوں کے لئے ’’زوجات‘‘ آتا ہے تو ان کے لئے ’’عروس‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ تاکہ نقطہ نہ آئے ، تمام وہ الفاظ اللہ کے لئے پیغمبر کے لئے ، قرآن کے لئے اور صحابہ کے لئے اور بزرگوں کے لئے کہ جن سے ان کا مطلب واضح ہو اور نقطہ نہ آئے ۔ اکبر بادشاہ کی جہالت سے اور نا سمجھی سے انہوں نے فائدہ اٹھانا شروع کیا ۔ پہلے تو ان کو کہا کہ یہ علماء جن کا آپ بہت احترام کرتے ہیں وہ یہ علما نہیں ہیں جن کو حدیث میں ’’ورثۃ الانبیاء‘‘ کہا گیا ہے یہ تو روٹی سالن والے ہیں جیب خرچی کے لئے دربار میں آتے ہیں ۔ بادشاہ کے دل میں ان کے لئے نفرت بٹھانا شروع کر دی ۔ ہمیشہ علماء کی توہین کا مقصد ہی لوگوں کے دل سے دین نکالنا ہوتا ہے ۔ کئی علماء کو قتل کروایا ، دربار میں آگ بھی جلوائی ، گائے کے ذبح کرنے پر بھی پابندی لگوائی ، مسلمان خواتین کا نکاح ہندوؤں سے کروایا ۔ اکبر بادشاہ فوت ہو گیا اس کا بیٹا جہانگیر ، بادشاہ بنا اور اپنے باپ کے ہی نقش قدم پر چل پڑا اس کے خلاف مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ) نے علم بغاوت بلند کیا ۔ ایک لمبی داستان ہے ، بہر حال جہانگیر نے توبہ کی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تمام اصلاحات نافذ کیں اور اکبر بادشاہ کے

زمانے سے جو غیر شرعی رسومات دربار میں موجود تھیں سب کو ختم کر دیا ۔

ہندوستان میں ظہیر الدین بابر سے لے کر ہمایوں تک جتنے بھی بادشاہان گزرے ہیں سب کے ادوار میں کٹر حنفیت اور سنیت نافذ تھی ۔ یہ دیگر جتنے بھی مذاہب ہم سنتے ہیں یہ مذاہب نہیں ہیں یہ سب بغاوتیں ہیں ان کو مذہب کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے ۔ ساری کتابیں انہی کی لکھی ہوئی ہیں ، فتاوی تاتارخان ، علامہ زبیدی بلگرامی کی اتحاف اس کے علاوہ بھی بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے یہ سب جناب نبی کریم کے معجزات ہیں کہ علم رہتی دنیا تک رہے گا اور کوئی بھی اس کو ختم نہیں کر سکے گا ۔

علم کی حفاظت ! ایک معجزہ

ہمارے بزرگوں نے تمام قسم کے حالات میں علم کے لئے کوششیں کی ہیں ۔ گزشتہ ادوار میں علمائے دین لاکھوں حدیثیں یاد کرتے تھے اور ایک ایک عالم کے درس میں ہزاروں کی تعداد میں طلباء ہوتے تھے ۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے درس میں ۹۰،۰۰۰ طلباء رہے ہیں ۔ ابن سبعین رحمہ اللہ ایک محدث گزرے ہیں ان کے درس میں کبھی بھی ۷۰،۰۰۰ سے کم شاگرد نہیں رہے ۔ ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ امام مالک کے استاد ہیں ۔ ان کے درس میں ۳۰۰۰ مستملی ہوتے تھے ۔ جو استاذ کی آواز اوروں تک پہنچاتے تھے جگہ جگہ فاصلے پر کھڑے ہوتے تھے ۔ جب استاد نے کہا ’’قال رسول اللہ ﷺ‘‘ تو وہاں چل کر کے پاس ایک آدمی ہے وہ بھی نعرہ لگاتا ہے قال رسول اللہ ﷺ پھر گیٹ کے پاس ایک کھڑا ہے ، باہر والا کوئی اور کھڑا ہے اس طرح دور تک ، پھر دوسرا لفظ ، تیسرا لفظ ، اس طرح درس ہوتا تھا کیونکہ

لاؤڈ اسپیکر کا انتظام نہیں تھا، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا عجیب معجزہ تھا۔ بخاری شریف حجۃ الوداع میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے خاص خادم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب آیا تو خطبہ شروع ہوا، سب سے اخیر میں جا کے مجھے جگہ مل گئی۔ سوا لاکھ صحابہ معروفین اور پانچ لاکھ غیر معروف جو دور دراز سے آئے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا خیمہ آخر میں تھا وہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے خطبہ شروع کیا تو میں ایسا سنتا تھا جیسے حضرت ﷺ مجھ ہی سے خطاب فرمارہے ہیں، یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ الم نشرح میں آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے" وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "ہم آپ ﷺ کی آواز دور تک لے جائیں گے، آپ ﷺ کے ذکر کو اٹھالیں گے۔ اب اٹھانا اللہ کی حکمتِ تکوین کے مطابق ہے، کائنات کے چپے چپے تک آپ کا پیغام آپ کی تشریف آوری کی صداقت و امانت اور ہدایت پہنچ گئی ہے پہنچ رہی ہے، اور پہنچتی رہے گی۔ یہاں تک کہ عبد الوہاب شعرانی وغیرہ نے "المیزان" میں لکھا ہے کہ اب کسی کا یہ کہنا کہ مجھے مسئلہ معلوم نہیں ہے یہ ٹھیک بات نہیں ہے، یہ عذر نا قابل قبول ہے،" ان العلماء اشرق المسائل و غربوھا "علماء نے مسائل شرق اور مغرب میں پہنچادیئے ہیں، کوئی ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں عذر معتبر ہو۔

ایک زمانے میں دیوار چین پر کام ہو رہا تھا۔ جس کی تفصیل تو اریخ میں آئی ہے اور وہ بہت ہی طویل علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے تقریباً ۱۲۰۰ میل لمبی اس پر کام ہوتا رہا ہے۔ اچانک اس کے نیچے ایک عجیب سی مخلوق نظر آئی انسانی شکل میں جب ان سے گفتگو کی کوشش کی گئی تو وہ صرف تین باتیں جانتے تھے۔ ایک اللہ تعالیٰ کو اور نبی کریم ﷺ کو، نبی کریم

ﷺ کے ذکر پر دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیتے تھے کہ تاجِ عزت جن کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا وہ نبی ہیں اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جانتے تھے ان کے ذکر پر ایک ہاتھ سر پر رکھ لیتے تھے کہ بڑے اماموں میں بڑا امام ہے، اس کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ نے "واقعہ یاجوج ماجوج" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ طلباء اور لکھا پڑھا طبقہ آرام سے اس کو دیکھ لیں۔ یہ سب چیزیں علم سے حاصل ہوتی ہیں کیونکہ علم کی بہت بڑی قدر و قیمت ہے۔ ہندوستان میں موتی لال، جواہر لال اور گاندھی وغیرہ جو شیخ الہند رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کا احترام کرتے تھے تو وہ بھی یہی کہتے تھے کہ یہ مسلمانوں کے مذہب کے بڑے علماء ہیں، ان کے مذہب کا احترام ضروری ہے۔

توحید! مذہبِ اسلام کا ایک اہم رکن

انسانی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت مذہب کو حاصل ہے دین کو حاصل ہے، آج لوگوں نے دین کے ساتھ مزاق شروع کیا ہوا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ یہ دین صرف مدرسوں اور مساجد کے لئے ہے، دین دنیا میں بسنے والے ہر ہر شخص کی ضرورت ہے، جس طرح انسانی جسم کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر دین کی ضرورت ہے اور دین میں اول چیز توحید ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی یکتایت کا پختہ عقیدہ حاصل ہو جائے۔ یاد رکھنا توحید کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس ایک مسئلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں بھیجے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی

تعلیمات میں ایک جملہ مشترک رہا ہے اور وہ ''اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ'' ہے۔ کیونکہ ہمارے دین کی ابتداء ہی توحید سے ہے کلمۂ اسلام میں پہلے ''لا الٰہ الا اللہ'' آتا ہے۔ اس لئے توحید پر غیرت کرنا ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔

یہاں گلشن میں ایک فوجی رہتا تھا ان کے والد بھی عمر بھر سرکاری عہدے پر رہے تھے اور جمعہ کی نماز پابندی سے یہیں پڑھتے تھے اور مجھ سے بڑا گہرا تعلق تھا، لیکن جب وہ مرنے لگے تو اسی فوجی کے ذریعے مجھے بلایا، جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ آکسیجن پائپ لگے ہوئے تھے اور پورا بستر دوائیوں سے بھرا ہوا تھا مجھے دیکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ سب ہٹاؤ مجھے مولانا سے بات کرنی ہے، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں آپ کو گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ آپ نے پچیس سال سے جس دین کو بیان کیا ہے وہ میں نے کانوں سے سنا ہے، دل سے مانا ہے اور اسی کے مطابق چل رہا ہوں آپ نے جو توحید کا درس دیا تھا میں نے پوری زندگی اس پر عمل کیا اور شرک کبھی بھی نہیں کیا ہے اور سو فیصد بدعات سے بچا رہا۔ دنیا میں میرا ایک ارمان تھا کہ کسی طرح آپ سے ملاقات ہو جائے مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ ہسپتال آکر مجھے دیکھیں گے، شاید عقیدۂ توحید کی برکت ہے کہ آپ خود آئے اور مجھے دیکھ رہے ہیں بس میرا کام ہو گیا، میں آپ کو گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو ۲۵/۲۰ سال سے اس ممبر سے توحید بیان کی، میں نے آپ کی بیان کردہ توحید ضبط کی ہے اور میں اس عقیدۂ توحید پر دنیا سے جاؤں گا، آپ گواہ رہیں کہ قیامت کے دن توحید والوں کے لئے جو اجر و ثواب رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے۔ ایک عام شخص کا اتنا بڑا جذبہ ہے، اللہ کی توحید کے ساتھ اتنا عشق اور محبت ہی ہماری کمائی اور سرمایہ ہے۔ ہم قیامت کے دن اللہ

کے حضور کہیں گے کہ خدایا اثر ڈالنے والے تو آپ تھے لیکن بعض عوام پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ ان کی دنیا و آخرت سنور گئی۔ میں نے ان سے کچھ بات چیت کی، ان کی صحت کی دعا کی، آخرت کی منازل کی دعا کی اور میں وہاں سے واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس فوجی صاحب نے بتایا کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے آنے کے بعد کہا کہ بس کام ہو گیا اب مزید مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی غیرت توحید کے مسئلہ میں میں نے کم ہی لوگوں میں دیکھی ہے ورنہ ہمارے زمانے کے لوگ تو اتنے ترقی یافتہ ہیں کہ ان کا دین چاچا کے لئے بھی بدل جاتا ہے ماموں کے لئے بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور جب چاہیں اپنی آسانی کے لئے کچھ بھی کر لیتے ہیں۔ علماء کا فرض مسائل کا بیان کرنا ہے اثر ڈالنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے کوئی ایک بھی آپ کے وعظ و نصیحت سے ہدایت کی طرف چل نکلا تو بہت بڑا سرمایہ ہے۔

مسائل پر غیرت دین کا تقاضہ ہے ! ایک مثال

جب مکہ مکرمہ کی فتح کے لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ جانے لگے تو ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا'' حدیبیہ مقام پر نازل ہوئی ہے۔ صحابہ بڑے خوش تھے اور آنحضرت ﷺ نے خوب تیاری کی اور اعلان ہو گیا کہ مکہ فتح ہے۔ آنحضرت ﷺ سنہ ۸ ھ میں تشریف لائے، سوچنے کی بات ہے آیت آئی ہے سنہ ۶ ھ میں اور حضرت ﷺ آ رہے ہیں ۸ ھ میں نبی ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے دو سال انتظار کیا، کیونکہ ہر کام کا ایک وقت متعین ہے جو جلد بازی کرتے ہیں ان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جب آپ ﷺ آنے لگے تو انصار نے

درخواست کی کہ ہماری ایک گذارش مان لیں، آپ ہماری حفاظت میں جائیں گے آپ ﷺ
نے عہد کیا کہ ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ جاؤں گا انہوں نے چالیس کے قریب کمانڈوز،
زبردست قسم کے جنگجو اور معتمد لوگوں کا ایک حلقہ تیار کیا کہ حضرت ﷺ کو وہ لے کر جائیں
گے، یہ انصار کی درخواست آپ ﷺ نے جوں کی توں منظور کی۔ جس وقت قافلہ روانہ ہوا تو
قافلے کے بعض ذمہ داروں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ طویل سفر ہے اور ہمارا دستور ہے کہ
قافلے میں طبلہ بجتا ہے اس سے لوگ ذرا خوش رہتے ہیں اور ٹائم اچھا پاس ہوگا۔ آپ ﷺ
نے فرمایا کہ ٹھیک ہے مجھے عرب دستور تم سے زیادہ معلوم ہے عربوں کے قافلے بغیر سارنگی
اور طبلے بجنے کے نہیں چلتے تھے لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ اتنے فاصلے پر آؤ کہ مجھے اس
کی کوئی آواز نہیں آئے (امت کو غیرت، حیا اور شرم کرنی چاہئے جنہوں نے آج ڈھول
باجوں کو ہی اپنا کام بنایا ہوا ہے)۔ آپ ﷺ نے کہا کہ ٹھیک ہے تم بجاؤ لیکن مجھے آواز نہیں
آئے، میں نے نہیں سننا ہے۔ صحابہؓ نے کہا کہ بلا ڈالو ایسے سارنگی اور طبلے پر جو حضرت
ﷺ کو تکلیف دے۔ اگر غلطی سے سننے میں آیا سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ سمجھانے
کے طریقے ہوتے ہیں جس طرح انہوں نے کہا تھا کہ ہمارا مسلسل عمل آیا ہے آپ نے بھی
اسی طرح اس پر مسلسل چوٹ رکھ دی کہ میں نے نہیں سننا اور اس سے اتنا پختہ کام ہوا کہ
جماعت صحابہ میں کوئی بھی ایسا نہیں گزرا جو کہ کسی قسم کا کوئی سازینہ بجانا جانتا ہو اگر کوئی نام
دکھائے تو میں انعام دوں گا، ایسا کوئی بھی نہیں ہے سب کے سب تائب ہوگئے اور ایسے
تائب ہوئے جیسے شراب سے تائب ہوئے تھے۔

اسلام میں موسیقی کی کوئی حقیقت نہیں ہے موسیقی دلوں میں نفاق ایسے اگاتی

ہے، منافقت پیدا کرتی ہے جس طرح پانی کاریلہ بیج کو اگا دیتا ہے پانی جہاں سے گزرتا ہے
ضرور وہاں سے بیج اگتا ہے، کہیں بھی بیج ہو سبزہ نکل آتا ہے۔ اسی طرح جہاں موسیقی بجتی
ہو وہاں دلوں میں منافقت پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے یہاں ہر حال میں دین مقدم ہے
اور اولین ترجیح دین کو ہے۔ شوق دونوں قسم کا ہوتا ہے پاک آدمی کو اذان سننے کا شوق ہوتا
ہے، تلاوت سن کر خوشی ہوتی ہے، لیکن جب انسان کا دل ناپاک ہو اور وہ شریعت سے دور
ہو تو وہ عورتوں کے اور مختلف گلوکاروں کے نغمے اور گانے سنتا ہے اور اس میں اسے سکون
محسوس ہوتا ہے۔

نکاح میں دف بجانا ! حدیث کی تشریح

اس لئے جس حدیث میں ہے کہ نکاح کھل کر کرو، مسجد میں کرو اور نکاح کے
بعد دف بجاؤ، تا کہ نکاح کا سب کو پتہ چل جائے۔ اس حدیث کی تشریح میں امت کے سب
سے بڑے عالم امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
آپ مساجد میں دف لا کر بجانا شروع کر دیں مسجدیں اس لئے نہیں بنیں ہیں کہ ان میں
دف اور باجے بجائے جائیں، بلکہ یہ عرف کے مطابق آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح
کو ظاہر کرو تا کہ سب کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ نکاح ہوگیا اور یہی فرق ہے جنازے
میں اور نکاح میں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر پر حمل نہیں ہونے دیا کہ اس
سے واقعی کوئی دف بجانا مراد ہے۔ ہمارے یہاں بھی محاورہ مشہور ہے کہ "بات کرو نقارے
کیوں بجاتے ہو" تو اس وقت کیا کوئی نقارے بجاتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ بات آہستہ

کرو شور مت کرو۔ اسی طرح اردو کا مشہور شعر ہے کہ ''زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھے'' تو کیا کوئی بھی عقلمند آدمی یہ کہے گا کہ خدا تعالیٰ کے عرش کے نیچے کوئی نقارہ بج رہا ہے؟ ہرگز نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آواز کا دور تک جانا تا کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے، لوگ بات سمجھتے نہیں ہیں اور اپنی طرف سے تشریحات کر لیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ مسائل سے کوئی جگہ بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ کوئی بھی دور اور زمانہ قیامت تک ایسا نہیں آئیگا جس میں مسائل کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ یہ سب بے دینی اور جہالت کی باتیں ہیں کہ علماء کی ضرورت نہیں ہے، یہ سب پلاننگ اس لئے بنائی جارہی ہے کہ لوگوں کو دین سے دور کیا جائے اور ان کو مغرب پرستی پر آمادہ کیا جائے جس کا انجام صرف اور صرف تباہی و بربادی ہے۔

اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کی حفاظت فرمائے اور ان کو دین کا مطیع اور فرمانبردار بنائے اور اغیار کے ناکارہ آثار سے ہماری حفاظت فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

چوالیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥

(سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵)

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام لیلۃ القدر ایمانا و احتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ و من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری ج ۱ص ۲۵۵)

روزہ اور اس کے فوائد و برکات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کردیا گیا ہے اور تم سے پہلے جو مسلمان گزرے ہیں ان پر بھی روزہ فرض رہا ہے، روزے سے تم میں تقویٰ آجائے گا پرہیز گاری پیدا ہوجائے گی، احتیاط سیکھ لوگے، گناہوں سے بچنے کی قوت آجائے گی اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی توانائی آجائے گی، یہ تو چند دن کی بات ہے، ایام معدودات ۳۶۵ دنوں میں یقیناً یہ ۲۹ یا ۳۰ دن چند دن ہی ہیں۔ یہ تمہارے عذر کی وجہ سے کہا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ سال بھر روزہ ہوتا، کیونکہ روزہ کے فوائد اور برکات بہت زیادہ ہیں لیکن انسانی کمزوریاں بھی اللہ کے یہاں قابل لحاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق اور شہنشاہ مطلق کے ساتھ بہت زیادہ رحمان و رحیم بھی ہیں، کریم اور رؤف بہت زیادہ ہیں، اس وجہ سے صرف

سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کردئے گئے۔ ان روزوں سے بھی دو آدمیوں کو رخصت مل سکتی ہے۔ ”وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ“ ایک بیمار اور دوسرا مسافر، یہ بیمار اور یہ مسافر جو بیماری اور سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے ”فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ“ اور دنوں سے پھر گنتی پوری کرلے۔ جتنے دن روزے چھوٹ گئے ہوں اتنے دن روزے بعد میں رکھ لے ”وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ“ اور جو طاقت نہیں رکھتا ہے روزہ رکھنے کی، عمر بہت ہوگئی وقت بہت گزر گیا بیماریوں نے بہت وقت سے پکڑا ہے۔ کسی ایسے مرض اور عذر میں گرفتار رہا ہے کہ روزہ رکھنے کے قابل نہیں رہا۔ وہ ایک روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو ۲ وقت کا کھانا کھلائے یا ۲ مسکینوں کو ایک وقت کا کھانا کھلادے ”فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ“ اگر کوئی بڑھا چڑھا کے کھلادے ایک مسکین کی جگہ دو چار مسکینوں کو اور دو وقت کے بجائے پانچ وقت کا کھانا دیدے، یہ اور ہی بہتر ہے۔ لیکن اے بیمار اور اے مسافروں اور اے کمزور آدمی یہ بات تم یاد رکھو کہ روزے جیسی نعمت کوئی اور نہیں ”وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ“ روزے ہی رکھ لو یہ بہت اچھا ہے ”اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“ یہ روزے کے احکام کا ابتدائی حصہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اس طرز پر بیان فرمایا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ روزے کا تعلق مومن سے ہے، غیر مسلم پر جیسے نماز فرض نہیں ہے، روزہ اور زکوۃ اور حج بھی فرض نہیں ہے۔ اسلام کے احکام کا تعلق مسلمان سے ہوتا ہے غیر مسلم اس کا مستحق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ احکام بہت سارے ہیں لیکن احکام کا اونچا درجہ فرضیت کا ہے۔ اسلام میں فرض سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے، ایمان بھی فرض

کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانا انسانوں پر فرض کیا ہے، ایمانیات بھی فرائض کی
قبیل میں سے ہیں۔ اس لئے شہادتین، نماز، زکوۃ، روزہ، حج ایک کڑی کے سلسلے ہیں۔
پانچوں ایک ساتھ جمع ہوکر ارکان خمسہ کہلاتے ہیں۔

رمضان کے روزے اور دیگر روزوں کا بیان

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کردیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض
تھا۔ ہم سے پہلے لوگوں کو رمضان شریف کا مہینہ تو نہیں ملا ہے۔ البتہ ہر مہینہ کے ۳ دن چاند
کے ۱۳، ۱۴، ۱۵ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر عاشورہ محرم کا روزہ بھی فرض ہوا ہے۔
تو یہ ۳۳، ۳۴ کے قریب روزے گذشتہ امتوں پر فرض رہے ہیں۔

ایک روایت کہیں نظر سے گزری ہے کہ ایک عیسائی بادشاہ بہت بیمار ہوا، عیسائی
پادریوں نے لوگوں کو کہا کہ تم لوگ نذر مان لو کہ بادشاہ صحت یاب ہوجائے تو ہم ہر مہینے
اتنے روزے رکھیں گے تو ۴۰ ہوگئے اور پھر بعد میں سرکاری طور پر ۴۰ روزے فرض
رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض ہیں ان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اسی لئے
امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے شوال کے مہینے میں ۶ روزے رکھنا ناپسند کیا ہے،
مکروہ کہا ہے کیونکہ اس سے فرضیت کو نقصان پہنچتا ہے۔ محقق علی الاطلاق ابن الہمام نے
شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ میں نے کچھ صوفیاء کو دیکھا ہے کہ وہ عید الفطر کے دن کہتے تھے کہ
ہماری عید آج نہیں ہے بلکہ ۶ روزے جب شوال کے رکھیں گے تب عید منائیں گے جیسا
کہ بعض لوگ اب بھی کہتے ہیں، تو ابن الہمام لکھتے ہیں کہ جب حالت ایسی ہو تو علماء کو

چاہئے کہ ایسے نوافل جن سے فرائض کو نقصان پہنچ رہا ہو ان پر پابندی لگائیں، لوگوں کو اس
سے منع فرمائیں۔ فرائض کی حفاظت بہت زیادہ ضروری ہے۔ اسی طرح شعبان کی آخری
تاریخ پر یہ خدشہ بھی ہوتا ہے کہ آج ۳۰ شعبان ہے یہ احتمال بھی ہے کہ آج یکم رمضان
ہے کیونکہ یہ غیب کا علم صرف بزرگ و برتر خدا کو ہے، کہ یہ مہینہ واقعتا ۲۹ کا تھا یا ۳۰ کا تھا۔
قرائن اور علامات دیکھنی پڑتی ہیں ان کے مطابق ۳۰ واں دن جو شعبان کا ہے یہ یکم
رمضان ہوسکتا ہے۔ اس دن اگر کوئی احتیاط کے لئے روزہ رکھے کہ شعبان کی آخری تاریخ
کا روزہ تو ضروری نہیں ہے، نفل ہے۔ لیکن رمضان شریف کا روزہ فرض ہے اور فرض روزہ
محفوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر کوئی اس تاریخ کو روزہ رکھ لے کہ ممکن ہے آج ۳۰
شعبان کے بجائے یکم رمضان ہو تو حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ شک کا دن
ہے، یوم الشک ہے۔

"من صام الیوم الذی شک فیه فقدعصی ابا القاسم" (ترمذی ج ۱ ص ۸۷)

جس نے اس شک کے دن روزہ رکھا ہے وہ اتنا گناہگار ہوگا جیسے میرا مخالف گناہ
گار مطلب یہ ہے کہ چاند نہیں ہوا ہے، گواہ اور شہود پیش نہ ہوسکے، حساب جو چاند کا ہے اس
میں موافقت نہیں جس دلیل سے آپ رمضان کا روزہ رکھتے ہیں تو پھر آپ احتیاطاً روزے
کیسے رکھ سکتے ہیں یہاں احتیاط مؤثر نہیں ہے بلکہ اتباع مؤثر ہے۔

رویتِ ہلال کمیٹی اور غلط فیصلے

ہمارے یہاں عجیب رواج ہوگیا، جس طرح اس ملک کی ہر چیز کمزور ہے اسی

طرح جو بھی دینی کام ان کے حوالے ہو جاتا ہے اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے رویت ہلال کے نام پر یہ کمیٹی بناتے ہیں، اس میں پہلے تو مضبوط علماء وفقہاء ہوا کرتے تھے اب آہستہ آہستہ اس کمیٹی میں اخباری قسم کے لوگ شامل ہوگئے ہیں۔ ہمارا چیئرمین اپنی مرضی سے اعلان کرتا ہے اور لوگوں کے روزے اور عید خراب کرتا ہے کیونکہ ایک ایسے انسان کو اس سیٹ پر بٹھایا ہے جس کے دین و ایمان کا ہی پتہ نہیں ہے۔ چاند کے لئے تو ایک گواہی بھی کافی ہے۔

سوال یہ ہے کہ چاند اگر کوئی دیکھ لے اور وہ شہر نہ پہنچ سکے اور اطلاع بھی نہ کر سکے کیونکہ دیہاتوں میں تو بہت مشکل مرحلہ ہے وہاں تو کئی گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ رویت ہلال کا چیرمین یہ اعلان کرتا ہے کہ چاند نہیں ہوا ہے اور دوسرے شہر سے اطلاع آجاتی ہے، علماء جمع ہوتے ہیں کہ ۴۰ گواہ جمع ہوگئے ہیں، اتنے گواہ جمع ہوگئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلامی احکام کا مذاق اڑانا ہے کیونکہ ایک بدعتی کے ذہن میں دین کی کوئی عزت واحترام نہیں ہوتا۔ اس اعلان کی کوئی اخلاقی اور شرعی وجہ ہی نہیں ہے کہ چاند نہیں ہوا ہے، یہ اعلان ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ چاند نہیں ہوا ہے۔ یہ صرف اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلامی احکام کا مذاق بناتے ہیں۔ چاند کا تو صبح فجر کی نماز کے بعد بھی اعلان ہوسکتا ہے کہ فلاں فلاں علاقے سے شہادتیں ہوئی ہیں ہمیں اطلاع دیر سے پہنچی ہے۔ میں نے ایک بڑے آدمی کو کہا کہ اس رویت ہلال والوں کو دین سکھانا آسان کام نہیں ہے، تم قومی اسمبلی میں اس پر قرارداد پیش کرو اور ان کو کہو کہ یہ جو اعلان ہوتا ہے شام ساڑھے سات بجے کہ چاند نہیں ہوا اس کا کیا مطلب ہے۔ اگر کوئی شخص چاند دیکھ چکا ہو اور وہ ساڑھے ۸ بجے پہنچے تو کیا اس کی

گواہی نہیں مانیں گے، اگر چہ وہ مسلمان عاقل بالغ ہو، ایسا تو میں نے کسی بھی کتاب میں نہیں دیکھا، وہ خود بھی بڑے عالم تھے میں نے کہا کہ آپ بتائیں اس کی کیا دلیل ہے؟

رویتِ ہلال اور جنابِ نبی کریم ﷺ کا عمل

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار دن کے وقت شہادت قبول کی، ایک شخص نے کہا کہ جیسے ہی میں نے چاند دیکھا تو میں اونٹ پر سوار ہوا اور پوری رات سفر کیا نہ میں نے آرام کیا اور نہ میری اونٹنی نے آرام کیا ہے، بہت مشکل سے آپ تک پہنچ گیا دوسرا دن ہو چکا تھا اور سورج بھی نکل چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جن لوگوں نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے وہ روزے سے رہیں، کیونکہ اس نے گواہی دی ہے اور چاند دیکھا ہے اور جن لوگوں نے کچھ کھایا پیا ہے وہ بعد میں یہ روزہ رکھ لیں گے، آج کا روزہ ہو گیا کیونکہ آج کا چاند ہو چکا ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکو یہ نہیں کہا کہ آپ کو عشاء سے پہلے آنا چاہیے تھا اب تو اعلان نہیں ہو سکتا، یہ نہایت ہی کمزور بات ہے! جیسے اور احکام حکومت کے حوالے ہو جاتے ہیں اور حکومت کے اندر رحمت اور اخلاص ہوتا نہیں ہے اسی طرح جب دینی احکام کی باری آتی ہے تو وہ اس میں بھی اعلیٰ درجہ کی خیانت اور بے ایمانی سے کام لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ فرض ہے، فرض روزے کے تو بہت زیادہ احکام ہیں اور یہ کوئی کھیل تماشا اور ضد و مقابلہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام و مسائل ہیں اور تمام مسلمانوں کی عبادت کا مسئلہ ہے۔ روزے کے لئے جب چاند وقت پر نہ ہو تو

تراویح کی ضرورت نہیں ہے، روزے کیلئے جب اطلاع دیر سے آئے تو سحری کھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، سحری کھانا تو ویسے بھی ضروری نہیں ہے، سنت ہے۔ روزے کے لئے رات سے نیت بھی ضروری نہیں ہے، دن کے شروع میں اطلاع آ گئی ہے تو شرعاً روزہ لازم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روزہ چاند دیکھ کر فرض ہوتا ہے اور عید کا چاند دیکھ کر روزہ ختم ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''لا تصوموا قبل رمضان صوموا لرویته الهلال وافطروا لرؤیته فان حالت دونه غیابة فکملوا ثلثین یوما'' (ترمذی ج ۱ ص ۸۷ مکتبہ دار القرآن والحدیث)

چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور چاند دیکھو تو عید کرو یا اگر تم چاند نہ دیکھ سکو تو پھر گذشتہ مہینے کی تاریخوں کا حساب کرلو۔ اس لئے ابوبکر جصاص نے احکام القرآن، رازی اور دیگر اکابرین امت نے لکھا ہے کہ ہر مہینے کی تاریخیں اسلامی چاند کے اعتبار سے جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ ان پر رمضان کا مہینہ اور حج کا مہینہ موقوف ہے کہ سب مسلمانوں کو تاریخوں کا پتہ ہو اور وہ انہی تاریخوں کی مناسبت سے چاند دیکھیں۔ اگر تمام مسلمانوں کو چاند نظر آ گیا تو اس کا مطلب ہوگا کہ عبادت لازم ہو گئی اور اگر چاند نہیں دیکھا گیا تو پھر عذر ہے گذشتہ مہینے کے ۳۰ دن پورے کر لئے جائیں۔

سعودی عرب اور رویت ہلال

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کر دیا گیا، فرض روزے کے لئے تو دور دراز سے بھی تعلق ہو سکتا ہے۔ سعودی عرب اسلامی ملک ہے ان کا ہمارے ساتھ صرف ایک نماز کے

وقت کا فرق ہے۔ ان کے مطلع میں چاند اور سورج کے طلوع ہونے میں اور ہمارے مطلع میں ۲ گھنٹے کا فرق ہے، آدھا گھنٹہ تو یہاں سے پشاور تک بھی ہو جاتا ہے۔ یہ فرق تو کہیں نہ کہیں صوبوں میں بھی ہوتے ہیں۔ علمائے دین لکھتے ہیں کہ جب پورے دن اور رات کی مسافت نہ ہو درمیان میں مطلع کے اندر تو دور ملک کی شہادت پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ یہ کتنی نامناسب بات ہے اور بدبختی کی علامت ہے کہ کعبہ شریف جو کہ اللہ رب العزت کا گھر ہے وہاں اعلان ہو جاتا ہے اور تراویح پڑھی جاتی ہے اور اگلے دن روزہ ہوتا ہے، اور ہمارے ناکارہ لوگ جن کے یہاں اگلے دن بھی روزہ نہیں ہوتا ان کا چاند نکلنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ آخر آپ دنیا کے اور کام بھی تو ٹیلیفون پر کرتے ہیں وہ اس وقت رابطہ کا مضبوط ذریعہ ہے، علی الاطلاق اگر ٹیلیفون پر یہ پتہ چل جائے کہ یہ شخص کون ہے تو شہادت معتبر ہے۔ ٹیلیفون پر پوری دنیا کا لین دین ہوتا ہے، پورے ممالک اور سلطنت کا نظام چلتا ہے، تو شہادت کی خبر کا معتبر نہ ہونا غیر معقول بات ہے، یہ سب فقہ سے بے خبری اور دین سے نابلد ہونے کی نشانی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک آدمی جب بات کرے اور شہادت دے اور آپ اس کو نہیں پہچانتے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ علاقے کی کسی معزز ہستی یا امام خطیب سے اس کی بات کروادیں اور وہ اس کی تصدیق کر لے تو یہ شہادۃ علی الشہادۃ کہلاتی ہے اور یہ جائز ہے، فقہ کی تمام کتب اس سے بھری پڑی ہیں۔ اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کر دیا گیا، تو فرض روزے کے ساتھ اس طرح تمسخر اڑانا ٹھیک نہیں ہے۔ روزہ فرض ہے لیکن روزے کے توابع اور روزے کے آداب بھی فرائض ہی کی طرح ہیں اس لئے مسلمان رات سے تیار ہو جاتے ہیں۔

چودہ سو سال سے بیس رکعات تراویح کا رواج

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور پھر ان کی اتباع میں اس وقت سے لے کر آج تک اور انشاء اللہ قیامت تک روزے کے اکرام میں رات کو ۲۰ رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ ۲۰ رکعت سے کم کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہیں۔ جس دن سے کعبہ شریف مشرکین سے آزاد ہوا، کعبہ سے ۳۶۰ بت نکالے گئے کعبہ کی دیوار پہ چڑھ کر حضرت بلالؓ نے بحکم پیغمبر اذان دی ہے فتح مکہ کے دن جس دن سے مسجد نبوی ﷺ قائم ہوئی ہے اور رسول اللہ ﷺ خود اس کے امام ہوئے ہیں، پورے عالم کے لوگوں کو وہاں سے اللہ کی توحید اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں نمازیں شروع ہوئی ہیں۔ اس وقت سے لیکر آج تک کسی دور میں بھی دونوں حرمین کے مصلے پر (۲۰) بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہوئی ہے۔ ادھر اکثر مسجدوں کے اندر بے دین لوگ رہتے ہیں وہ آٹھ رکعت اور ۱۰ رکعت پڑھتے ہیں یاد رکھو حدیث میں ہے کہ رمضان میں مومن کی عبادت بڑھ جاتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ آٹھ اور دس پڑھنے والے مومن تو نہ ہوئے، وہ نہ بھی پڑھیں تو کون ان سے پوچھتا ہے۔ لیکن حجت جو شریعت میں ہے وہ حرمین شریفین ہے اور وہ اس سنت کا بھی اہتمام کرتے ہیں کہ ایک مصلی پر دو امام دس، دس رکعات پڑھائیں، چونکہ حضرت عمرؓ نے ۲۰ رکعت تراویح حضرت ابی ابن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما سے پڑھوائی ۱۰/۱۰ رکعت تو وہ ۱۰/۱۰ رکعت دو اماموں سے پڑھواتے ہیں تا کہ یہ سنت بھی کم از کم وہاں تو زندہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت یہ بھی تھی کہ وہ فرض اور وتر خود

پڑھاتے تھے اور ۲۰ رکعت تراویح ۲ صحابہ رضی اللہ عنہما سے پڑھواتے تھے۔

تراویح کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ تشریف لائے "فرالناس متوزعین او متفرقین " انہوں نے دیکھا کہ لوگ ادھر اُدھر کھڑے ہیں ایک جماعت وہاں کھڑی ہے ۱۰ آدمیوں کی، ایک دوسری جگہ کھڑی ہے ۵ آدمیوں کی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو بلا کر فرمایا کہ یہ بات تو پسندیدہ نہیں ہے کہ پیغمبر کی مسجد میں ۵ اور ۶ جماعتیں کھڑی ہوں "انی یحب ان اجمع الناس علیٰ امام واحد " بہتر صورت یہ ہے کہ ایک امام کے پیچھے سب نماز پڑھیں۔ اگلی رات سے ابی کو کہا اور تمیم رضی اللہ عنہما کو کہا کہ تم لوگ پیغمبر ﷺ کے سامنے تلاوت کرتے تھے اور تمہارے حفظ پر بڑا اعتماد ہے، آپ آگے بڑھ کے پڑھائیں حضرت عمرؓ خود بھی حافظ ہیں بلکہ احفظ ہیں پیغمبر کے پسندیدہ آدمیوں کو کہا کہ آپ لوگ تراویح پڑھائیں۔ وہ اس ترتیب سے پڑھتے تھے کہ ہر رات کو ۲۰ رکعت میں ۲۰ رکوع پڑھتے تھے تو قرآن مجید کے رکوعات کی جو تعداد ہے اس کے مطابق ۲۷ ویں رات کو ختم بن جائے گا۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسنون طریقہ ہے جو نبی ﷺ کے مصلی پر ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورے عالم اسلام کو خطوط لکھے اور وہاں کے گورنروں کو پابند کیا کہ مساجد میں ۲۰ رکعت تراویح کا اہتمام کریں۔

عشاء کے فرائض سے فارغ ہو کر پہلے ۲۰ رکعت تراویح پڑھی جائے اور پھر وتر پڑھائے جائیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں واقعہ لکھا ہے فراغ نے الاحکام السلطانیہ

میں لکھا ہے، بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے اور بڑے اکابرین امت نے جن کو تاریخ کا سلیقہ تھا بڑے طریقہ سے یہ احکام ضبط فرمائے ہیں۔ قیام اللیل وتہجد میں مروزی میں نقل کیا ہے اور "الینابیع فی صلاۃ التراویح" میں شیخ محمد علی صابونی مکی نے نقل کیا ہے۔ ۲۰ رکعت تراویح بہت مبارک عمل ہے، گھروں کے اندر بیبیاں بھی تراویح پڑھیں گی، خواتین کے لئے بھی تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ ان کو اجازت ہے کہ دو دو رکعت کی بجائے چار چار رکعت کر کے بھی پڑھ سکتی ہیں اور ان کو اجازت ہے کہ ۵ ترویحوں میں مکمل کرلیں سنت طریقہ ہے کہ جب دو دو پڑھیں تو ہر دو رکعت کے بعد تین مرتبہ "یا حی یا قیوم برحمتک استغیث" اور چار رکعت کے بعد "سبحان ذی الملکوت" یا "سبحان اللہ والحمد للہ" یا "سبحانک لا علم لنا" یا "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم"۔ سبحان سے جو تسبیح شروع ہوتی ہے وہ ۳ مرتبہ چار رکعت کے بعد پڑھیں۔ کتابوں میں اس کی وضاحت ہوگئی کہ جب تراویح مکمل ہو جائے تو پھر تسبیحات کے لئے بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے، بس وتر پڑھے جائیں گے۔

تراویح کے بارے میں مزید تفصیلات

تراویح کے دورانیے میں اگر تسبیحات پڑھی جا رہی ہوں تو ایک آدھ کلمہ بلند آواز سے کوئی بزرگ پڑھ سکتا ہے تاکہ لوگ سیکھ لیں لیکن جہر پسندیدہ نہیں ہے، اپنا اپنا آہستہ پڑھنا یہ پسندیدہ عمل ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ تراویح ختم قرآن کے ساتھ بھی صحابہ کی سنت ہے اور ایک ختم سے زیادہ ختمات بھی ہو چکے ہیں۔ ہماری

فقہ کی کتابوں میں ہے کہ ایک ختم کے لئے عوام کو مجبور کیا جائے کہ ایک ختم میں لازماً شریک ہوں اور پھر دوسرے اور تیسرے ختم کیلئے مصلّی پر اگر نمازی گرانی محسوس کریں تو پھر اسے چھوڑ دیں۔ معلوم ہوا کہ پہلا ختم سنت مؤکدہ ہے اور اس کیلئے عوام کا عذر کمزوری بیماری معتبر نہیں ہے۔ اگر ایک سے زیادہ ختمات کہیں ہو رہے ہوں تو اس میں پھر لوگوں کے حالات دیکھ لئے جائیں۔ بعض لوگ کسی جگہ ۵ راتوں کی یا ۱۰ راتوں کی تراویح پڑھ لیتے ہیں اور پھر وہ گھر بیٹھا رہتا ہے کہتا ہے کہ بس کافی ہے میرا ختم تو ہوگیا، یہ بہت ہی بیہودہ اور فضول حرکت ہے اور رمضان کی برکات اور فضیلت سے محرومی کی نشانی ہے۔ رمضان شریف کی راتوں میں دو سنتیں مستقل ہیں، ایک آخری دن تک ۳۰ راتوں کی تراویح ۲۰ رکعات پڑھنا یہ سب سے بڑی سنت اور دوسری سنت اس میں ایک مکمل قرآن ختم کرنا ہے۔ ختم چاہے ایک رات میں ہو یا ۳۰ راتوں میں یہ ایک سنت ہے۔ جو ۵ راتوں کا یا ۶ راتوں کا ختم کرتے ہیں انہوں نے ایک سنت ادا کی ہے لیکن تراویح ہر رات کی مستقل سنت ہے وہ معاف نہیں ہے۔ ختم کے بعد بھی ۲۰ رکعات تراویح بقیہ دنوں کی پڑھنی پڑے گی یہ آپ کی مرضی پر نہیں ہے ضروری ہے۔

ایک اہم مسئلہ کی وضاحت : چونکہ ۵ راتوں کے ختم یا ۶ رات یا ۱۰ رات کے ختم کے بعد کچھ لوگ تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو رمضان کے بقیہ آداب سے بری سمجھتے ہیں اس لئے اگر کسی مفتی اور فقیہ نے فتویٰ دیا کہ ۵ راتوں اور ۶ راتوں کا ختم نہ کیا جائے تو یہ فتویٰ صحیح برمحل ہوگا۔ وہ لوگوں کی آخری رات تک تراویح کا محافظ ہے۔ ہمارے علماء نے

اسی لئے مسجد کے اندر شبینہ کو منع کیا ہے۔ کیونکہ مسجد میں شبینہ یا تو تراویح کے لئے ہوگا تو بیمار، بوڑھے، کمزور شریک نہیں ہو سکیں گے اور مسجد میں سب کو حق شرکت ہے یا پھر نفلوں میں پڑھیں گے تو نفلوں کی جماعت نا جائز ہے، علی الاطلاق نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسی کو شبینہ کا شوق ہے تو وہ اپنے گھر پر شبینہ کا انتظام کر لے اور وہاں تراویح کے اندر حافظ صاحب کو مدعو کر لے۔

تراویح کے دوران اول سے آخیر تک قرآن سننا چاہئے یہ فعل جائز نہیں ہے کہ کچھ لوگ اپنے شغل میں یا باتوں میں لگے رہیں اور جب ان کو اندازہ ہو جائے کہ اب امام صاحب رکوع میں جانے والے ہیں تو وہ آ کے نیت باندھ لیتے ہیں۔ اللہ کے گھر میں قرآن سننے سے محروم ہونا بہت بڑی بدنصیبی ہے اور خود اس کا سبب بننا بغیر کسی عذر اور مرض کے یہ اور بھی بدنصیبی در بدنصیبی ہے۔ تراویح ایک شان و شوکت کی نماز ہے، خود بھی اس کا اہتمام کریں اور دوستوں کو بھی مدعو کریں، بال بچوں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ اللہ کا شکر و کرم ہے ایک خاص قسم کی فضاء ہے اور مسلمانوں میں جذبہ ہے لیکن پھر بھی کچھ افراد ہوتے ہیں جو اس مقدس مہینے کی خیر و برکت سے بھی محروم رہتے ہیں، ان کے لئے بھی فکر کرنی چاہیے اور دعا اور نصیحت جاری رکھنا چاہئے۔

روزے کے بارے میں مزید احکامات

۳۰ دن رمضان کے اگر چاند ۳۰ دن کا ہوا یا ۲۹ دن مہینے کے حکم میں ہیں، برابر روزے فرض ہیں۔ یہ غیر اسلامی خیال ہے کہ شروع کے چند دن رکھ لیں اور پھر جمعہ جمعہ رکھ

لیں اور پھر آخر میں زور و شور سے رکھ لیں۔ یہ تو اللہ رب العزت کو دھوکہ دینے والی بات ہے، اللہ رب العالمین نے فرمایا " فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ " پورے مہینے کا روزہ رکھنا فرض ہے۔ کچھ دن کا نہ رکھنا اور ایک دن کا نہ رکھنا بدترین گناہ ہے، رکھ کے توڑنا تو اور چیز ہے، شروع سے ہی نہ رکھنا یہ بھی بدترین گناہوں میں سے ہے۔ ایک روایت کتاب الصوم میں آئی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے بھی فضائل رمضان میں نقل کی ہے کہ اگر کوئی بغیر عذر کے رمضان کا ایک دن کا روزہ نہ رکھے اور پھر اس کے بدلے میں زندگی بھر کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہوگا کیونکہ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے، عبادت کی توہین کی ہے، اسلام کی سرحدیں توڑی ہیں۔ جس نے ایک دن رمضان کا بغیر کسی عذر کے ضائع کیا وہ اگر پھر عمر بھر روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہوگا۔

(ترمذی ج ۱ ص ۹۰، فضائل رمضان ص ۳۲)

عذر کا مسئلہ الگ ہے عذر دو ہیں، یا ایسا بیمار ہونا کہ اس بیماری میں روزہ رکھنا بیماری بڑھ جانے کا سبب ہے یا موت واقع ہونے کا سبب ہے، تو یہ بیماری معتبر ہے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت آئی ہے۔ دوسرا عذر سفر ہے، جب آدمی اپنے شہر اور گاؤں سے انگریزی میل کے اعتبار سے کم از کم ۴۸ میل دور جاتا ہو اور وہ اپنے گاؤں یا شہر کے مضافات سے باہر نکلے تو وہ مسافر ہو جائے گا۔ اس قسم کا سفر یقینی ہو، سیٹ ریزرو ہے فیصلہ ہو چکا ہے تیاری مکمل ہے تو اجازت ہے کہ وہ صبح سے روزے کی نیت نہ کرے " وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ " سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت آئی ہے لیکن روزہ رکھنے کی ترغیب آئی ہے " وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ " روزہ رکھ ہی لو بہت بہتر ہے۔

سفر دو قسم کا ہے، ایک وہ جس میں صعوبت تکلیف یقین کے درجے میں ہو۔ اس میں روزہ نہ رکھنا بہتر جانا گیا ہے اور رکھنے کی اجازت ہے۔ دوسرا وہ سفر جس کو سفرِ راحت کہتے ہیں اس میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ سفرِ راحت کی بنیاد بھی دقت ہے۔ سفرِ راحت اور سفرِ زحمت، راحت کے سفر میں سنت نفل بھی سب پڑھنا چاہئے لیکن فرض چار یقیناً دو پڑھنا پڑیں گے۔ اگر قصداً کسی نے چار پڑھ لئے ظہر، عصر، عشا، تو گناہ گار ہوگا۔ جس سفر میں دقت دشواری یقین کے درجے میں ہے اس سفر میں سنت نفل چھوڑ دینا بہتر ہے اپنے گاؤں اور شہر سے انگریزی میل کے اعتبار سے کم از کم ۴۸ میل کوئی دور جا رہا ہو وہ مسافرِ شرعی ہے۔ نماز تو تب قصر ہوگی جب شہر سے باہر نکلے، کراچی ائیر پورٹ پر اسٹیشن پر بس اسٹینڈ پر کوئی قصر نہیں کرسکتا ہے۔ یہ اس کا شہر ہے ہوسکتا ہے روانہ ہی نہ ہو، ریل گاڑی ہی نہ چلے، جہاز کا ٹائم تبدیل ہو جائے، تو یہ ائیر پورٹ اسٹیشن بسوں کے اڈے پر قصر نہیں کر سکتا، شہر کے مضافات سے باہر نکلنا ضروری ہے۔

روزے کا اولین مقصد ! تقویٰ

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" تم پر روزہ فرض کیا گیا "کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ" جیسے فرض کیا گیا تھا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" تم میں تقویٰ آنا چاہئے، روزہ کا مقصد تقویٰ ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا ایک آدمی صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہتا ہے، خوب جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ بازیاں کرتا ہے اور جتنی نا کردنیاں ہیں سب انجام دیتا ہے روزے میں۔ تو آپ ﷺ

نے فرمایا جب وہ گناہ نہیں چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے اور پینے چھوڑنے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ظاہراً تو کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کو روزہ کہتے ہیں حقیقتاً تمام نا کردنیوں سے پرہیز کا نام "روزہ" ہے، "تقویٰ" اس کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ تم سے اگر کوئی رمضان شریف میں الجھنے لگے تو آپ کہیں کہ "انی صائم" میں تو روزے سے ہوں، میں آپ کو جواب کیسے دوں۔ ترش اور سخت کلمات کیسے ادا کروں نازیبا کلمات کیسے کہوں "انی صائم" یہی مطلب ہے "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" کا۔ انسان جب کھاتا پیتا ہے اس کی توجہ عبادات سے ہٹ جاتی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسا کھانا کھانا کہ اس کے بعد جماعت چھوٹ جائے، نماز نہ پڑھی جائے حرام، ناجائز گناہ کبیرہ ہے وہ کھانا تو زہر سے بدتر ہے جو انسان کو عبادت سے غافل کرے۔ بعض لوگ کھانا کھا کے ٹانگیں پھیلا لیتے ہیں کہ دیکھا جائے گا۔ کھانے کو حلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اٹھ بیٹھے کہ ابھی ہمیں اللہ کی نعمت نصیب ہوئی ہے اللہ کی عبادت کا وقت ہو گیا ہے سب سے پہلے میں روانہ ہوتا ہوں۔ دو چار رکعت زیادہ نوافل پڑھ لیں تاکہ اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہو جائے۔ روزہ کی حالت میں نہ کھانا نہ پینا جبکہ سب تقاضے موجود ہیں، طعام موجود ہے یہ تو فرشتوں جیسی خصلت ہے۔ سب نعمتیں موجود ہیں فرشتوں کے لئے لیکن خود فرشتے نہیں کھاتے۔ ان کو اللہ نے پرہیز کرایا ہے، تو بالکل فرشتہ بننا اور بالکل کھانے پینے سے آزاد ہونا یہ تو انسانیت کے ساتھ جمع نہیں ہوگا "وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسانوں کو میں نے ایسا تو نہیں بنایا کہ کبھی بھی کھانا نہ کھائیں "وَمَا کَانُوْا خٰلِدِیْنَ" (سورۃ انبیاء آیت ۸) اور نہ یہ ہمیشہ رہ سکتے ہیں۔ اتنا ہو سکتا ہے کہ کچھ لمحوں کے لئے کچھ

گھڑیوں کے لئے ایک مہینے کے لئے مخصوص دنوں میں فرشتوں کے ساتھ ان کی مشابہت ہو جائے کیونکہ وہ بہت ہی پاک مخلوق ہیں" لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ "اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہی نہیں کرتے ہیں" وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ "(سورۂ تحریم آیت ۶) جیسے ان کو کہا جاتا ہے ایسے ہی کر گزرتے ہیں۔ فرشتے بہت پاک مخلوق ہیں ہمہ وقت اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اسی لئے روزہ دار کو بھی عبادت میں لگایا گیا ہے۔ ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا کوئی معمولی کام نہیں، قرآنِ کریم ختم کرنا بھی معمولی کام نہیں، راتوں کو جاگنا اور سویرے اٹھنا اور سنت سحری کھانا یہ سب عبادات ہیں، یہ شب بیداری، ذکر، تسبیح، تلاوت، دعا، اللہ کے حضور راتوں میں بیٹھ کے آنسو بہانا، خوب دعائیں مانگنا، اپنی بندگی اور عاجزی پیش کرنا، اس کے کرم الوہیت اور کرم کے خزانوں سے دونوں جہانوں کی خیر و سعادت طلب کرنا بڑے مبارک اعمال میں سے ہے، ان سب میں فرشتگان خداوندی کا رنگ پایا جاتا ہے۔

تقویٰ کے تین اہم ارکان

"لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ "تقویٰ کا بہترین ذریعہ عبادات میں روزہ ہے۔ کیونکہ تقویٰ تین چیزوں کا نام ہے، اولاً کھانے پینے میں کمی کرنا اور روزہ یعنی صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک نہ کھانا ہے نہ پینا ہے نہ اپنی بیوی سے جائز مباشرت کرنی ہے، ثانیاً روزہ کی حالت اور تقویٰ کی حالت، عبادات کی ہیں۔ رمضان شریف شروع ہوتے ہی مساجد میں چہل پہل ہوتی ہے، نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، عبادات کی کثرت ہوتی ہے اور ثالثاً

تقویٰ کا اہم رکن شب بیداری ہے کہ رات کے اول حصے میں تراویح کے بہانے دیر تک جاگو اور پھر رات کے آخری حصے میں سحری کے بہانے اٹھو، تو تینوں ارکان پائے گئے۔ کثرتِ عبادات، ترکِ طعام اور احیاء اللیل راتوں کو جاگنا، راتوں کو نیند کم کرنا۔ اس لئے روزہ دار کو اجازت ہے کہ وہ دن کو بھی آرام کر لے۔

رمضان المبارک اور نمازِ فجر

فقہاء حنفیہ جو ہمارے بزرگ ہیں ہمارے مذہب کے بڑے ہیں، اللہ ان کی قبروں کو انوار و برکات سے بھر دے جنہوں نے ہمیں مذہب بڑا صاف ستھرا کر کے دیا اور اب ہمیں بڑی آسانی ہے، ہم بڑے شکر گزار ہیں ان کے کیونکہ انہوں نے ہمارے لئے بڑی مشکلات گزاری ہیں۔ ہمارا فقہی مسئلہ یہ ہے کہ فجر کی نماز روشنی میں پڑھی جائے، دن کی روشنی جب آنے لگے، سفیدۂ سحر تو فجر پڑھی جائے۔ تو سال کے گیارہ مہینے حنفی فقہ میں حنفی فقہاء نے لکھا ہے کہ فجر کی نماز ذرا دیر سے پڑھو تا کہ سوئے ہوئے جاگ کر آجائیں نماز میں پہنچ جائیں۔ انہی فقہاء کرام نے رمضان شریف کے اندر فجر کو سویرے پڑھنے کے لئے لکھا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ جاگے ہوئے ہیں اور سحری کر چکے ہیں، اگر ان کو پتہ ہو کہ ایک گھنٹہ جماعت میں باقی ہے تو وہ سو جائیں گے۔ لیکن جب ان کو یہ پتہ ہوگا کہ اذان ہوتے ہی پندرہ منٹ میں جماعت کھڑی ہو جائے گی اتنی دیر میں ہم مسجد پہنچیں گے، سنتیں پڑھیں گے تو ٹائم ہو جائے گا تو وہ کبھی بھی فجر کی نماز میں سستی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کامل و اکمل بزرگوں کی ارواح پر فتوح فرمائے اور ان کو اعلائے جنت میں مقام

نصیب فرمائے۔

رمضان کے علاوہ حکم یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر جب تک اشراق نہ پڑھی جائے تو نیند کرنا ٹھیک نہیں ہے، سختی بھی آئی ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر اشراق پڑھی جائے اور پھر اگر کسی کو نیند آتی ہے تو لیٹ جائے لیکن رمضان شریف میں فجر جو اندھیرے میں اور غلس میں پڑھنے کا حکم آیا تو اس کو بھی ختم کر دیا اور رمضان میں کتاب الفقہ علی المذاہب اربعہ میں لکھا ہے کہ ان کے لئے اشراق کا انتظار نہیں ہے۔ وہ فجر پڑھ کے آرام کر لیں، جب اٹھیں گے تو اشراق پڑھ لیں گے۔ بند پہ بند، تہہ در تہہ پورے کا پورا دین برکتوں اور فوائد سے بھرا ہوا ہے۔ یہ سب روزہ دار کے لئے اہتمام کیا گیا ہے روزہ دار کا بڑا احترام اور تقدس ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "للصائم فرحتان فرحة عند فطرہ و فرحة عند لقاء ربہ" (مسلم ج ۱ ص ۳۶۳) روزہ دار کے دو وقت بہت خوشی کے ہیں، ایک تو جب اس کا افطار کا وقت ہو جائے اور دوسرا اللہ رب العزت سے ملنے کا۔ اسی طرح ایک اور حدیث قدسی میں فرمایا "الصیام لی و انا اجزی بہ" (بخاری ج ۱ ص ۲۴۵) کہ مومن جو روزہ رکھتا ہے وہ میرے ہی لئے رکھتا ہے اور میں ہی اس کو اس روزے کی جزا دوں گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ رمضان کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ رمضان شریف گزرنے کے بعد بھی اس پر دین کے آثار ہوتے ہیں اور بے دینی سے نفرت ہوتی ہے اور عبادات کا خوب ذوق وشوق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے عالم کے مسلمانوں کو صحیح روزہ اور عبادات کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم ناتوان اور عاجزوں کی ٹوٹی پھوٹی عبادات قبول فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

پینتالیسواں خطبہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونؤ من بہ ونتو کل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعما لنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھا دی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشہد ان سیدنا و نبینا محمداً عبدہ و رسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً و نذیراً و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ○

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اللھم صل و سلم علی عبدک و نبیک و رسولک محمد احمد

وعلی ا لہ و اصحابہ و بارک و صل وسلم علیہ

ایمان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

قابل قدر بزرگو محترم بھائیو معزز سامعین! اللہ تعالیٰ نے ایمان جیسی دولت عطا فرمائی ہے۔ اور یہ اللہ کا اپنا خاص احسان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان محنت سے نہیں ہوتا کسب سے نہیں بنتا، کسی کی کوشش سے نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عطا ہے کوئی کتنی بھی مشقت کر لے لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل نہ ہو انسان ایمان سے آراستہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے کہ "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" (سورہ قصص آیت ۵۶) جناب نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ یہ ایمان، یہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مرضیات میں سے ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ انبیاء مرسلین میں بڑے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور ان کا بیٹا کنعان کافر رہا، کافر مرا، پیغمبر نے کتنی محنت مشقت کی ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کو تبلیغ

انبیاء بنی اسرائیل کے سرخیل اور سپہ سالار ابو انبیاء بنی اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آذر بغیر ایمان کے دنیا سے گزر گیا۔ ابراہیم علیہ السلام دنیا میں بھی ان کی

وجہ سے غمگین رہے اور قیامت کے دن بھی پریشان ہوں گے۔ دنیا میں تو اس لئے کہ حضرت اس کوشش میں رہے کہ اس کو ایمان نصیب ہو لیکن وہ بہت سخت تھا

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰھِیْمَ ط اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا

قرآن میں ان کو ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں وہ دین کے بارے میں بڑے پختہ کار مستقل مزاج اور سچائی سے آراستہ پیغمبر تھے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا

جب انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ ایسوں کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کچھ کام آ سکتے ہیں "یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ" اے ابا جان میرے پاس نبوت اور وحی کا ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے "فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا" میری بات مان لیں بالکل سیدھے اور درست راستے پر روانہ کردوں گا "یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ط" اے ابا جان شیطان کی باتیں نہ مانیں اس کی پوجا نہ کریں "اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ○" شیطان اللہ رب العلمین کا بہت بڑا دشمن ہے "یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا" اگر اسی طرح شرک اور کفر پر آپ رہے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کافر و مشرک کی جو سزا ہے جہنم کی آگ وہ آپ کو پکڑ لے گی اور یوں آپ اللہ سے دور ہو کر شیطان کے دوست بن جائیں گے۔

کتنی بہترین تقریر ہے تقریر اس کو کہتے ہیں جس میں مقصد واضح ہو بعض مولوی گھنٹوں لگے رہتے ہیں لیکن کسی کو کچھ پتہ نہیں چلتا ہے بات کیا تھی، کہنا کیا چاہتے تھے

مضمون کیا تھا اور واقعہ سے نتیجہ کیا نکلا۔ فارسیان کہتے ہیں ''من چہ می گویم تنبور چہ می گویم'' میں کیا کہہ رہا ہوں اور ڈھول کیا کہہ رہا ہے۔ تقریر اور بیان وہ پسندیدہ ہے جس میں مطلب بالکل واضح اور نشانے پر ہو کوئی کبھی بھی آ کر بیٹھ جائے اسے پتہ چلنا چاہئے کہ آج توحید کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے، غیر اللہ کی پرستش سے منع کرنے کی بات ہو رہی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع اور اس کی قدر و منزلت بیان ہو رہی ہے، شرک و بدعت کی مذمت کی جا رہی ہے، ہر ہر جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایسا ہے کہ اس پر مہینہ بیان ہو سکتا ہے۔ گھر کے لوگوں کو اور وہ بھی بڑوں کو اور وہ بھی باپ جیسی عظمت کی جگہ ہو اور انہیں اتنی اہم بات سمجھائی جائے یہ بالکل امتحان کی سی کیفیت ہے کیونکہ باپ تو بیٹے کو سمجھاتا ہے بڑا چھوٹے کو سمجھا سکتا ہے لیکن عمر میں چھوٹا اور وہ بھی بیٹا اور زمانے کا نبی مرسل الصادق المصدوق وہ وحی سے بیان فرما رہے ہیں کہ یہ جو آپ نے مورتیاں بنائی ہیں باباؤں کی یادگاریں کھڑی کی ہیں، ان کا خاص طریقے سے آداب بجالاتے ہیں جو ایک مخلوق کی طرف سے مخلوق کے لئے جائز نہیں ہے اس سے باز آ جائیں، یہ غلط راستہ ہے جہنم لے جانے والا ہے۔ تھوڑی دیر کی تقریر ہے لیکن مکمل زندگی کا لائحہ عمل بنا کر دیا۔

بزرگوں سے محبت میں تجاوز! شرک کی ایک قسم

یہ بھی ایک قسم کا امتحان ہے جو کہ لوگوں اور امتوں پر قیامت تک رہے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تو مشرکین ہی تھے، دوسری طرف بعد میں یہود اور نصاریٰ، ہندو اور سکھ ڈوگرے اور گوتھڑے تھے وہ سب کے سب توحید کے محتاج ہیں انہیں توحید کے بھرپور بیان کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ ہمارے مسلمانوں پر جو رسوم غالب ہوئی ہیں اور

اوہام آئے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ لوگ شریعت کے دائرہ سے باہر نکل گئے ہیں اور شریعت کے خلاف بزرگوں سے عقیدت رکھنے لگے۔ بزرگوں سے عقیدت رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اس کی بھی شریعت نے حدیں مقرر کی ہیں، ان حدود سے تجاوز کی وجہ سے درگاہیں وجود میں آئیں اور یہ لوگ محبت میں اتنا آگے نکل گئے کہ ان بزرگوں کو اپنی ہر چیز کا مالک اور مختار سمجھنے لگے، حاجت روا اور کارساز سمجھنے لگے۔ ورنہ ہمارے پیغمبر جناب نبی کریم ﷺ نے تو جتنی زیادہ قبروں اور مزاروں کی مذمت کی ہے اتنی کسی اور چیز کی نہیں کی، حضرت ﷺ فرماتے ہیں'' ان لا تترک قبراً مشرفاً الا سویتا'' اونچی قبر چھوڑنا نہیں یہاں تک کہ اس کو زمین سے ملاؤ۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ درگاہ کا ثبوت آخر ہوا کہاں سے ہے یہ کب وجود میں آئی ہیں'' ولا تمثال الا محوتا'' اور نہ مورتی چھوڑو مگر یہ کہ اس کو توڑ دو۔ غور فرمائیے کہ قبر کا مسئلہ پہلے بیان کیا اور مورتی کا بعد میں بیان کیا کیونکہ مورتیوں سے مسلمان نہیں بہکتے، وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ مجسم ہیں اور بت ہیں اور غیر مسلم کی عبادت گاہوں مندر، چرچ کو بھی اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ کفر کے اڈے ہیں، وہ باباؤں کی عقیدت میں بہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں دھوکہ اور فریب بہت زیادہ ہے۔ میری آدھی کیا بلکہ مکمل زندگی اسی مسئلہ میں گزر گئی لیکن آج تک دنیائے حدیث میں یا کسی بھی تاریخ میں یا کسی بھی قسم کی کتاب میں ایک روایت صحیح تو درکنار ضعیف بھی ایسی نہیں ملی کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری ۶۳ سالہ زندگی میں ایک دفعہ بھی کسی نبی کو یا کسی اور کو آواز دی ہو یا مشکل وقت میں پکارا ہو۔ آپ ﷺ سے پہلے سوالاکھ انبیاء گزر چکے ہیں لیکن کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کسی کو مشکل میں پکارا ہو، ہمارے زمانے کے بدعتی ذرا اپنے نبی

کی تعلیمات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیں تو ان کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کس قدر بھٹک گئے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں نبی کریم ﷺ کی محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ آپ ﷺ کی مسلسل دشمنی کے درپے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

پکارنا صرف اللہ تعالیٰ کو ہے! حضرت زکریا علیہ السلام

بزرگوں کی محبت کی تجاوز سے ہی سارے نقصانات ہوئے ہیں کیونکہ پکارنے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید اس کے پاس کوئی ایسی صلاحیت اور کرامت ہے کہ میں یہاں چڑھاوا دوں، سلام کروں، آداب بجالاؤں تو میرا کام بن جائے، مشکل حل ہو جائے اور مجھے بیٹا مل جائے۔ تو قرآن کریم ایسے موقع پر کہتا ہے کہ باباؤں کا سب سے بڑا بابا اور پیغمبر وقت حضرت ذکریا علیہ السلام کا قصہ پڑھ لو۔ خدا تعالیٰ نے ان کا قصہ بہت جگہوں میں ذکر کیا ''ھنالک دعا ذکریا رب'' ان کی پرورش میں جب پاک بی بی تھی حضرت مریم رضی اللہ عنہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ۔ حضرت ذکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے، امام اور خطیب بھی تھے اور بی بی مریم کی پرورش انہی کی ذمہ داری تھی، قرآن کہتا ہے کہ جب ایک دن حضرت ذکریا علیہ السلام مریم بی بی کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ قسم قسم کے بے موسم پھل بی بی مریم کے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ تو حضرت نے دریافت کیا ''قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ط'' یہ کہاں سے آیا ''قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ط'' بی بی نے کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ بھیج رہے ہیں ''اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ'' اللہ تعالیٰ ہر موسم میں بے موسم پھل دے سکتا ہے۔ حضرت ذکریا علیہ السلام نے

ایک ننھی منھی معصوم پاک دامن بی بی کی کرامت دیکھی تو ان کی نبوت کا مزاج بھی جوش میں آیا کہ جب بغیر موسم کے آپ پھل دے سکتے ہیں تو گو میری عمر نہیں ہے صحت نہیں ہے'' وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ '' اعضا میرے اکھڑ گئے'' وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا '' سر کے بال تک بھڑک اٹھے سفید ہو گئے ہیں'' وَلَمْ اَکُنْ م بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا '' اور اب بھی آپ سے مانگنے سے نا امید نہیں ہوں۔ تین وجہ بیان فرمائی ہیں۔ بڑھاپا آ گیا، اولاد جوانی میں ہوتی ہے، بال سفید ہو گئے اور یہ نہیں کہ بے موسم سفید ہو گئے ، موسم سے سفید ہوئے اور اعضاء بھی ہل گئے ہیں بڑھاپا کی وجہ سے۔ تو اسباب نہیں ہیں لیکن مسبب تمام اسباب پیدا کرنے والے اپنی قدرتوں میں کامل مالک ومختار رب کریم آپ بے موسم پھل مریم کو دیتے ہیں تو یقیناً آپ مجھے بھی بے موسم بیٹا عطا کر دیں۔ قرآن پاک بڑے مزے سے کہتا ہے ''ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ '' یہیں پر جہاں مریم کو دیکھا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ کسی کی نعمت کو دیکھ کر رشک کرنا۔ بلکہ اس طرح کہیں کہ خدایا اس کو صحت دی مجھے بھی صحت وتوانائی دیں، خدایا اس کو حلال دولت دی ہے مجھے بھی عزت کی دولت اور فراوانی عطا فرما، یہ قاعدہ ہے کہ دعا اس کی قبول ہوتی ہے جس کے دل میں حسد نہ ہو، محبت اور رشک ''ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ'' مفسرین کہتے ہیں کہ ظہور کرامت میں دعا قبول ہوتی ہے ظہور کرامات مریم بی بی کے پاس ہوا اور جہاں کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے وہاں قبولیت کے جلوے قریب سے برستے ہیں۔

''قَالَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً'' اپنے پاس سے مجھے بھی بیٹا دے پاک صاف۔ بیٹا ہو اور باپ کے مسلک پر ہو، بیٹا ہو اور باپ کی صلاحیتوں سے بلند

ہو، ایسا بیٹا نہ ہو جس کی وجہ سے باپ روز تھانے اور تحصیل میں کھڑا ہو، ایسا بیٹا نہ ہو جس کی وجہ سے باپ جوابازوں اور شرابیوں کے قریب ہونے لگے۔ دوسری جگہ فرمایا ''رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا'' خدا مجھے تنہا نہ چھوڑیں ''وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ '' اور اصل تو آپ سب کے ہیں۔ بیٹا کیا دے گا ایک خوشی ہے ایک آرام ہے، خدایا کوئی بھی نہیں ہوگا تو ہوگا ''وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ '' کیسی زبردست دعا مانگی ہے ''فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ'' اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی دعا قبول کی ''وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی'' یحیٰی نام کا بیٹا دیا'' وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ '' اور ان کی بیوی جو بانجھ تھی اس کو بھی اس قابل بنایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بیٹا اس لئے دیا کہ پیغمبر نے مانگا تو پیغمبر تو ۱۰۰ سال سے مانگ رہے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے نا امیدی بھی نامناسب ہے۔ ''اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ '' یہ پیغمبر لوگ نیکیوں میں آگے بڑھتے تھے۔

نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنا ! انبیاء کی سنت، بخشش کا سبب

نیکی کے کام میں پیچھے نہیں رہنا چاہئے جتنا زیادہ نیکی کے کاموں میں ترقی ہوگی اتنا ہی انسان کے ایمان میں مضبوطی پیدا ہوگی۔ آج اکثر لوگوں میں یہ اثر ہوگیا کہتے ہیں کہ اس کا کام کروں تو مجھے کیا ملے گا ہر چیز کا عوض نہیں ہورتا اور عوض طلب کرنا بھی حماقت اور محرومی ہے۔ یہ کہہ کر آپ اپنا ثواب بھی برباد کر لیتے ہیں۔ نیکی کے کام تو جب بھی میسر آئیں اسے اللہ تعالیٰ کی توفیق سمجھنا چاہئے اور خوب دل کھول کر اس میں حصہ لینا چاہئے۔ بخاری شریف میں ایک بدچلن عورت کا واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ساری زندگی اس کی خراب کام

میں گزری ایک روز وہ راستے سے گزر رہی تھے اس نے دیکھا کہ ایک کتے کو پیاس لگی ہے اور وہ ایک کنویں کے کنارے بیٹھا ہوا ہے اس نے سوچا کہ ایسی پیاس مجھے بھی لگی ہوتی ہے تو گرمی سے، پیاس سے کتے کا کیا حال ہوگا۔ اس خاتون نے اپنے دوپٹہ سے رسی بنائی اور اپنے جوتے کو اس سے باندھا اور ''ڈول'' کی طرح اسے بنایا اور تھوڑا تھوڑا پانی بھرتی تھی اور وہ کتے کو پلاتی تھی یہاں تک کہ کتا سیراب ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اس گناہ گار عورت کے اس عمل کی قدر میں ''فغفر لها بذلک'' (بخاری ج ا ص ۴۶۷) اس کی مغفرت فرمائی۔

یہی حال برے اعمال کا بھی ہے کہ ایک چھوٹا سا عمل ہوتا ہے لیکن وہ انسان کو جہنم لے جانے کے لئے کافی ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت تھی اور اس کی ایک بلی تھی۔ وہ بڑی ظالم تھی بلی کو ایسا باندھ کر رکھتی تھی، نہ ہی اس کو کچھ کھانے پینے کو دیتی تھی اور نہ ہی اس کو کھولتی تھی کہ وہ اپنے لئے باہر سے کچھ کھانے کا انتظام کر لے ''حتی ماتت جوعا'' (بخاری شریف ج ا ص ۳۱۸) یہاں تک کہ وہ بلی اسی حال میں بھوکی پیاسی مرگئی۔ اس عورت کے اس عمل کی وجہ سے اسے عذاب ہوا اور اس کی معافی نہیں ہوئی۔

مجھے کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے کہ یہ ہمارے مسلمان! یہ امت محمدیہ کے لوگ ﷺ! یہ آخرت میں جنت کی امید رکھنے والے! ان کو نیکیوں سے کیسے دوری ہوگئی یہ لوگ نیکیوں سے سیر کیسے ہوگئے؟ ایک کام آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ آگے نہیں بڑھاتے ہیں۔

اچھے کلمات کی ادائیگی بھی نیک اعمال میں سے ہے

حدیث شریف میں ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرے پاس کچھ کلمات ہیں، ترمذی شریف میں ہے اور میں وہ کلمات پڑھتا تھا تو مجنون ٹھیک ہو جاتا تھا یہ بھی ایک نیکی ہے۔

مؤطا امام مالک میں کعب احبار کی روایت ہے کہ کچھ کلمات ایسے ہیں کہ جن کو میں صبح شام پڑھتا ہوں اگر نہیں پڑھتا تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے ''لو لا کلمات اقولهن لجعلتني اليهود حمارا'' (مؤطا امام مالک ص ۷۲۳) کچھ کلمے ہیں جو صبح شام پڑھے جائیں تو ہر طرح سحر اور جادو سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

ایک کلمہ ہی تو تھا جو حضرت مریم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے لگے۔ اللهم انا نعوذ بک من شر الخلائق بکلمات تامات'' کبھی حضرت دعا مانگتے تھے کہ خدایا تیرے جو پاک و کامیاب کلمے ہیں ان کے سہارے مجھے شر خلائق سے مخلوقات کے شر سے پناہ میں رکھ۔

ایک کلمہ ہی تو ہے ''ای عم کل لا اله الا الله کلمت احاج لک بها عند الله ''حضرت ﷺ فرماتے ہیں اپنے چچا ابو طالب سے۔ پڑھ لیں وہ کلمات کہ جن کے ذریعہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپ کی شفاعت کر سکوں۔ کتنا محسن تھا ابو طالب کتنی نیکیاں تھیں اس شخص کی کتنا وہ حضرت ﷺ کا خیال رکھتا تھا لیکن وہ مقدس کلمہ جس کی ادائیگی کے

بعد جہنم حرام ہو جاتی ہے اور جنت واجب ہو جاتی ہے یہ کلمہ وہ نہیں پڑھتا تھا اس سے بچتا تھا اور جب آپ نے زیادہ زور دیا تو سنادید قریش جو کہ شرکین کے بڑے ہیں وہ ابو طالب کو کہتے تھے ''اترغب عن ملة عبد المطلب'' (بخاری ج ۲ ص ۷۰۳) اپنے بڑوں کے طریقے چھوڑ رہے ہو۔ حضرت ﷺ فرماتے تھے پڑھ لیں کلمہ اس سے پہلے کتنا کہا ہو گا لیکن آج آخری دن ہے اور چند لمحے بعد ابو طالب مر رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابو طالب نے اشعار پڑھے آپ کی تسلی کے لئے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا دین اور آپ بالکل برحق ہیں، جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے۔ بڑے بڑے کافر جانتے ہیں لیکن مانتے نہیں ہیں۔

اسلامی بینکاری! جاننے کے باوجود ایک حرام کی طرف پیش رفت

جان کر نہ ماننا اور خطرناک ہے مختصر المعانی میں ''ومن لم يعلم من مقتضىٰ العلم وهو والجاهل سواه'' علامہ آلوسی نے کشاف میں کہا ہے ''بل هو اسوه حال من الجاهل لانه لا يعمل لجهله و هذا لا يعمل مع علمه فكانه اضله الله علىٰ علمه'' جاہل نہیں کرتا ہے نہیں جانتا ہے نہ جاننا بھی ایک بلا ہے لیکن یہ جان کر جو نہیں کرتے ہیں یہ بہت زیادہ خطرناک بات ہے، بہت تکلیف دہ بات ہے، جاننے کا تو فائدہ یہ ہے کہ آگے مان لیں۔ قرآن کریم نے جناب رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے متعلق ایک مقام پر رب العزت فرماتے ہیں ''يعلمه علماء بني اسرائيل'' بنی اسرائیل کے علماء اسے جانتے ہیں معلوم ہیں انکو مانتے ہیں۔

بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ جن کو سب پتہ ہے کہ کوئی اسلامی بینکاری

پاکستان میں نہیں ہے۔ یہ ایک سازش کے تحت اسلام کے نام پر لوگوں کو سود خور بنانے کی ناروا مہم چلائی جارہی ہے اور عالی طبقہ کے لوگ اس کے مرتکب ہوئے ہیں۔

"فَاَمَّا مَنْ طَغٰی o وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا" (نازعات ۱۷،۱۸) یہ سرکشی اور دنیا پرستی کی بین مثال ہے۔ ملک بھی کے علماء اور جید فقہاء نے ان کی فقہی لغزش کو دلائل کے ساتھ پکڑا ہے اور ان کی فقہی لغزش بالکل واضح ہے۔ عام بات ہے جسے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کیونکہ وہ تمام لوگوں کی رقوم جمع کر کے اسٹیٹ بینک میں جمع کرتے ہیں اور اسٹیٹ بینک ان کو سود دیتا ہے۔ ہر عام و خاص کو اس بات کی اطلاع ہے کہ اسٹیٹ بینک کسی بھی طرح سود سے پاک نہیں ہے پھر اس سے حاصل کردہ رقوم کس طرح سود سے پاک ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ عالمی منڈی کا ممبر ہے نہ کہ کسی دینی ادارے کا کوئی فرد۔ وہ کیسے اسلام کا کام کر سکتا ہے۔ یہ ہمارے لوگ وہاں سے ایک فیصدی نفع جو بھی انکا ساڑھے تین/چار فیصد طے ہے وہ لے لیتے ہیں اور پھر اپنے ممبران پر اور ڈونروں پر تقسیم کرتے ہیں کسی کو ایک فیصد (1%)، کسی کو ڈیڑھ فیصد (1.5%)، کسی کو دو فیصد (2%)، خالص مکر، سازش اور فتنہ ہے۔ اہل حق علماء، اہل حق طبقہ ان کا یہ خیال تھا کہ اس طرح سود کی لعنت کم ہو جائے گی اور لوگ اسلامی طرز حیات پر آجائیں گے۔ لیکن جب اجلہ فقہاء، سربرآوردہ مفتیان، پاکستان کے ۴۰۰ جلیل القدر فقہاء انہوں نے اس کا مکمل جائزہ لیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ شاید بعض وجوہ سے اسلامی بینک سودی بینکوں سے بھی زیادہ ناکارہ اور کمبخت ہیں۔ غور سے سن لو، کان کھولو! جہنم جانا اور نہ جانا وہ آپ پر ہے، ہم آپ کو جنت کا راستہ بتاتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ

جب ایک چیز میں اختلاف آیا، جائز یا ناجائز کا تو ترجیح ناجائز کو ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر جائز کام کا کرنا ضروری نہیں مگر ہر ناجائز سے بچنا ضروری ہے۔

مشتبہ چیزوں سے بچنا ہی ایمان کا تقاضہ ہے

کم از کم یہ تو ان کے مقتدر علماء نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ معاملہ مشتبہ ہے۔ وہ ان کو مشتبہ تو نہیں کہتے ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا ہے کہ پورا اسلام اب بھی نہیں ہے، ہم تو کوشش میں ہیں۔ آپ کی کوشش سود کو حلال نہیں کر سکتی۔ عدم اطمینان دلیل ہے اشتباہ کی اور یہ کہنا کہ یہ پورا اسلامی نہیں ہے بلکہ اسلام کی طرف ایک کوشش اور تدبیر ہے یہ عدم اطمینان اور تشکک اور تردد اور اشتباہ کا معدن ہے۔ کیا آپ کی نظر میں حدیث شریف نہیں ہے، بخاری میں نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے کہا کہ "الحلال بین و الحرام بین" "یہ حلال واضح ہے اور یہ حرام واضح ہے" "وبینھما مشتبھات" "درمیان میں کچھ چیزیں ہیں جو ملتی جلتی ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ شاید اسلامی بینکاری ہے، ان کے استادوں نے، ملک بھر کے بڑے فقہاء نے کہا کہ اس میں ایک فیصد بھی اسلام نہیں ہے، اسی کو تو مشتبہ کہتے ہیں، حدیث میں آگے فرمایا کہ "فمن اتقی المشبھات" (بخاری ج ۱ ص ۱۳) جو شبہات اور شک والے نظام سے بھی بچے تو اس شخص نے اپنا ایمان اور عزت اور آبرو محفوظ کرلی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس میں عزت جانے کا بھی اندیشہ ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو، ایمان کو بھی خدشہ ہے یہ تو مال بڑھانے کے چکر میں ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ ناجائز ہے تو متبادل کیا ہے؟ اس کا متبادل

حلال کاروبار ہے۔ اگر کل کو آپ کو پاخانہ کا متبادل نہ ملے تو پھر آپ پاخانہ کھانا شروع کردیں گے کیا؟۔ یہ عجیب بات ہے! قرآنِ کریم نے جو کہا کہ سود حرام ہے تو قرآن نے کہا کہ بیع جائز ہے، کاروبار جائز ہے کاروبار پر پابندی نہیں ہے۔ یہاں ذرا ایک بات غور سے سن لو اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرمایا ’’احل اللہ بیع و حرم الربا‘‘ سود کو حرام کررہے تھے تو فرمایا کہ بیع خرید و فروخت حلال ہے تو میں نے کہا کہ اس مسئلہ کا متبادل تو آیت خود بیان کررہی ہے۔ کیا وہ متبادل نظام جو رب العزت نے بیان کیا، آپ اس سے مطمئن نہیں ہیں؟ یاد رکھو اچھی طرح سمجھ لو کہ اس مسئلہ میں ان کو تفسیری مغالطہ ہو رہا ہے۔ یہ ایک وہم کا جواب ہے، وہم یہ تھا ’’انما البیع مثل الربوٰا‘‘ حضرت محمد ﷺ سود کو ناجائز کیوں کہتے ہیں، کاروبار میں اور سود میں فرق ہی کیا ہے؟ کاروبار میں رقم ڈوبتی ہے اور سود میں ڈوبتی نہیں ہے، حرام کاری بڑھتی جاتی ہے، تو چونکہ یہ اشکال ہوا تھا ’’اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا‘‘ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‘‘ تو چونکہ ایک الزام تھا اور اشکال تھا کہ اسلام کاروبار کو جائز کہتا ہے جس میں نفع نقصان ہے اور سود کو ناجائز کہتا ہے جس میں نفع ہی نفع ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے ’’اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‘‘ ’’فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى‘‘ ’’جس کو دینی نصیحت آگئی اور وہ باز آیا‘‘ ’’فَلَهٗ مَا سَلَفَ‘‘ جو پہلے ہو چکا ہے سو ہو چکا ہے‘‘ وَمَنْ عَادَ‘‘ (بقرہ آیت ۲۷۵) اور جو سننے کے بعد بھی سود سے باز نہیں آیا تو اللہ اس سے بدترین قسم کا بدلہ لے گا۔ قرآن کریم میں تو رب العزت نے انتہائی بات کی ہے کہ اگر اس سود سے تم باز نہیں آتے ہو تو میرے ساتھ

جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آپ کو چاہئے کہ محنت اور مشقت کریں، حدیث میں ہے قربِ قیامت میں ایمان پر رہنا ایسا ہوگا جیسے ’’کالقابض الاجمرہ‘‘ جیسے مٹھی میں آگ کا انگارہ پکڑنا مشکل ہے۔ آپ یہی انگارہ پکڑیں، ہاتھ تو جل رہا ہے لیکن ایمان بچا ہوا ہے اور امید ہے کہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں گے۔ جب آپ نے یہاں ٹھنڈے پینے سے رقوم بینکوں میں ڈالیں اور خوب اس کا منافع کھایا یہ دیکھے اور سوچے بغیر کہ یہ رقم کیسی ہے تو پھر بروز قیامت جہنم کی آگ کے لئے تیار رہیں۔

حضرت الشیخ کا سپاس و تشکر

ایک ایجنٹ نے مجھے کہا کہ آپ مدرسہ کے پیسے ڈالیں تو میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو اتنے ہوتے ہی نہیں ہیں جتنے آتے ہیں کہ طلباء پر خرچ ہو جاتے ہیں۔ تو کہنے لگا کہ آپ اپنی رقوم ڈالیں تو میں نے اس سے کہا کہ ہم تو جبہ، رومال اور پگڑیوں کے علاوہ اور کوئی سرمایہ نہیں رکھتے یہ ہماری دینی کتب ہی ہماری زندگی کی ساری کمائی ہے، انہی کے درمیان ہماری زندگی گزرتی ہے۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ سامان نکلا

میں نے کہا کہ ہم لگتے بڑے مالدار ہیں، الحمد للہ خدا کا شکر ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہیں۔ اگر ذلیل و خوار لگتے تو کیا کرسکتے تھے۔ یہ بھی اللہ کا خصوصی

احسان ہے لیکن کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ ہم تجارت کریں اور پیسے کمائیں۔ بس یہ شکر ہے کہ ادارے بن رہے ہیں، طلباء پڑھ رہے ہیں، تفسیر حدیث، فقہ پڑھانے کا بہترین موقع مل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کرنے کا خوب بھر پور موقع دیا ہے سارا سال ہم بخاری اور ترمذی پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں اور شعبان میں جب تمام مدارس میں چھٹیاں ہو جاتی ہیں اور مدارس بند ہو جاتے ہیں تو احسن العلوم میں تفسیر پڑھنے والے طلباء کا رش لگ جاتا ہے ایک سمندر کی طرح طلبا کراچی کا رخ کرتے ہیں۔ پورے ملک میں بزرگ علماء اس عاجز اور نالائق سے بخاری ختم کرانا چاہتے ہیں، اس دفعہ بھی ۳۸ مقامات سے دعوت آئی صرف ۲۲ جگہیں بڑی مشکل سے قبول۔ یہی ہمارا سرمایہ ہے اور پونجی ہے جس پر ہمیں فخر ہے اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت دے ہمیں کسی بھی تجارت اور مالداری کی ضرورت نہیں، یہی جو طلباء کی کھیپ تیار ہوتی ہے یہی ہمارا مال ہے اور یہی ہماری تجارت ہے۔

بڑے علماء سے بھی غلطی ہو سکتی ہے! چند امثال

جن علماء نے کہا ہے کہ اسلامی بینکاری غلط طرز مال ہے اور اس میں ایک فیصد بھی اسلام نہیں ہے نری سیاہی، تاریکی، ظلمت اور ناجائز ہے۔ ان کا کہنا ایمان پر اخلاص پر لوگوں کے مال کے بجائے ان کی عاقبت اور آخرت بچانے کی فکر ہے، لیکن جو کہتے ہیں کہ نہیں وہ بھی بڑے مولوی ہیں، انہوں نے بھی ان مسائل میں تحقیق کی ہے، کتابیں لکھی ہیں۔ اس سے ہمیں کب انکار ہے ان کا بڑا ہونا اپنی مسلمہ ہے لیکن وہ اس مسئلے میں غلطی پر ہیں، ان کی علمی غلطی بالکل واضح ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے بڑوں سے بھی غلطی ہو سکتی ہے تا کہ

آپ کی تسلی رہے۔

پہلی مثال بخاری شریف میں ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا" کے ذیل میں کہ ابیؓ بن کعب اس امت کے اقرا ہیں "اقرانا ابی" لیکن وہ کہتے ہیں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے۔ ابیؓ باوجود اس کے کہ وہ اقرا ہیں لیکن انکی یہ لغزش حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں۔

دوسری مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی حدیث میں فرماتے ہیں کہ "اقضانا علی" "اس امت کا سب سے بڑا قاضی حضرت علی ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ بعض مخالفین کو تحریق کرتے تھے آگ سے جلاتے تھے اور اس کو صحابہ نے کمزور بات کہا ہے، عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کاش یہ سزا نہ دیتے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ان النار لا يعذب بها الا الله" باوجود اتنے بڑے مقام اور مرتبہ کے فقہی لغزش واقع ہو گئی۔ (بخاری شریف جلد ثانی کتاب التفسیر ص ۶۴۴) بڑے جلیل القدر صحابی کی ایک فقہی لغزش دوسرے صحابی بتا رہے ہیں۔

تیسری مثال عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں، پیغمبر ﷺ نے جو ۴ آدمی متعین کیے ہیں کہ ان سے قرآن سیکھا کرو ان میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں، عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب سورۃ الیل پڑھتے تھے "والذكر الانثىٰ" پڑھتے تھے شاگرد بڑے خفا ہوتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ اسی طرح پڑھو میں نے نبی ﷺ سے ایسا ہی سیکھا ہے ان کے علاوہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم "وما خلق الذكر

والانثیٰ ''پڑھتے تھے (بخاری ج۲ص۷۳۷)

چوتھی مثال عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بخاری میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کی زندگی میں ہم پڑھتے تھے'' السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' لیکن جب پیغمبر ﷺ فوت ہوئے تو ہم پڑھنے لگے'' السلام علی النبی ایھا النبی ''خطاب کا صیغہ ختم کیا اور غائب کا صیغہ لے آئے اور کہتے تھے کہ اب تو نبی ﷺ دنیا میں ہیں ہی نہیں۔عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامیذ اسودؒ اور علقمہؒ بڑے بڑے ان میں سے ایک نے بھی اس کو روایت نہیں کیا کیونکہ زندگی میں بھی تو پیغمبر ہر جگہ نہیں تھے، مکہ میں جو نماز ہو رہی تھی اور آپ ﷺ مدینے میں تھے اور جب مدینے سے آپ ﷺ مکہ آئے تو سفر میں پڑھتے تھے وہاں آپ سامنے کہاں تھے۔تو کبھی کبھی بڑے علماء سے بھی بعض ایسی لغزش صادر ہو جاتی ہے۔

مسئلہ میں رجوع کرنا بھی اسلاف کا طریقہ ہے

پہلا واقعہ ہمارے مذہب کے امام، امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ایک خاص وجہ سے فرماتے تھے کہ قرآن کی طرح قرآن کا ترجمہ بھی قرآن ہے۔مطلب یہ ہے کہ قرآن بغیر عربی بھی قرآن ہے اور دلائل ابو حنیفہؒ کے ایسے دلائل ہوتے تھے کہ ان کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے تھے کہ اگر ابو حنیفہ اس ستون کو سونے کا کہیں'' لاقامہ علیک بحجتہ ''تو اس کو بھی دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں انہیں اپنے علم پر اتنا کنٹرول تھا۔جب شاگردوں نے دیکھا کہ امام صاحب اس پر stand لے چکے ہیں اور یہ بات

کسی حد تک صحیح بھی تھی کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ'' اقیم الصلوٰۃ وآت الزکوٰۃ'' پڑھیں تک فرض ہوگی بلکہ اس کا ترجمہ جس زبان میں بھی ہے اس پر فرض ہے۔جب شاگردوں نے کہا کہ حضرت اندیشہ ہے کہ لوگ بغیر عربی کے نماز پڑھیں گے تو امام صاحب نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ تمہاری بات صحیح ہے اور'' القرآن اسم لنظم والمعنیٰ جمیعا ''قرآن عربی جمع ترجمہ دونوں کا نام ہے ایک قرآن نہیں ہے۔

دوسرا واقعہ امام صاحب فرماتے تھے کہ موزے کا مسح جائز ہے خف یا تو منعل ہو نیچے چمڑہ لگا ہوا ہو یا مجلد ہو پورا چمڑہ ہو اور متقہ مسخہ ہو کسی ایسی دھات کا ہو جو چمڑ انماہ ایسا کہ ایک میل چلے نیچے نہ اترے۔اوپر پانی ڈالے اندر نہ جائے بغیر باندھے ہوئے ٹخنے سے نیچے نہ جائے، جو شرائط لکھی ہیں لیکن جرابین، جرابوں کو آپ نہیں مانتے تھے۔آپ فرماتے تھے موزہ موزے کی طرح ہونا چاہئے یہاں تک کہ کوئی جرابہ موزے کی طرح ہی ہو تو امام صاحب اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں مانتے تھے، یہ ایک نازک مسئلہ ہے۔غسل رجلین فرض ہے، پیروں کا دھونا اور یہ صرف موزے کی اجازت آئی ہے، تقریباً ۲۰۰ صحابہ سے اس میں احادیث مروی ہیں۔امام صاحب سے منقول ہے کہ میں نے موزے کے مسح کا قول تب کیا جب اتنی حدیثیں سامنے آئیں کہ جیسے سورج کی واضح روشنی، اتنا انبار لگ گیا تھا تو سر جھکا کر میں نے کہا کہ'' یجوز المسح الکفین لان الاحادیث فیھا مستفیضا'' موزوں کا مسح جائز ہے، کرنا پڑے گا۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جو حضرت کے خاص شاگرد تھے امام ابو حنیفہؒ فرماتے

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل کو ان کی زندگی میں انبیاء اور مرسلین بنایا اور بڑی خوشی سے وہ کہتے تھے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ" اللہ کا شکر ہے کہ میرے بڑھاپے میں میرے دو بیٹے بلوغ نبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ اس طرح ہمارے پیغمبر فخر المرسلین، خاتم النبیین جناب نبی کریم ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر بڑا ناز تھا۔ آیا تان من آیات اللہ، محدثین کہتے ہیں اسی طرح امام ابوحنیفہ کو امام ابو یوسف اور امام محمد ابن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہما پر بڑا ناز و فخر تھا وہ دونوں پیش ہوئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت اگر موزہ نہیں ہے کوئی دھات ہے اور وہ چمڑہ نما ہے اور اس کا جرابہ بنا ہوا ہے اس کو بھی موزے کے حکم میں کہیں تاکہ امت کو آسانی ہو جائے اور عالم شاگرد، فاضل شاگرد، استاذ کا سرمایہ ہے، بہت بڑا سرمایہ ہے وہ انہیں بعض باتیں یاد دلاتے ہیں۔ اسی کو علمی معاونت اور علمی نیابت کہتے ہیں، جس وقت امام ابوحنیفہؒ شدید بیمار تھے اور حضرت کے پیروں میں جرابیں تھیں اور نمازوں کے اوقات آتے تھے اور وہ اتارتے تھے تو ایک دن امام ابوحنیفہ نے کہا کہ میرے علاوہ تم سب اس کو موزہ کہتے ہو میں بھی تمہاری بات مان کر موزہ کہتا ہوں کیونکہ بیمار تھے بار بار اتارنا بہت مشکل کام تھا اور گھر پر رہنے والے کو تو ایک دن ایک رات کی چھوٹ ہوتی ہے کہ وہ اس پر مسح کرتا جائے۔ الفاظ اس طرح ہیں "النہر الفائق" میں "الیوم افعل من ما کنت امنا منکم" آج میں وہی کچھ کرتا ہوں جس سے پہلے تمہیں منع کرتا تھا، اس کو رجوع کہتے ہیں۔ اپنے مسئلے سے پیچھے ہٹنا اور حق کی طرف آنا۔ امام صاحب کے ایک

آخری شاگرد تھے نوح ابن ابی مریم رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے چھ دن بعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا ہے۔

بعض مسائل میں بعض علماء سے ایسی لغزش ہو جاتی ہے کہ اگر وہ لغزش بروقت نہ بتائی گئی تو امت کے ڈوبنے کا اندیشہ ہے۔ جیسے اسلامی بینکاری میں ایک اہل حق فقہی طبقے سے فقہی لغزش ہوگئی ہے اور انہوں نے جن وجوہ سے ان کو جائز اور اسلامی کہا ان وجوہ سے اس کا جواز اور اسلامی ہونا ثابت نہیں ہوا اور وہ بدستور نا جائز رہیں گے۔ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق "درمختار" کے مقدمہ میں، کہ حضرت ایک جگہ سے گزر رہے تھے، وہاں چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے۔ وہ پھسلان جس پر یہاں بیٹھ کہ وہاں تک جانا ہوتا ہے تو حضرتؒ حیران ہو گئے کہ بچے پانی میں بیٹھتے ہیں اور پھسل کے وہاں جاتے ہیں کہیں زخمی نہ ہو جائیں، آپؒ نے بچوں سے کہا کہ خیال رکھیں، کہیں ٹانگ وغیرہ نہ پھلے (کبھی بغیر اختیار کے آدمی پھسل جاتا ہے اور ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے) تو ان میں سے ایک بچہ یا بچی تھی اس نے امام صاحب کو کہا کہ حضرت آپ اپنا خیال رکھیں اگر آپ پھسل گئے تو پوری امت پھسل جائے گی۔ تو حضرت فرماتے تھے کہ میں نصیحت کرنے لگا اور مجھے زندگی بھر کی نصیحت ہوگئی اسی سے یہ قاعدہ بنا ہے "زلت العالم زلت العالَم"، عالم دین کا پھسل جانا پورے عالم کا پھسل جانا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ جنہوں نے جائز کہا ان کے بڑے اور اساتذہ اور مشائخ اور ان کے مقام سے بہت بڑے فقہاء نے بروقت ان کی گرفت کی۔ اب اللہ ان کو توفیق دے کہ

وہ بروقت توبہ کریں، استغفار کریں اور پیچھے ہٹیں اور اگر ایسا نہ بھی کریں تو امت پر فرض ہے کہ وہ اسلامی بینک سے پرہیز کریں اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ سمجھیں جو سودی بینک کے نظام کیساتھ ہے اس میں کسی درجے میں بھی اسلام نہیں۔ اللہ ہمارے اعمال اور انجام کی حفاظت فرمائے۔

واخردعواناان الحمد للہ رب العلمین

چھیالیسواں خطبہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤ من بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعما لنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ تعالیٰ الیٰ کافۃ الخلق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ج فَمَنْ فَرَضَ فِیْھِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ لا وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ ط وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ز وَ اتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''الحج المبرور لیس
له جزاء الا الجنة'' (سنن نسائی ج۲ ص۲)

چوں کعبہ قبلہ حاجات شد از دیار بعید
روند خلق بدیدارش از بسے فرسنگ

مکہ گئے مدینہ گئے قدس بھی گئے جیسے گئے تھے گھوم پھر کے ویسے آگئے

د مکہ پہ بزرگی کی ایس شک نشتہ
ولے خر بہ حاجی نشی پہ طواف

یہ تو تین مہینے ہیں، شوال جو ختم ہوا، ذی القعدہ اور اس کے بعد ذی الحجہ کا جو مہینہ شروع ہوگا یہ مہینے اشہر حج کہلاتے ہیں، ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ'' حج کے مہینے معلوم ہیں اور مقرر ہیں، حج تو چند دن میں ہوتا ہے۔

حج کا اول اور اہم رکن ! احرام کا باندھنا

اگر کوئی شخص وہاں رہنے والا ہو اور اپنے گھر سے یا حرم سے احرام باندھے یا باہر سے آنے والا میقات سے پہلے پہلے یا اپنے گھر سے '' من دويرة اهله ''(ہدایہ ج ا ص ۲۱۷) ہدایہ میں ہے، جہاں وہ رہتا تھا وہاں سے احرام باندھے، یہ احرام ایک بڑی ذمہ داری ہے اور یہ حج کے شایانِ شان عمل ہے، تو اسکے اختیار کرنے میں وسعت رکھی گئی۔ مثلاً گلشن اقبال سے ۳ آدمی حج پر روانہ ہو رہے ہیں ان میں ایک بہت زیادہ موڈی ہے اور خوب جذباتی ہے اور بہت ہی تقویٰ اور پرہیز گار ہے، وہ یہیں سے احرام باندھے، گھر پر

نہائے دھوئے سلے ہوئے کپڑے اتار لے اور احرام باندھے، ایک تولیہ نیچے اور ایک تولیہ اوپر اور احرام کی نیت کرلے میں اس کی تفصیل آگے بیان کرتا ہوں۔

دوسرا آدمی کہتا ہے کہ میں ائیر پورٹ سے باندھتا ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے! اس کو شاید نکلنے میں یا راستے میں گرانی کا خیال ہے، ائیر پورٹ پر بھی جگہ بنی ہوتی ہے وہاں سے بھی احرام باندھنا مناسب ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

تیسرا آدمی کہتا ہے کہ میں نے جہاز سے باندھنا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ ایک جگہ مقرر ہوئی ہے ''یلملم'' ہندوستان، پاکستان، ترکستان، افغانستان کی طرف سے جانے والے حاجی صاحب وہاں سے جب ارادہ حج یا عمرہ کا ہو بغیر نیت احرام کے نہیں گزر سکتا وہ گناہگار ہوگا، ہاں سمندری جہاز والا بیشک گزر سکتا ہے کیونکہ اس کے راستے میں یلملم نہیں آتا۔ تو یہ تین مواقیت اس کے ہیں، ایک گھر بار سے احرام باندھ رہا ہے، دوسرا ائیر پورٹ سے باندھنا اور تیسرا جہاز سے یعنی میقات کے آنے سے پہلے جب وہ میقات آئے تو وہ محرم باحرام حج یا محرم باحرام عمرہ ہو چکا ہو۔ یہ آداب ہیں اُس بڑے گھر کے اس جیسا گھر آسمان و زمین میں نہیں ہے۔ بیت اللہ، اللہ کا گھر! مولانا رومؒ نے کیا عجیب بات کہی ہے

کعبه را هر دم تجلی بر فزود
ایں زے اخلاصاتِ ابراہیم بود

کعبے پر ہم دم تجلیات گر رہی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس جل وعلیٰ کی روشنی، خاص قسم کے انوار و برکات اس دنیا کیلئے آتے وقت کعبہ پر گرتی ہیں۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں۔

کعبۃ اللہ کی مختصر تاریخ

اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کا بھی ذکر ہے، ابراہیمؑ اس کے معمار اول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا تھا کہ یہاں میرا گھر بناؤ، گھر تو پہلے سے تھا، حق تعالیٰ نے جب آسمان وزمین کو پیدا کرنا چاہا اور جو ارادہ کیا تو وہ ارادہ موتی کی شکل میں ظاہر ہوا، اللہ تعالیٰ نے جب اس موتی کو نظر رحمت سے دیکھا تو وہ پانی پانی ہوگیا۔ پھر دوبارہ اس کی طرف دیکھا تو وہ جمنے لگا، کعبہ، کعب کے معنی ہیں پانی میں ٹھہراؤ، پانی میں ابھری ہوئی جگہ۔ جب یہ بڑھ جائے تو جزیرہ کہلاتا ہے۔ تو یہ کعب ہے، کعبہ اور پھر ملائک کو حکم ہوا کہ یہاں طواف کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے دنیا میں تشریف لائے تو ان کو بھی کہا کہ آپ میرے گھر آئیں اور یہاں طواف کریں۔ مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سراندیپ (یہ قدیم ہند کا نام ہے) سے ۱۲۰ حج کئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ۲۰۰ سال سے زیادہ ہے اور اس میں ۸۰ حج انہوں نے پا پیادہ کیے خود گئے پیروں سے چل کر اور بقیہ ۴۰ انہوں نے سواری پر کیے ہیں۔ تاریخ وتفاسیر کی کتب میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس وقت جنت سے زمین کی طرف اتارا گیا تھا تو انہیں سراندیپ میں اتارا تھا جہاں ایک بہت بڑا پہاڑ ہے اور وہاں قدم آدم موجود ہے، حوا بی بی کو جدہ میں اتارا گیا تھا، جدہ دادی کو کہتے ہیں اور دونوں کی ملاقات ۴۰ سال بعد عرفات کے میدان میں ہوئی ہے۔ عرفات کے معنی ہیں جان پہچان کے، وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اس کو جبل رحمت کہتے ہیں یہ وہی جگہ ہے جہاں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت تشریف لارہے

تھے اور بی بی صاحبہ بھی وہاں سے گزر رہی تھیں ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچان لیا۔ عجیب بات ہے کہ ۴۰ سال میں حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حوا کا پتہ نہیں ہے اور بی بی حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کا پتہ نہیں ہے اور پھر بھی نعرے لگتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء غیب دان ہیں۔ اسی طرح جو مور جنتی پرندہ تھا اور اسرائیلی روایات میں ہے کہ اس کے پیروں میں ابلیس لپٹ گیا تھا اور جنت میں داخل ہوا تھا اس کو کشمیر میں اتارا گیا تھا اس لئے کشمیر میں حسن وجمال بے تحاشا ہے اور وہ سانپ جو تھا وہ کابل میں گرایا گیا تو کابل میں تکلیفیں بہت زیادہ ہیں، ایک دوسرے کو ڈسنا اور مارنا، مشہور ہے کہ کابلیان خود بھی زیادہ وفادار نہیں ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے بھی تفسیر قرآن میں ان روایات کو قبول کیا ہے اور ان کا ان روایات پر اعتماد کرنا بہت بڑا معنی رکھتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پیغمبر ہیں اور پہلے انسان ہیں اور حوا بی بی ولیہ ہیں اور نبی کی زوجہ ہیں کل کائنات کے انسانوں کی ماں ہیں لیکن نہ آدم کو علم غیب ہے اور نہ حوا کو علم غیب ہے۔ نہ دسترس ہے کہ شرق سے غرب تک ایک دوسرے کو کسی خرق عادت سے ملالیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکایات جو بنائی گئی ہیں وہ سب بے سروپا ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ میں بڑا حیران تھا میں نے پہلے بھی سراندیپ سے واپس آکر یہ بات کہی تھی اور میں پریشان تھا اور مسلسل پوچھتا ہوں کہ وہ جس کو آج کل سری لنکا کہتے ہیں وہ چاروں طرف پانی ہے خشکی کا کوئی راستہ نہیں ہے لیکن ہماری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ راستہ موجود تھا اور حضرت آدم علیہ السلام خشکی کے راستے سے گئے تھے۔ ایک عالم دین کا پتہ چلا جو دوسو، تین سو سال پہلے گزرے ہیں اور تسلی ہوئی انہوں نے اپنی قلمی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہاں سے عربستان کا ایک راستہ تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام

کے زمانے میں جب طوفان آیا تو وہاں بھی پانی شامل ہو گیا اور دوبارہ پانی ہٹا نہیں۔ اسی طرح ایک پہاڑ بھی ہے جو سیلون سے ہٹا ہے اور مکہ میں جا کر پہنچا ہے اور اس پہاڑ کو جبل الہند کہتے ہیں، وہ ہندوستان کا پہاڑ کہلاتا ہے، غالب گمان یہ ہے کہ یہ بالکل سیدھا راستہ تھا

ذرا اندازہ لگائیں کہ اتنا مشکل حج تھا اس زمانے میں، پوری دنیا جنگل تھی اور ہر طرف پانی ہی پانی تھا، ہر طرف بچھو سانپ اژدھا پھیلے ہوئے تھے۔ ایسا تو نہیں تھا جیسے آج کل ہمارے دور میں ہے ہم ایئر پورٹ سے جہاز میں بیٹھتے ہیں یا سمندری جہاز میں پورٹوں سے بیٹھتے تھے۔ اس زمانے میں تو لوگ سفر کرتے تھے تو تلوار، خنجر اور جنگلی جانوروں سے درندوں سے مقابلے کا پورا سامان ہوتا تھا۔

تاریخ پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے ہمیں کس آسانی کے دور میں بھیجا ہے، چند گھنٹوں میں آدمی جدہ اتر جاتا ہے۔ اگر سعودیوں نے ایمان داری کی اور لوگوں کی امیگریشن جلدی کیا تو ۲ گھنٹوں میں مکہ مکرمہ پہنچ سکتا ہے اور کعبہ کے سامنے اپنی آنکھیں اور دل ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اجازت ہو تو آکر میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

سوچا تو یہ تھا کہ حج کے لئے جمعہ میں بہت پہلے پڑھا دیتا لیکن عید کے دن بیمار رہا ہوں بہت شدید، عید بھی نہیں پڑھی شاید اس وجہ سے خیال نہیں ہوا آج خیال آیا کہ حج پر گفتگو کروں۔ حج کی گفتگو تو ویسے ہی ثواب ہے اور عبادت ہے۔

حج کی تین اقسام

حج افراد حج اصل میں تین قسم کا ہے، ایک کو افراد کہتے ہیں کہ صرف حج۔ اس کے شروع میں عمرہ کا کوئی دخل نہیں ہے، بعض ائمہ کے نزدیک یہ افضل حج ہے کیونکہ حج کی نیت سے گھر سے نکلنا یہ بہت بڑی سعادت ہے، ان میں امام مالک رحمہ اللہ بھی شامل ہیں جو کہ حج افراد کو افضل کہتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ بھی ہے کہ حاجی مفرد (حج افراد کرنے والا) مکہ مکرمہ میں مسافر ہوتا ہے اور مسافر پر قربانی نہیں ہے۔ یعنی اس کے احکام میں قربانی نہیں ہوتی، قربانی بہت بڑا مسئلہ ہے جو حاجی وہاں گئے ہیں ان کو اس بات کا اندازہ ہے کہ وہاں سب سے مشکل مرحلہ جمرات کی رمی کے بعد پھر قربانی کرنے کا ہے۔

پھر بقیہ جو دو قسمیں حج کی ہیں تمتع اور قران ان میں قربانی واجب ہے۔ جب تک آدمی قربانی نہ کرے وہ احرام سے نہیں نکل سکتا، سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، بال نہیں بنا سکتا۔ ایک آدمی جب حج کا احرام حج پہنتا ہے خواہ گھر سے ہو، ایئر پورٹ سے ہو یا میقات یلملم سے پہلے ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ طے کر چکا ہو کہ اسے حج افراد کرنا ہے، حج تمتع کرنا ہے یا حج قران کرنا ہے۔

حج تمتع تمتع اس کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی یہاں سے عمرہ کا احرام باندھے اور وہاں جا کر پہلے عمرہ کر لے، عمرہ تو چند گھنٹے کا کام ہے، طواف بیت اللہ، صفا مروہ کی سعی اور بس بال اتارے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لے اور وہاں نمازیں حرم شریف میں پڑھنے کیلئے آیا جایا کرے، طواف خوب کثرت سے کرے۔ پھر جب ذی الحجہ کی آٹھویں

تاریخ آجائے تو بیت اللہ شریف سے یا اپنے ہوٹل سے یا جہاں اس کا قیام ہو وہاں سے حج کا احرام باندھے۔ اس کو تمتع کہتے ہیں "فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ "بعض لوگوں نے اس سے یہ مراد لیا ہے اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے مراد قران ہے۔ محقق ابن الہمام "نے فتح القدیر میں اس پر طویل کلام کیا ہے اور جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں بھی اس پر تفصیل کلام کیا ہے۔

حج قران تیسرا حج قران ہے، قران کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے یا ائیر پورٹ سے یا یلملم آنے سے پہلے پہلے یہ دو احرام باندھے، عمرہ کا بھی اور حج کا بھی۔ یعنی احرام تو ایک ہوگا کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈبل تولیے لپیٹ لے، اس پر نیت احرامین کی کرلے (دو احراموں کی) اور کہے کہ میں اسی احرام سے عمرہ بھی کروں گا حج بھی کروں گا۔ اسے قران کہتے ہیں، قران کے معنی ہیں عمرہ اور حج ملا کے کرنا۔ "فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ "محقق ابن الہمام کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے عمرہ کے ساتھ حج کیا اور حج کے ساتھ عمرہ کرنے کا تو اصل مصداق قران ہے" وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ "اور حج اور عمرہ اللہ کیلئے کرے۔ حج تو فرض ہے، عمرہ فرض نہیں ہے سنت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ملا دیا اور عمرہ حج ایک ساتھ ہوں تو اسے قران کہتے ہیں۔ افراد میں تو عمرہ ہوتا ہی نہیں ہے اور تمتع میں پہلے ہی عمرے سے فارغ ہو جاتا ہے۔

اب یہ جو حاجی قارن (حج قران کرنے والا) ہے حنفیہ کے نزدیک ہمارے مذہب احناف میں افضل ترین حج قران ہے کیونکہ اس میں مشقت بہت زیادہ ہے۔ مشقت اس لئے ہے کہ ایک آدمی عمرہ کرلے لیکن عمرہ کے احرام سے نکلے گا نہیں، احرام نہیں

ختم کرسکتا ہے کیونکہ اس احرام میں اسے حج بھی کرنا ہے اور حج میں دن باقی ہیں۔ عمرہ تو کرے گا لیکن عمرہ کے بعد حلال نہیں ہوگا بدستور احرام کی حالت میں رہے گا، نہ بال اتار سکتا ہے، نہ خوشبو لگا سکتا ہے اور نہ ہی ممنوعات میں سے کوئی کام کرسکتا ہے۔ عمرے سے فارغ تو ہوا لیکن بدستور حالت احرام میں ہے اور انتظار کرے اسی طرح احرامین میں دو تولیے یا چادریں اوڑھا ہوا ہوگا اور انتظار کرے ۸ ذی الحجہ کا اور جب ۸ ذی الحجہ آجائے تو سب حاجی منیٰ کیلئے روانہ ہو جائیں۔

حج کے دیگر ارکان کی تفصیل

منیٰ میں تو کام بعد میں ہے ابھی کوئی کام نہیں ہے لیکن شریعت یہ چاہتی ہے کہ یہاں ایک دن رات آرام کرلے، ۵ نمازیں پڑھ لے۔ کوشش ہوتی ہے کہ ظہر میں وہاں پہنچیں ۸ ذی الحجہ کی۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن کی فجر۔ پانچ نمازیں پڑھ کر اور پھر قدرتی طور پر وہاں بڑا آرام سکون ملتا ہے اور اس کے بعد عرفات کیلئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ۸ ذی الحجہ احرام باندھ کر منیٰ آیا، مکہ مکرمہ سے منیٰ پہلے آتا ہے بلکہ آج کل تو منیٰ عزیزیہ میں مل گیا ہے اور پھر وہاں سے روانہ ہوتے ہیں عرفات کی جانب جو کہ نو دس میل کے فاصلے پر ہے۔ منیٰ اور مزدلفہ دونوں حدودِ حرم میں ہیں لیکن عرفات باہر ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین حج کرتے تھے تو مزدلفہ کے آخری کنارے پر بیٹھے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ "نحن همز" "ہم کعبہ کے مجاور ہیں، حرم سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اسلام جب آیا اور اسلام نے حج کا اعلان کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "الحج

عرفہ" جب تک عرفات کا وقوف نہ ہو حج ہوگا ہی نہیں۔ عرفات پہنچ جاتے ہیں ظہر تک یا ظہر سے پہلے یا ظہر کے ساتھ اور ظہر کی نماز اپنی پڑھ لے یا پھر امام صاحب کے ساتھ پڑھنی ہے تو ظہر عصر اکھٹی پڑھ لے۔

ایک اختلاف اوراس کی تفصیل

یہ قاعدہ ہے کہ وہاں امام صاحب پڑھاتے ہیں کعبہ شریف کے یا ریاض کے، اصل میں ایک اختلاف ہے اور بہت سخت اختلاف ہے وہ یہ کہ وہ لوگ حنبلی فقہ کے ماننے والے ہیں، حنبلی فقہ میں حج کے اندر کوئی نماز چار رکعت نہیں ہے، سب نمازیں ۲،۲ رکعت ہو جاتی ہیں، کیونکہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ علیہ بغداد سے آتے تھے اور مسافر ہوتے تھے۔ جناب نبی کریم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے آتے تھے اور آپ ﷺ بھی مسافر ہوتے تھے اور آپ ﷺ نے بھی مکہ میں دو رکعت پڑھائیں، حدیث میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ چار رکعت پڑھ لو جن کے مکانات جائیداد مکہ میں ہیں یا وہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور میں تو مسافر ہوں اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر لوں گا۔ ایک آدمی صف سے باہر آیا اور کہا کہ "کیف وقد ولد ببكة" آپ کیسے مسافر ہیں، آپ تو یہیں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے کہا کہ "وهل ترك لنا عقيل من منزلا" عقیل ابن ابی طالب نے ہجرت کے بعد میری جائیدادوں پر قبضہ کر کے سب بیچ ڈالا ہے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اپنے آبائی وطن میں اگر ایک پلنگ کے برابر بھی جگہ ہو خواہ وہ رہائشی ہو یا زمین و پلاٹ کی شکل میں ہو، آدمی جب وہاں پہنچے گا خود بخود مقیم ہو جائے گا وہ وطن

اصلی ہے اور یہی دوٹوک فتویٰ ہے، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ نے اسی پر فتویٰ دیا۔ ہمارے استاد مفتی ولی حسن صاحب بھی اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ میں بھی لوگوں کو یہی سمجھاتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ وہاں رہ رہے ہوں یا رہائش ہو اگر گھر ہے جائیداد ہے، زمین ہے کوئی باغ ہے کوئی پلاٹ ہے اس جگہ پہنچتے ہی خود بخود آپ مقیم ہو جائیں گے،۔ جب آدمی مقیم ہو اور وطن اصلی پہنچتا ہے تو بے شک وہ پوری نماز پڑھتا ہے اس کیلئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ویسے تو مسافر مسافر ہی رہتے ہیں۔ چار فرض دو پڑھتا ہے ہاں اگر یہ نیت کر لے کہ کم از کم ۱۵ دن رات یہاں رہنا ہے پھر وہ پوری نماز پڑھے گا۔

تو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم تینوں کہتے ہیں کہ وہ رسول اکرم ﷺ نے جو عرفات میں ۴ فرض ظہر کے ۴ فرض عصر کے ۲،۲ پڑھی ہیں آپ بمع اصحاب کے مسافر تھے۔ آپ ﷺ کا ارادہ اتنے طویل دنوں کیلئے نہیں تھا اور مسافر آدمی وہ ۴ فرض ۲ پڑھتا ہے۔ یہ مسائل بھی سمجھنا بہت ضروری ہے، ابھی ہم عراق گئے تھے وہاں ہمارے ایک میزبان تھے وہ اتنے بڑے قابل تھے پوری دنیا کی تاریخ اس کو یاد تھی اور بغداد کا تو وہ باشندہ ہے۔ ہم اس کو سمجھاتے تھے ہم مسافر ہیں ہم دو رکعت پر سلام پھیرتے ہیں آپ پوری پڑھیں وہ کہتا تھا کہ نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑھتا اور ہمارے ساتھ سلام پھیر کے کبھی ۲ دوبارہ پڑھتا تھا کبھی ۴، ہم اس کو سمجھا نہ سکے عاجز آ گئے۔ بعض لکھے پڑھے بھی عجیب ہوتے ہیں ان سے علم بھی پناہ مانگتا ہے۔ حضرت الاستاذ محدث العالم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے گہرے روابط تھے عربوں سے خاص کر شاہ فیصل مرحوم سے اور شاہ فیصل بہت بڑا عالم تھا وہ خود وہاں عرفہ کا خطبہ دیتا تھا۔ جب تک شاہ

فیصل رہا ہے عرفہ کا خطبہ خود دیتا تھا، خاندانِ بادشاہوں میں ان جیسا کوئی متشرع نہیں ہوا
ہے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ ہمارا اور آپ کا ایک اختلاف ہے، وہ یہ کہ
آپ حنبلی فقہ کے ماننے والے ہیں اور احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کے یہاں چار فرض دو کرنا یہ
مناسک حج کا حصہ ہے، یہ حاجی کو کرنا ہے اور تینوں ائمہ کہتے ہیں کہ اگر مسافر ہو تو ۲ پڑھ سکتا
ہے ورنہ دو نہیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ چار پڑھیں گے۔ تو آپ یہ مہربانی کریں کہ ریاض سے
امام بھیجیں اور ظاہر ہے ریاض سے جو امام آئے گا وہ مسافر ہوگا تو وہ چار کی جگہ ۲ پڑھائے گا تو
ہماری نماز اس کی اقتداء میں ٹھیک ہوگی کہ مسافر کے پیچھے ۲ درست ہے۔ آپ کے لوگوں کا
جو قاعدہ ہے کہ مناسک میں ۴ رکعت دو پڑھی جائیں گی وہ بھی پورا ہو جائیگا۔ تو شاہ فیصل کو
حضرت الاستاذ کی یہ رائے پسند آئی اور اس نے فوراً منظور کرلی اور آج تک وہاں یہی قانون
ہے کہ خطبہ عرفہ کیلئے امام ریاض سے آتا ہے ورنہ اس سے پہلے امام سبیل اور بن باز دیتے
تھے مجھے بہت اچھی طرح سے یاد ہے۔

اس وجہ سے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ مرحوم نے
احکامِ حج میں لکھا ہے کہ پاکستان کے لوگ وہاں عرفات میں امام کے پیچھے ظہر اور عصر نہ
پڑھیں۔ کیونکہ وہ مقیم ہوتا ہے اور چار کی جگہ دو پڑھتا ہے، مقیم اگر چار رکعات کی جگہ دو
پڑھائے تو ہمارے یہاں اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ شاید حضرت اقدس مفتی صاحب کو
یہ اطلاع نہیں ہوئی ہے کہ وہاں نظام تبدیل ہو چکا ہے کتاب تو بہت پہلے انہوں نے لکھی
ہے، اوائل پاکستان میں لکھی ہے۔

عرفات منیٰ مزدلفہ میں نمازوں کا طریقہ کار

یہ بھی حج کا حصہ ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں لیکن اگر کسی عذر سے آدمی وہاں
نہ پہنچ سکے، رش بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہاں جانا بھی آسان نہیں ہے تو حاجیوں کی سہولت
کے لئے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے اپنے خیمے میں پڑھیں لیکن پھر ظہر ظہر کے وقت میں
جلدی کرے تاکہ دعاؤں کا وقت ملے اور عصر، عصر کے وقت میں لیکن فوراً وقت داخل
ہوتے ہی جمع بین الصلوتین نہ کرے۔ یہ بھی جمع بین الصلوتین صوری ہے حقیقی نہیں کہ ظہر
ظہر کے وقت میں پڑھو اور عصر، عصر کے وقت میں پڑھو لیکن ظہر وہ موخر کرتے ہیں۔ یہاں
حکم یہ ہے کہ ظہر مقدم کرلو پہلے پڑھ لو تاکہ دعاؤں کیلئے بہت وقت ملے۔

منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں مقیم و مسافر کا مسئلہ

اب یہ تفصیل علیحدہ ہے، تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کوئی آدمی مکہ مکرمہ میں پہلے
سے ۱۵ دن رہ چکا ہے تو اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ وہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے
اندر بھی مقیم ہے کیونکہ وہ مکہ میں مقیم ہو چکا ہے تو آس پاس تو دس میل کے اندر آنے جانے
میں تو کوئی مسافر ہوتا نہیں ہے جب تک ۴۸ میل تک فاصلہ نہ ہو۔ لیکن خطرے کی بات یہ
ہے کہ ایک حاجی آخیر میں گیا اور مکہ مکرمہ میں اس کے ۱۵ دن پورے نہیں ہوتے اور ان ۱۵
دنوں کے اندر اندر اس کو منیٰ عرفات اور مزدلفہ کو بھی نکلنا ہے تو چونکہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کو
نکلنا ہے اور وہ ایک علیحدہ جگہ ہے کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں ۱۵ دن کراچی میں رہوں گا مگر
اس کے ساتھ کہے کہ میں حیدرآباد میں بھی رہوں گا تو وہ نہ کراچی میں مقیم ہوگا نہ حیدرآباد

میں مقیم ہوگا ''لا تصح نیة الاقامة ببلدتین لم یعین المبیت باحدھما'' (تفصیلات کے لئے نورالایضاح ص ۱۰۱، ہدایہ اول ابواب السفر ۱۵۰) ایک جگہ کو متعین کرنا پڑیگا دو تین جگہ کی نیت ایک سفر میں نہیں ہوتی تو چونکہ وہاں پر ۱۵ دن کے اندر اندر اس نے منٰی مزدلفہ اور عرفات بھی جانا ہے اس لئے وہ نہ مکہ میں مقیم ہے اور نہ کہیں اور مقیم ہے اگر وہ اپنی نماز پڑھنا چاہے تو ۴ فرضوں کی جگہ ۲ پڑھے گا۔

اب بعض حصے تو مکہ کے ہیں جیسے منٰی ہے تو منٰی عہد اقدس میں ایک علیحدہ جگہ تھی اور منٰی کے لئے مستقل نیت کرنے کی ضرورت تھی اور اسی طرح مزدلفہ وعرفات تھے، لیکن آج کل منٰی کے بعض حصے مکہ مکرمہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ عزیزیہ کی طرف سے ایک ہی چیز ہے، عزیزیہ آپ جائیں گے تو منٰی سے بھی آگے ائمہ کے اور مکہ مکرمہ کے شیوخ کے بنگلے اور کوٹھیاں ہیں اور وہ سب عزیزیہ کہلاتا ہے اور مکہ مکرمہ کا ایک محلّہ ہے۔ تو کچھ علماء نے جب یہ دیکھا کہ منٰی وقت کے گزرنے سے آبادی بڑھ جانے سے مل گئے ہیں کیونکہ آبادی منٰی کی بھی بڑھی اور مکہ کی بھی بڑھی ہے تو یہ مل کر ایک ہو گئے۔ تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر حیدرآباد اور کراچی ایک ہو جائیں تو ایک بڑا شہر ہوگا الگ شہر نہیں مانے جائیں گے کراچی میں جو مقیم ہوگا وہ حیدرآباد میں بھی مقیم ہوگا۔ تو یہ دیکھ کر بعض علماء وقت نے یہ فتوٰی دیا ہے کہ اب منٰی اور مکہ ایک جگہ ہیں لہٰذا منٰی نکلنے کی وجہ سے مکہ کا رہنے والا یا مکہ جانے والا مسافر نہیں ہوگا لیکن کچھ علماء نے یہ کہا ہے کہ نہیں چونکہ ان جگہوں کو پیغمبر ﷺ نے ہی علیحدہ رکھا ہے اس لئے یہ علیحدہ ہی سمجھی جائیں گی۔ چند سال قبل جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اس پر فقہاء کرام کا ایک اجلاس ہوا تھا، مگر بعض لوگوں کی وجہ سے نتیجہ نہ نکل سکا۔

سب سے افضل عمرہ مسجدِ عائشہ رضی اللہ عنہا تنعیم سے عمرہ کرنا ہے

ان کی دلیل مضبوط معلوم ہو رہی ہے کیونکہ تنعیم مسجد عائشہ جہاں سے عمرہ کیا جاتا ہے، یہ تنعیم مکہ مکرمہ کے بیچ میں ہے۔ اس کے آگے تک مکہ پھیلا ہوا ہے لیکن تنعیم حرم نہیں ہے اسی لئے تو وہاں سے عمرے کی نیت کی جاتی ہے۔ اگر آبادی کی وجہ سے علاقے کو شامل سمجھا جاتا تو پھر تنعیم کو بھی حرم کے اندر سمجھا جاتا جبکہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مکہ کی آبادی بہت بڑھ گئی اس لئے تنعیم سے نیت کرنا صحیح نہیں کچھ کم عقل پیدا ہوئے ہیں، کچھ ایسے بیہودہ لوگ زمانے میں ہر وقت ہوتے ہیں جو بات کو سمجھتے نہیں ہیں لیکن فضول باتوں کو دین بنانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایسے بیہودہ لوگوں کے بارے میں ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک آدمی تھا وہ جب استنجا کر کے آجاتا تھا تو بغیر وضو کئے وتر پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ وضو کیا اندر کر لیا؟ اس نے کہا نہیں حدیث شریف میں ہے ''من استنجا فلیوتر'' حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو استنجا کرے وہ پاک پتھر استعمال کرے اور یوتر کا مطلب ہے تین یا پانچ کا عدد یا ڈھیلے۔ تو اس نے ''فلیوتر'' کا معنٰی یہ سمجھ لیا کہ استنجٰی کے فوراً بعد وتر پڑھنا چاہئے۔ میرے نزدیک یہ وہی لوگ ہیں جو ڈھنڈورے پیٹتے ہیں کہ تنعیم سے عمرہ نہ کیا جائے میقات سے کیا جائے۔ یہ حرم کے بدنصیب اور بدبخت لوگ ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے کہا کہ سب لوگ حج وعمرہ کر کے جا رہے ہیں میرا خالی حج ہے آپ ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن سے کہا کہ اس کو تنعیم لے جاؤ وہاں سے احرام بندھواؤ، ہم

آپ کا یہاں انتظار کرتے ہیں، جب وہ لوگ احرام باندھ کے آ گئے تو آپ ﷺ اور وہ مل کر روانہ ہو گئے۔ اب انکا یہ کہنا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے تو انہیں شرم کرنی چاہئے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ چاروں اماموں کی تصریح موجود ہے کہ مکہ پہنچنے کے بعد بہترین عمرہ تنعیم کا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے اتباع کی وجہ سے، مذہب کے چار امام، فقہ و اجتہاد کے تنعیم کے عمرہ کو افضل عمرہ کہتے ہیں اور امام بخاریؒ نے باب قائم کیا "باب عمرة التنعیم"، (بخاری ج ۱ ص ۲۳۹) امام ترمذیؒ نے باب قائم کیا "باب ما جاء فی العمرة من التنعیم" (ترمذی ج ۱ ص ۱۸۶) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں (مسلم ج ۱ ص ۳۸۶، ابو داؤد ج ۱ ص ۲۷۵، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴، ۱۵، سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱)۔ جیسے عمرة الجعرانہ ہے اس طرح سے تنعیم کا عمرہ ہے بلکہ حضرت شیخ مولانا زکریا محدث رحمہ اللہ نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ حضرات امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اپنے لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ تنعیم کا عمرہ ضرور کرنا تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اتباع ہو ان کے آثار صالحہ زندہ تابندہ ہوں (اوجز المسالک ج ۷ ص ۳۵، ۳۶)۔ اس عاجز کے نزدیک جیسے شیطان سے بچنا ضروری ہے اسی طرح ان غلط لوگوں سے بھی بچنا ضروری ہے۔ میں ان کو علماء تو نہیں کہوں گا، یہ غلط لوگ ہیں اور غلط فتاوئ سے بھی بچنا بہت ضروری ہے، لوگ پوچھتے ہیں کہ کیسے بچیں تو ہم کہتے ہیں کہ شیطان سے کیسے بچتے ہیں جس طرح شیطان سے بچتے ہیں اسی طرح ان سے بھی بچیں۔ ساری امت حدیث و فقہ کی تصریح کر رہی ہے کہ تنعیم سے عمرہ افضل عمرہ ہے اور یہ بدنصیب اس کے خلاف پروپگنڈہ کرتے ہیں۔

ہر سفرِ عمرہ پر چار عمرے ضروری ہیں اگر آسانی ہو، ورنہ ایک ہی کافی ہے

اصولی طور پر آدمی وہاں پہنچے اور اللہ اس کو توفیق دے تو چار عمرے کم از کم کر لے۔ ایک یہاں سے جس کو "عمرہ وطنیہ" کہتے ہیں دوسرا عمرہ تنعیم سے، تیسرا جعرانہ سے، مکہ مکرمہ کی ایک سائڈ پر جگہ ہے اس کو جعرانہ کہتے ہیں، تنعیم تک دو چار ریال لگتے ہیں، جعرانہ دور ہے وہاں تک بیس پچیس ریال لیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ غزوہ حنین سے واپسی پر راتوں رات تشریف لائے اور آپ نے جعرانہ سے احرام باندھا اور کعبہ آ کر عمرہ کیا، صبح پھر فجر میں وہاں موجود تھے اس لئے جعرانہ کا عمرہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم نہیں لیکن اس کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے۔ تین ہو گئے، وطن سے، جعرانہ سے، تنعیم سے اور چوتھا عمرہ جب مدینہ سے واپسی ہو تو کوشش یہ ہو کہ پھر مکہ آئیں اس کو عمرة النبی ﷺ کہتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے جب بھی عمرہ کیا ہے تو مدینہ منورہ سے احرام باندھا ہے۔ اس میں اجازت ہے کہ مدینہ منورہ شہر سے جہاں آپ کا قیام ہے وہاں سے احرام باندھیں یا آپ مسجد نبوی سے، یا ذوالحلیفہ سے باندھیں جو میقات اہل المدینہ ہے، مدینہ منورہ کے باہر ایک بڑی بہترین جگہ ہے، پانی اور ہر چیز کا انتظام ہے اس کو آبارِ علی کہتے ہیں۔ ایک اور علی تخی گزرے ہیں ان کے یہاں باغات تھے کسی زمانے میں اور اسی جگہ کو رسول اکرم ﷺ نے اہل مدینہ کو کہا کہ جب آپ مکہ مکرمہ حج یا عمرہ کی نیت سے نکلے تو اس جگہ تک آنے کے بعد احرام باندھ لیں بغیر احرام کے آگے نہ بڑھیں، اس سے آگے آپ بغیر احرام کے نکل گئے تو گناہگار ہونگے کیونکہ یہ مکہ کے آداب کے خلاف ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو آدمی احرام

باندھے بغیر میقات سے گزر جائے، یا تو دم دے گا یا پھر وہ واپس ہو جائے۔ جہاں سے احرام باندھنا ہے اس جگہ جائے اور احرام باندھ کر پھر واپس آجائے۔

حج وعمرہ کے مختلف آداب

جب اللہ تعالیٰ توفیق دے تو صحیح طریقے سے حج وعمرہ ہو اور قدم قدم پر نیکیوں کا خیال ہو اور کوشش یہ کی جائے کہ کوئی بھی کام ایسا نہ ہو جس سے سارے اعمال ختم ہو جائیں اور آپ کا سفر مردار ہو جائے۔ میں حج پر تھا، وہاں ہالینڈ سے ایک جوڑ آیا ہوا تھا اور مجھے کہنے لگے کہ ہم مشکل ترین حج کرنا چاہتے ہیں، ہم بڑی مشقت سے آئے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن ایسا کہیں کہ ہم صحیح حج کرنا چاہتے ہیں۔ حج کے مزاج میں دقت ہے، عمرہ کے مزاج میں قدرے گرانی ہے۔ خواتین نے جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ مرد تو جہاد کرتے ہیں لیکن ہمارے لئے جہاد جیسا کوئی عمل نہیں ہے ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ

"احسن الجهاد و اجمله الحج" (بخاری شریف ج اص ۲۵۰)

تم جو حج پر جاتی ہو وہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے بہت بڑا جہاد ہے اور تمہارا جہاد وہی ہے۔ جب تک ازواج مطہرات حیات تھیں تو خلفائے راشدین خود ان کو حج کرواتے تھے، خلیفہ عدل ساتھ جاتا تھا اور امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب اجر العمرة علیٰ قدر النصب" (بخاری شریف ج اص ۲۴۰) یہ باب ہے کہ عمرہ کا ثواب بڑھتا ہے جب کسی کو تکلیف اور گرانی پیش آئے۔ یہ نہیں کہ آپ دعا کریں کہ یا اللہ مجھے تکلیفیں

پیش آئیں تو یہ کرو، روڈ پر حادثہ ہو جائے تو ہم کہتے ہیں کہ شہید ہے تو کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ آپ گاڑی روڈ سے نیچے گرائیں تاکہ آپ شہید ہو جائیں، یہ کم عقلی کی بات ہے۔ اللہ سے حج اور عمرہ دونوں میں دعا یہی کرنی کہ

"اللهم انی ارید الحج فیسره لی و تقبله منی"

(ہدایہ ج اص ۲۱۸ رشیدیہ)

خدایا اس کو قبول فرما، آسان فرما۔ جب آپ کہتے ہیں کہ یا اللہ میرا حج وعمرہ آسان فرما تو اس میں پوری دنیا آگئی، دنیا کی ساری نعمتیں آگئیں، گھر بار، آل و اولاد، کاروبار، وہاں پہنچنا، واپس آنا جتنے بھی مرحلے اس زمین پر ہیں وہ سب کے سب آسانی میں ہیں، بیت اللہ کی عبادات، طواف، سعی، منیٰ، رمی الجمرات، مزدلفہ، وقوف عرفہ، طواف وداع، طواف زیارت، مدینہ منورہ کی حاضری یہ سب "اللهم یسر لی" پوری دنیا ئیں آپ مانگیں گے تو عرصہ لگ جائے گا جب نبی کا ایک لفظ کہو گے کہ آسان فرما تو اس میں سب آگئے ایک لفظ ہے لیکن نبی کا بتایا ہوا ہے تو کیسا جامع ہے، اب جہاں جہاں دقت پیش آرہی تھی دعا کی برکت سے اللہ وہ دور کرے۔ "و تقبله منی" اس میں پوری آخرت آگئی قبولیت اعمال آخرت میں سے ہے کہ چیز قبول ہوئی ہے کہ نہیں اس کا پتہ آخرت میں چلے گا تو آخرت کی جتنی خوشیاں ہیں، نعمتیں ہیں، جتنی چیزیں ہمیں چاہئیں ان سب کے لئے ایک جملہ نبی ﷺ نے بتادیا "تقبله منی" باقی حاجی جب جاتا ہے تو اسے دعوت کے ساتھ یا مختلف چیزوں کے ساتھ یہ تاکید بھی کریں کہ وہ عبادات کی بھی حفاظت کرے۔

حج کے بعد داڑھی منڈھوانا ! ایک خطرناک عمل

داڑھی مونڈھا آدمی حج پر جاتا ہوتو اسے کہو کہ داڑھی رکھ کے آنا ایسے نہیں کہ جیسے گئے تھے ویسے ہی آگئے۔ عجیب لوگ ہیں کہ میرے پاس آجاتے ہیں حج کے بعد تحائف لیکر تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے حج وعمرہ کہاں کیا ہے کیونکہ آپ کو دیکھ کر ایسا نہیں لگتا کہ آپ بیت اللہ سے آئے ہیں مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ کیاڑی اورڈاکیارڈ سے آئے ہیں۔ مکہ اور مدینہ کے تو تحفے عبادات کی مضبوطی ہے اور عبادت تب مضبوط ہوتی ہے جب آدمی معاصی اور گناہوں سے توبہ کرے۔ اس میں اور بڑی خطرے والی باتیں ہیں کہ ایک آدمی نے حج یا عمرہ کیا اور داڑھی منڈوا رہا ہے اور ہم اس کو کہتے ہیں کہ مبارک ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم گناہ میں شریک ہوں، کیا چیز مبارک ہو یہ تو مبارک نہیں ہے بلکہ مردود حج ہے، مردود حج وعمرہ، مبارک کیا چیز ہے؟ ایک آدمی کتے کا گوشت کھارہا ہے تو آپ کہہ رہے ہیں کہ واہ واہ کیا بہترین ہے، اس سے آپ کا ایمان رہ جائے گا کیا؟ یہ خطرہ ظاہر کرتا ہوں فتویٰ تو نہیں دیتا اس لئے کہ داڑھی مونڈھوں کو بھی مسلمان سمجھتا ہوں یہ بھی بھائی ہیں ہمارے لیکن ان کو تاکید کرنے کیلئے، تنبیہ کے طور پر یہ الفاظ کہتا ہوں تا کہ وہ اس دربار عالی کی عظمت جانیں، اس مقام کی قدر اور منزلت سمجھیں۔ یہ نہ دیکھیں کہ بہت سارے عرب داڑھی مونڈھ رہے ہیں یہ بھی اپنا راستہ آسان کرنے کے لئے ان پر تہمت لگاتے ہیں ہم تو جتنے بھی عربوں سے ملے ہیں وہ تو سب داڑھی والے ہوتے ہیں۔ پھر ہمارے نبی ﷺ نے یہ تو نہیں کہا ہے کہ عربوں کو دیکھو اور ان کے مطابق زندگی گزارو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے

دیکھو، میں تمہارا پیغمبر ہوں، میں تمہارا شافع ہوں، میں تمہارا غمخوار ہوں، میری سنت اللہ نے فرض کی ہے اس پر چلو گے تو ہی کامیابی حاصل ہوگی۔

ایک ایرانی شاعر کی حکایت

ایک شاعر گزرے ہیں، اتفاق سے ایرانی تھا اور ایک عربی تھا ایک دوسرے کو کلام سنایا بڑے خوش ہوئے۔ ایرانی شاعر کی داڑھی نہیں تھی، عرب شاعر کی بھرپور داڑھی تھی ۔عرب شاعر نے ایرانی شاعر سے کہا کہ کلام تو بہت اچھا ہے لیکن کلام کا آپ پر کوئی اثر نظر نہیں آرہا۔ چہرے پر سنتِ نبوی ﷺ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ میرا چہرہ صاف ہے اس طرح میرا دل بھی صاف ہے۔ گناہ کرنے والوں کو بھی شیطان عجیب عجیب پٹیاں پڑھاتا ہے جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ میرا چہرہ صاف ستھرا ہے کوئی بال نہیں ہے اسطرح میرا دل بھی صاف ستھرا ہے تو عرب شاعر نے کہا کہ اسکا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا کہ اسکا مطلب یہ کہ میں نے کبھی بھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ تو عرب شاعر نے اسے جواب دیا کہ وہ دلوں کا سردار محمد الرسول اللہ ﷺ کا دل تو آپ دکھارہے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری سنت کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے مجھے قتل کرنا۔ یہ سن کر وہ ایرانی شاعر پیروں میں گر گیا اور معافیاں مانگنے لگا۔ اس نے کہا کہ معافیاں مجھ سے نہیں اللہ سے مانگو۔ دل کو جانتے ہیں آپ؟

ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
صدیاں لگ جاتی ہیں شاہ دل کو دل بنانے میں

دلوں کا سردار وہ ایک دل جس سے سارے جہان کا ایمان وابستہ ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ ان کی خوشنودی اور اتباع کامل کا ارادہ، ان کی سنت کی مکمل پیروی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو، داڑھی والوں کو بھی اور بے داڑھیوں کو بھی سنتیں اپنانے کی توفیق دے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین